موت کا منظر
مع
احوال حشر و نشر
تصنیف لطیف
شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ جماعتیہ مہرالعلوم ٹھکریال راولپنڈی
مکتبہ امام احمد رضا

محقق اہل سنت شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ جماعتیہ مہرالعلوم شکریال راولپنڈی

نام کتاب : موت کا منظر مع احوال حشر ونشر

مصنف : شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ العالی
مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم شکریال راولپنڈی

کمپیوٹرورک : حافظ محمد اسحاق ہزاروی

کمپوزر : محمد مقرب ستی

ہدیہ : 450/-

ناشر :

مکتبہ امام احمد رضا

کری روڈ، شکریال راولپنڈی

051-4907446,0321-5098812
Website:www.jamia jamtia.com
E.Mail:Mehrul.uloom@yahoo.com

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہے نہ فرار، کیونکہ خالق ہست وبود نے ابتدائے آفرینش سے ہی کچھ قواعد اور ضوابط ایسے مقرر فرمائے ہیں جن سے کسی چھوٹے، بڑے، بوڑھے، جوان، بچے، مرد وعورت کسی کو استثناء حاصل نہیں۔ جس کے بارے میں خود رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴿۱۸۵﴾ (سورۃ آل عمران 10:4) ہر جان چکھنے والی ہے موت کو۔ (کنز الایمان)

اور کہیں ارشاد فرمایا:

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴿۷۸﴾ (سورة النساء ۵:۸) ''جس جگہ بھی تم ہو گے موت تم کو پالے گی اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو۔'' (کنز الایمان)

اور کہیں ارشاد فرمایا:

''قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ'' (سورۃ جمعہ 11:28) ''تم فرماؤ! وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں ملنی ہے۔'' (کنز الایمان)

اور موت کے بارے میں دیوان حماسہ میں قطری بن الفجاءۃ کا کیا خوب قول منقول ہے:

سَبِيْلُ الْمَوْتِ غَايَةُ كُلِّ حَيٍّ فَدَاعِيهِ لِأَهْلِ الْأَرْضِ دَاعٍ

ترجمہ: موت کا رستہ ہر زندہ کی انتہاء ہے، پس موت کو بلانے والا تمام زمین والوں کو بلانے والا ہے۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ جس طرح کافر اور مؤمن کی حیات میں فرق ''الدنیا سجن المومن وجنة الکافر'' کا ارشاد واضح کر رہا ہے بایں طور دونوں کی موت وآخرت میں بھی نمایاں فرق ہے، اس کی وجہ یہ ہے ''الموت تحفة المومن'' موت تو مومن کے لئے تحفہ ہے...........اور کافر کے لئے دائمی عذاب کا آغاز۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسی کتاب ہو جو انسان کو موت کی یاد دلائے تا کہ انسان فکر آخرت کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ابدی زندگی کی تیاری کر سکے۔

''موت کا منظر مع احوال حشر و نشر'' استاذ العلماء والفضلاء یادگار اسلاف استاذِ المکرم مولانا عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی کا وہ علمی کارنامہ ہے جو آپ نے باوجود عدیم الفرصتی کے چار ماہ اور بیس دن کے قلیل عرصے میں سپردِ قلم فرمایا ہے۔

یہ کتاب آٹھ (۸) باب، سینتالیس (۴۷) فصول اور بیسیوں مسائل صحیحہ پر مشتمل ہے۔ موت و حیات کے مختلف معانی، مؤمن و کافر کی موت میں فرق، مابعد الموت مومن پر انعامات کی بارش اور کافر پر عذاب، کفن، دفن، نماز جنازہ و غائبانہ نماز جنازہ، مختلف گناہ اور ان پر ہونے والے عذابات، توبہ اور توبہ کی شرائط نیز احوال جنت و جہنم اس کتاب کے نمایاں موضوعات ہیں، اس کے علاوہ متعدد ضمنی موضوعات پر آپ نے قلم اٹھایا۔

یہ کتاب طباعت کے مختلف مقامات طے کر کے بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ تاہم کافی عرصے سے مارکیٹ میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے عوام و خواص کے لئے باعث تشویش بنی ہوئی تھی، لہٰذا بھرپور کوشش کی گئی ہے کتاب کو مارکیٹ کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ یاد رہے کہ تخریج کے دوران حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ حوالہ جات اصل عربی کتب سے ہی دیئے جائیں تاہم اگر کوئی کتاب عربی متن والی دستیاب نہ ہو سکی تو مترجم پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔

قبلہ استاذِ المکرم کا نام ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے تاہم کتاب کے حسن میں مزید نکھار پیدا کرنے اور اس کو چار چاند لگانے کے لئے سعی بلیغ کی گئی، اس ایڈیشن کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

① عربی عبارات اور اس کے ترجمہ کو اوپر نیچے لکھنے کے بجائے آمنے سامنے لکھا گیا ہے تا کہ پڑھنے میں آسانی رہے۔

② قرآنی آیات کے اختتام پر گول دائرہ کے بجائے آیت کا نشان اور نمبر دیا گیا ہے۔

③ سورت، پارے اور رکوع کی مکمل نشان دہی کی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران 4:10 سے مراد پارہ نمبر 4 اور رکوع نمبر 10 ہے۔ ساتھ ہی ترجمہ کنزالایمان کا التزام کیا گیا ہے۔

④ کتاب کے آخر میں جہاں متعدد آیات تھیں، جن میں پہلے ابتداء اور آخر کی آیات لکھ کر درمیان میں ......تا......لکھ دیا گیا تھا مگر اب مکمل آیات حصول برکت کے لئے شامل کی گئی ہیں۔

⑤ فوائد حدیث میں پہلے ''حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد'' اکٹھے تحریر کیے گئے تھے مگر اس ایڈیشن میں سہولت کے لئے فوائد کی نمبرنگ کی گئی ہے۔

(۶) اس کتاب کی حتی المقدور تخریج بھی کی گئی ہے یعنی کتاب کا نام' مصنف' جلد نمبر اور صفحہ نمبر دائیں طرف کے بجائے ہر صفحے کے نچلے حصے میں اس کی نمبرنگ بھی کی گئی ہے۔ بار بار مطبوعہ لکھنے کے بجائے کتاب کے آخر میں فہرست مآخذ ومصادر دے دی گئی ہے۔

(۷) پوری کتاب کی نئے سرے سے پیرابندی کی گئی ہے اور حتی الوسع رموزِ کتابت وعلاماتِ وقف کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے حجم کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۹) تفسیر نجوم الفرقان غیر مطبوعہ اور مطبوعہ سے کئی مقامات پر استفادہ بھی کیا گیا ہے۔

(۱۰) کتاب کے اندر بہت زیادہ لائن سپیس رکھنے کے بجائے مناسب سپیس رکھا گیا ہے۔

(۱۱) جدید تقاضوں کے مطابق کتاب کا بارڈر ختم کیا گیا تا کہ کم صفحات بن سکیں۔

(۱۲) مناسب کاغذ کے ساتھ ساتھ قیمت بھی کم کر کے انتہائی مناسب رکھی گئی' تا کہ اس مہنگائی کے دور میں کتاب ہر شخص کی قیمت خرید سے باہر نہ ہو۔

کتاب کی تیاری میں جن حضرات کا تعاون ہمارے ساتھ رہا' ان کا تذکرہ نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی۔ اس کتاب کی کمپوزنگ میں مولانا محمد مقرب صاحب نے دن رات محنت سے کام کیا۔ ہمارے جامعہ کے دورۂ حدیث شریف کے چند طلباء نے بالعموم اور مولانا اظہر فرید صاحب نے بالخصوص اپنے انتہائی قیمتی وقت میں روزانہ چند ساعتیں حوالہ جات کی تخریج میں صرف کر کے بھرپور تعاون کیا۔ کئی حضرات نے مفید مشوروں سے نوازا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم کا شعبہ نشر واشاعت **مکتبہ امام احمد رضا** ...... جو قلیل عرصے میں کثیر معیاری طباعتی کام کر چکا ہے...... اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ استاذ المکرم کی تمام کتب کا عظیم مرکز ہے۔ ادارہ کی ہر ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ معیاری کتاب چھاپ کر سستے داموں عوام وخواص تک پہنچائی جائے تاہم بتقاضائے بشریت کے کوئی کوتاہی نظر آئے تو ادارے کو............ SMS...... E.Mail...... یا تحریری طور پر خط کے ذریعے سے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کی جا سکے۔ ادارہ آپ کے مفید مشوروں اور آپ کی پاکیزہ آراء کا منتظر رہے گا۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

حافظ محمد اسحاق ہزاروی

مکتبہ امام احمد رضا

راولپنڈی

اثرِ دُعا

سب سے پہلی کتاب ''تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان'' کی تصنیف پر استاذِی المکرّم حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی............شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور............نے ان الفاظ میں دعاء فرمائی:

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ہے کہ تصنیف وتالیف کے میدان میں انہیں (عبدالرزاق بھترالوی حطاروی کو) مزید کام کرنے کی توفیق نصیب ہو اور ہمارے نوجوان علماء کو بھی قلم وقرطاس کی اہمیت کا شعور عطاء ہو۔''

بس اسی دعاء کا صدقہ ہے کہ میں نے چند سالوں میں تصنیف کا اتنا کام کیا ہے جو میرے وہم وگمان سے بھی بالاتر تھا۔ اسلام آباد سے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی جاکر تدریس کرنا اور پھر واپس آکر اپنے بچوں کو بھی پڑھانا۔ اسباق کا مطالعہ بھی کرنا' ساتھ ساتھ تصنیف بھی کرنا جب کہ صحت بھی اکثر وبیشتر خراب رہتی ہے اور پھر میرے جیسا انسان جو کم علم بھی ہو اس سے اتنا کام ہو جانا کسی نظر اور دعاء کا ہی صدقہ ہو سکتا ہے۔ وہ نظر کرم میرے استاذِ مکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب کی اور میرے پیرو مرشد حضرت سید غلام محی الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ابن سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑوی اور آپ کے پوتا نصیر بے کساں' بحر علم بے کراں حضرت پیر نصیر الدین شاہ ہے۔ اور ساتھ ساتھ میری والدہ محترمہ کی اب تک دعائیں شامل حال ہیں۔ میرے والد اور میری دادی نے اپنی زندگی میں مجھے اپنی دعاؤں سے نوازا تھا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

حوصلہ افزائی:

''ذریعۃ النجاح حاشیہ نورالایضاح'' عربی کی تالیف پر استاذِ محترم حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی صاحب............ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور............نے اپنے مکتوبات سے اس ہیچمداں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مضمون دونوں مکتوبات کا تقریباً ایک ہی تھا۔ افسوس کہ شرف قادری صاحب کا خط مولانا محمد اسحاق ظفر صاحب سے گم ہو گیا۔ مفتی صاحب کا خط یادگار کے لئے شائع کر رہا ہوں۔ جس میں مسلک حق اہل سنت کی علمی کاوشوں کا بھی ذکر ہے۔

عظیم مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التاریخ ۳ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

عزیزم محترم مولانا عبدالرزاق صاحب زید مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! نورالایضاح پر ظاہری و باطنی حسن کا حامل آپ کا عربی حاشیہ بدست عزیزم مولانا اسحاق ظفر سلمہ اللہ ملا، دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ نے بے سروسامانی کے باوجود عربی حاشیہ لکھ کر بلکہ اس کو بہترین معیار پر شائع کر کے ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے علماء اہلِ سنت کا سر فخر سے بلند ہوگیا ہے۔

میری دیرینہ تمنا تھی کہ درسی کتب پر حواشی کے ذریعہ دیوبندیت کی نمائش کو ختم ہونا چاہئے جس کی وجہ سے وہ عربی کتب پر تشریح و توضیح کی استعداد پر اجارہ داری کا دعویٰ کرتے ہیں اور ضمن میں علمائے اہلِ سنت کے بارے پس ماندگی کا جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ حالانکہ برصغیر پر انگریزی تسلط کے بعد دینی خدمات کے تمام وسائل و ذرائع سلب ہوجانے کے باوجود علماء اہلِ سنت و جماعت نے تصنیف و تالیف کے میدان میں وسیع اور قابلِ فخر خدمات سرانجام دی ہیں۔

اس حقیقت کو عزیزی مولانا عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے اپنی کتاب ''مراۃ التصانیف'' میں واضح فرمایا۔ جس میں انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق پانچ ہزار کتب کی فہرست پیش کی ہے جن کو علماء اہلِ سنت نے انگریزی دور میں بے سروسامانی کے عالم میں تصنیف فرمایا لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے یہ ذخیرہ شائع نہ ہوسکا جب کہ فی الواقع ایسی کتب کی تعداد اس سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

دیوبندی علماء انگریز کی مکمل سرپرستی کے باوجود علمائے اہل سنت کی غیر مطبوعہ کتب یا ان کی عبارات کو اپنے نام منسوب

کر کے یا انگریزی کی خوشنودی کے لئے حقائق کو مسخ کرتے ہوئے اکابرین اہل سنت کی کتب میں تحریف کر کے ان کو شائع کرنے کا کارنامہ سرانجام دیتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علم و تحقیق کے اعلیٰ معیار کو صرف علمائے اہلِ سنت نے ہی قائم رکھا' اگرچہ اشاعت کے میدان میں آج بھی وہ بے بضاعتی کا شکار ہیں تاہم مخالفین کے پروپیگنڈہ کو غلط کرنے کے لئے یہ علماء اپنی تصانیف کو خود شائع کرنے کے لئے پیکر ایثار نظر آتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان علماء کرام کی دستگیری فرمائے۔

''ذریعۃ النجاح حاشیہ نور الایضاح'' کتاب طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ حاشیہ کا اندازِ بیان مختصر' جامع اور آسان۔ حواشی کے ماخذ بیان کرنے سے قاری کو مزید رہنمائی اور اعتماد سے بہرہ ور کیا گیا ہے' کتاب کے شروع میں اپنے تمام اساتذہ اور مراکزِ تعلیم کا تعارف دیکر حسنِ جدت کے علاوہ آپ نے اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ'' ہی اعلیٰ قدروں کا معیار ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ کی یہ خدمات دوسرے علمائے کرام کے لئے تحریک اور مدرسین اور طلباء کے لئے نعمت ثابت ہوں گی۔ ائمہ کرام کے مختصر اور ضروری تعارف کے بعد طبقات فقہائے احناف سے طلباء کرام بلکہ اساتذہ کرام بھی مستفید ہوں گے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور آپ کی سعی میں مزید برکت فرمائے۔

(مفتی) محمد عبدالقیوم ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

OOOOOOOO

باب اوّل

موت کا منظر

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

(سورۃ آل عمران 10:4)

''ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور بات یہی ہے کہ تم پورے دیئے جاؤ گے اپنی اجرتیں قیامت کے دن۔ تو جو کوئی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا' وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دینوی زندگی مگر دھوکے کا سامان''

(ترجمہ کنزالایمان)

آیت کریمہ سے حاصل ہونے والے مسائل:

① ہر نفس پر موت یقیناً آنی ہے۔

② قیامت کا وقوع یقینی ہے۔

③ قیامت کے دن حساب و کتاب ہوگا۔

④ قیامت کا دن جزاء کا دن ہے۔

⑤ کچھ لوگوں کو آگ میں داخل کیا جائے گا۔ کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جو آگ سے بچ گئے اور جنت میں داخل کیے گئے، وہی کامیاب ہوں گئے۔

⑥ دنیا حقیر ہے کیونکہ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کا سامان ہے۔

① ہر نفس پر موت آنی ہے:

''نفس'' کے مختلف معانی ہیں: دل، روح، ذات، خون، سانس، جان والا بدن۔

اس آیت مبارکہ میں آخری معنی مراد ہے کیونکہ ''نفس'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہے لیکن وہ موت سے پاک ہے۔ جان والے بدن پر موت آنی ہے۔ خواہ وہ بدن خاکی ہو جیسے انسانوں کا یا ناری ہو جیسے جنوں کا یا نوری ہو جیسے فرشتوں کا یعنی تمام پر موت واقع ہونی ہے۔

تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ [كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ] (سورۂ رحمٰن) نازل ہوئی تو فرشتے بولے: ''موت تو صرف زمین والوں پر واقع ہوگی' ہم محفوظ رہیں گے لیکن جب

آیت کریمہ ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' نازل ہوئی تو وہ کہنے لگے: کہ ہم پر بھی موت واقع ہوگی۔ ❶

موت وحیات کے مختلف معانی:

''موت'' کا ایک معنی یہ ہے کہ روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ جانا۔ اس صورت میں ''ذائقہ'' کا معنی ہوگا نازل ہونا' واقع ہونا یعنی ہر بدن سے روح کا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح ہر بدن پر موت واقع ہوگی۔

اگر نفس سے مراد ''روح'' لیا جائے' تو ذائقہ کا معنی چکھنا جو سیر ہو کر کھانے کا مدِّ مقابل ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ روح کے ساتھ موت کا اتنا ہی تعلق ہوگا کہ روح کا رابطہ بدن سے ٹوٹے گا لیکن روح میں زندگی برقرار رہے گی۔

موت وحیات کے دیگر معانی:

ایک معنی تو ابھی بیان ہوا کہ انسان کے روح کا تعلق بدن سے قائم رہنا ''حیوۃ'' ہے اور اس تعلق کا ٹوٹ جانا ''موت'' ہے۔

دوسرا معنی:

زمین میں نباتات اگانے کی تاثیر کا پایا جانا ''حیوۃ'' اور نہ پایا جانا ''موت''۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' ''اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا''

اس مقام پر زمین کے مردہ ہونے سے مراد بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے زمین کا نباتات کے اگانے سے غیر مؤثر ہو جانا ہے۔ اور زمین کے زندہ ہونے سے مراد بارشوں کی وجہ سے زمین میں نباتات اگانے کی تاثیر کا پایا جانا ہے۔

تیسرا معنی:

ایمان وکفر یعنی ''حیوۃ'' سے مراد ''ایمان'' اور موت سے مراد ''کفر'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ (سورۃ فاطر ۲۲:۱٤) ''اور برابر نہیں زندہ اور مردے بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں پڑے ہیں''

اس آیت کریمہ میں احیاء سے مراد ''مؤمنین'' اور اموات سے مراد ''کفار'' ہیں۔ کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مردے سنی ہوئی بات یعنی پند ونصائح سے نفع نہیں حاصل کر سکتے' کیونکہ عمل کا دارومدار دنیاوی زندگی سے تھا' اسی طرح کفار کا بھی یہی حال ہے۔ وہ ہدایت ونصیحت سے کوئی نفع نہیں حاصل کرتے۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج3' ص146 .... تفسیر کبیر بحوالہ تفسیر نعیمی، ج4، ص44

خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں قبروں والوں سے مراد کفار ہیں، فوت شدہ انسان نہیں۔ روح المعانی، مدارک وغیرہ تمام تفاسیر نے یہی تفسیر کی ہے۔

چوتھا معنی:

"حیوۃ" کا مطلب ہے توجہ کرنا' کیونکہ سب سے پہلے معنی سے سمجھ آیا کہ ردروح (روح کالوٹانا) بمعنی حیوۃ کے ہے' لیکن ایک حدیث شریف میں ردِ روح کا معنی توجہ کرلیا گیا ہے۔ اسی طرح گویا کہ حیوۃ بمعنی توجہ کرنے کے ہوا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان رسول الله ﷺ قال: ما من احد يسلم علی الا رد الله روحی حتی ارد علیه السلام" [1]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کو جواب دیتا ہوں۔"

اس کا مقصد یہ ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تجلیات کے انوار کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔ دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جب دورود شریف پڑھنے والا آپ ﷺ پر درود شریف اور سلام پڑھتا ہے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس حالت کو ردروح (روح کولوٹانا) یعنی حیوۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرنے والے کی کتنی شان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ بنفسِ نفیس آپ ﷺ اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں یہاں سے ہی یہ سمجھ آیا کہ موت کا معنی ہمیشہ مردہ ہونا ہی نہیں بلکہ دنیا سے توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہونا کہ استغراقی حالت پیدا ہو جائے یہ بھی بنسبت دنیا کے موت ہے اور دنیا کی طرف متوجہ ہونا اس معنی کے لحاظ سے حیوۃ ہے۔

پانچواں معنی:

حیوۃ کا معنی بیداری اور موت کا معنی نیند۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى"

"اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ۔ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی میعاد پوری ہو"

اس آیت کریمہ میں اس مسئلہ پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ آخرت میں زندگی عطا ہوگی یعنی موت کے بعد پھر زندہ ہونا

[1] مسند امام احمد، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ج 3، ص 784 .... ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ ج 1، ص 295

ہے جس طرح روزمرہ سونے کے وقت تم پر ایک قسم کی موت مسلط کی جاتی ہے یعنی تمہارے حواس معطل ہو جاتے ہیں اس کے بعد جو انسان جاگتا ہے تو بیداری کے تمام تصرفات پھر اللہ تعالیٰ لوٹا دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نیند میں افعال کو سلب کر لیتا ہے اور جاگتے وقت پھر عطا کرتا ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت عطا کر کے بظاہر تمام تصرفات کو معطل کر کے پھر قبر اور حشر میں زندگی عطا کر کے ان تصرفات کو لوٹا دے۔

چھٹا معنی:

حیوٰۃ سے مراد ''دلوں کا زندہ ہونا'' اور موت سے مراد ''دلوں کی مردگی'' ہے۔

ساتواں معنی:

حیوٰۃ سے مراد ''عزت کی زندگی'' اور موت سے مراد ''ذلت کی زندگی'' جو مردہ ہونے کی طرح ہے۔

آٹھواں معنی:

حیوٰۃ سے مراد ''شہادت'' .... جو دنیا سے اعلیٰ زندگی عطا کرتی ہے اور موت سے مراد ''دنیاوی زندگی'' ...... جو بنسبت شہادت کے گھٹیا ہوتی ہے۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کر رہا ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ...... ﴿۲۴﴾

(سورۃ الانفال 9:17)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔''

وہ کیا چیز ہے جو زندگی بخشنے والی ہے اور زندگی سے مراد کیا ہے؟ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: وہ چیز قرآن ہے' کیونکہ اس سے دلوں کی زندگی ہے اور اس میں نجات ہے اور عصمت دارین ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ حیوٰۃ کا معنی کبھی دل کی زندگی اور موت کا معنی دل کی مردگی ہوتا ہے' اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا اور غفلت میں مبتلا نہ ہوا' تو وہ دل زندہ ہوگا۔ اور اگر اللہ کے ذکر سے غافل رہا تو اس میں مردگی پائی جائے گی۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ چیز جہاد ہے کیونکہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ عزت عطا فرماتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا معنی ذلت کی زندگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ شہادت ہے جو زندگی بخشتی ہے۔ اس طرح شہادت سے حاصل ہونے والی زندگی اعلیٰ قسم کی زندگی ہونے کی وجہ سے درحقیقت زندگی کہلانے کی حقدار ہے۔ اس کے مقابل دنیا کی زندگی اگرچہ بظاہر زندگی ہی ہے لیکن بوجہ حقارت مردگی کی طرح ہے۔ [1]

1۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 5' ص 190

موت کی یاد باعث تسلی ہے:

روح المعانی میں ہے کہ موت کا ذکر کر کے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی یعنی آپ کفار کے جبر و تشدد سے پریشان نہ ہوں۔ غم، پریشانیاں، دنیاوی تفکرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ موت ایک دن یقیناً آنی ہی آنی ہے تو اس کو کوئی غم و پریشانی نہیں رہے گی' کیونکہ موت سے ڈر ہی خوف و فکر میں مبتلا کرتا ہے۔ ❶

موت کی یاد نیکیوں کی ترغیب دیتی ہے:

جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ موت کے بعد اس جہاں کے بغیر ایک اور جہاں میں منتقل ہونا ہے۔ اور وہاں اچھے برے اعمال کی سزا ملے گی۔ تو انسان ضرور ہی نیکیوں کو حاصل کرے گا اور برائیوں سے بچنے میں کوشاں رہے گا۔

موت حیات کی تخلیق کا مقصد؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو' تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔" ....❷ (سورۃ الملک ۲۹:۱)

پہلے بتایا گیا کہ تمام موجودات اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اسی طرح وہ ممکنات جو ابھی موجود نہیں وہ بھی اسی قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسی پر دلائل و شواہد پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا: موت و حیات کا تسلسل قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے۔ اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے۔ کوئی چیز نہ خود موجود ہو سکتی ہے اور نہ از خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر (سننے دیکھنے کی طاقت) فہم و تدبر (سمجھ غور فکر) کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں' اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور تمہاری راہنمائی کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی قدر پہچانتے ہو اور ان قوتوں کو اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار' جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بد مست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی قوتیں اور اپنا وقت عزیز خرچ کرتے ہو۔

انسان اگر آیت سے صرف اسی حصہ میں غور کرے (لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) تو اس کی ہدایت پذیری کے لئے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ دنیا اس کے لئے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیاتِ مستعار (مانگی ہوئی زندگی) اس کے لئے امتحان کی مدت ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، جلی و خفی اور غیب کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہوں میں اپنا دامنِ حیات ملوث کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام

1۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ' ج 3' ص 145

کو اس حقیقت کی طرف بڑے دل نشین انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشاد گرامی بھی سن لیں: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی:

"خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسُقْمِكَ وَمِنْ شَبَابِكَ لِهَرَمِكَ وَمِنْ فَرَاغِكَ لِشُغْلِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ لَا تَدْرِيْ مَا اسْمُكَ غَدًا" (1)

"اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لئے اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لئے اپنے فرصت کے لمحات میں مصروفیت کے لئے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لئے ذخیرہ جمع کرلو۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہوگا؟"

موت کون مسلط کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے عزرائیل علیہ السلام کے معاون ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: [اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا] "تمام نفوس پر اللہ تعالیٰ موت مسلط کرتا ہے"۔ اسلئے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر کوئی بھی کسی پر مسلط نہیں کرسکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ موت کا حکم فرماتا ہے۔

دوسرا ارشاد گرامی ہے: "تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا" "ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ مرنے والے پر موت مسلط کرتے ہیں" اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ .... (97) (سورۃ نساء 5:115)

"جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ان کو فرشتے موت دیتے ہیں۔"

یہاں سے پتہ چلا کہ موت دینے والے کئی فرشتے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ذکر کیا گیا ہے کہ روح تو فقط ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام قبض کرتے ہیں البتہ چھ اور فرشتے اس کے ساتھ معاون ہوتے ہیں۔ تین فرشتے مومن کی روح کو قبض کے بعد اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ تعظیم و تکریم سے اس کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر علیین میں پہنچا دیتے ہیں اور دوسرے تین فرشتے کفار کی روحوں کو ایک ٹاٹ نما کپڑے میں لپیٹ کر سجین میں پہنچا دیتے ہیں۔ (2)

تیسرا ارشاد گرامی:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (11) (سورۃ سجدہ 14:21)

"تم فرماؤ! تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔"

اس سے واضح ہوا کہ موت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا لقب ہی ملک الموت ہے اور اس کا نام عزرائیل ہے وہ روح قبض کرتا ہے۔

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 312

2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 3، ص 125 .... تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 11، ص 11

روح المعانی میں ہے کہ حضرت جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس شخص کے سر کے قریب ملک الموت نے عرض کیا کہ اے نبی کریم ﷺ! آپ کو بشارت ہو کہ میں ہر مومن کا رفیق ہوں۔

اے نبی کریم ﷺ! آپ جان لیں کہ میں جب بھی کسی انسان کی روح قبض کرتا ہوں تو اس کے اہل عیال روتے چلاتے ہیں تو میں اس گھر کے ایک کنارے پر کھڑا ہو جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی گناہ نہیں، میں نے تو یہاں بار بار لوٹ کر آنا ہے تم ڈر کر رہو (یعنی موت کی تلخیوں کی فکر کر کے نیک اعمال کو شعار بنالو) ہر گھر میں اللہ تعالیٰ کی جو مخلوق بھی ہو خواہ گھر پختہ ہو یا کچا یا خیمہ کی شکل میں، خواہ خشکی میں ہو یا تری میں، ہر دن اور رات میں پانچ مرتبہ ان میں غور فکر کرتا ہوں: [حَتّٰی اَنِّیْ لَاَعْرِفُ بِصَغِیْرِھِمْ وَکَبِیْرِھِمْ مِنْھُمْ بِاَنْفُسِھِمْ] ''یہاں تک کہ میں ان کے ہر چھوٹے بڑے کو ان کی ذاتوں سے پہچانتا ہوں۔'' قسم ہے اللہ کی اے نبی محترم ﷺ! بے شک میں تو قبض کرتا ہوں جب بھی اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ (1)

اہم نکتہ: تمام فرشتوں سے جمیع انبیاء کرام افضل ہیں، ہمارے نبی کریم ﷺ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ جب عزرائیل علیہ السلام کو تمام دنیا کی مخلوق کی ذاتوں کا علم ہے تو یقیناً نبی کریم ﷺ کو بھی علم ہے۔ اس پر خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَفِیْ یَدِہٖ کِتَابَانِ فَقَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَا ھٰذَانِ؟ قُلْنَا: لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ النَّارِ وَ اَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ'' (2)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کون سی ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! ہمیں تو وہی علم ہوتا ہے جو آپ خبر دیتے ہیں۔ جو آپ کے دائیں ہاتھ مبارک میں کتاب تھی اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا: یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے جس میں تمام اہل جنت اور ان کے آباؤ اجداد کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں ان کا مکمل میزان پیش کر دیا گیا ہے تو اس میں کبھی نہ کوئی زیادتی کی جائے گی اور نہ کمی۔ پھر آپ نے دوسری کتاب کے متعلق جو آپ کے بائیں ہاتھ مبارک میں تھی ارشاد فرمایا: یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر اس کے آخر میں تمام کا مکمل میزان پیش کر دیا گیا ہے، اس میں کوئی زیادتی و کمی نہیں ہوگی۔''

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 11 ص 125 — 2۔ مشکوۃ المصابیح باب الایمان بالقدر ج1، ص21

حدیث پاک میں کمی بیشی کے نہ ہونے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ماضی، حال، استقبال کا کوئی فرق نہیں، سب حال ہی حال ہے۔ اس لئے جس شخص نے ایمان لانا ہے یا کفر میں رہنا ہے، یا العیاذ باللہ مرتد ہونا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کام ہر انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں۔

دوسری بات جو حدیث میں ذکر کی گئی ہے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں کتابیں تھیں۔ وہ کتابیں کیسی تھیں؟ ان کے متعلق کلام کی گئی ہے کہ واقعۃً وہ کتابیں تھیں جو محسوس ہو رہی تھیں جن میں یہ تذکرہ تھا۔ آپ کو ہی ان کا علم عطاء فرمانا مقصود تھا جب آپ کو علم عطاء فرما دیا گیا تو پھر وہ کتابیں واپس لوٹا دی گئیں، یا اس کا مقصد یہ ہو کہ آپ کو ان کے اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے ناموں کا علم عطا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ جیسے کسی چیز کا علم کتابوں میں ہوتا ہے، چونکہ جنتیوں کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوتے ہیں اور دوزخیوں کے بائیں ہاتھ میں اور یوم میثاق کو بھی آدم علیہ السلام کے سامنے جب آپ کی تمام اولاد کو پیش کیا گیا تو جنتی دائیں طرف تھے اور دوزخی بائیں طرف۔

اسی طرح آپ نے بھی یہ فرمایا ہو کہ وہ علم گویا کہ ایک کتاب میں موجود ہونے کی صورت میں جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام جنتیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرے ہاتھ میں کتاب ہے اس میں دوزخیوں کا ذکر ہے اگر چہ وہ کتابیں تمہیں نہیں نظر آ رہی ہیں لیکن مجھے نظر آ رہی ہیں، اس طرح ان کتابوں کا وجود حسی نہیں ہوگا عقلی ہوگا لیکن زیادہ تر محدثین کے رائے میں پہلا قول زیادہ معتبر ہے کیونکہ ان کی طرف "ھذان" سے اشارہ کیا گیا ہے اور جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اس کا حقیقی معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ظاہراً محسوس ہو، واللہ اعلم بالصواب۔ (1)

نیک و بد میں فرق:

اسی آیۂ کریمہ (جس میں ملک الموت کا ذکر ہو رہا ہے) کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

موت کے بعد حیات یقینی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی .... ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ .... (پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹا یا جانا ہے) واضح اشارہ کر رہا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے اور .... یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ .... (تمہیں ملک الموت فوت کرے گا) سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ روح میں بقاء ہے فناء نہیں۔ اس لئے کہ توفّی (جس سے یتوفکم کا لفظ بنایا گیا ہے) کا معنی ہے پورا کرنا، قبض کرنا، یعنی پکڑنا۔ جو چیز مکمل فناء ہو جائے اس کو پکڑنا ممکن نہیں۔ اس لئے یقیناً معلوم ہوا کہ روح میں بقاء ہے، پھر نیک لوگوں کی پاکیزہ روح ملائکہ کے پاس اس طرح عزت و وقار سے محفوظ رہتی ہے جیسے اہل و اقرباء کے پاس ہو۔ اسے نہ کوئی اجنبیت ہوتی ہے اور نہ کوئی زبان کی غیریت

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص170، 169

کا فکر دامن گیر ہوتا ہے بلکہ وہ خوش خرم رہتا ہے لیکن برے لوگوں کی خبیث روح ملائکہ کے پاس اس طرح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اجنبی قوم کے پاس قید ہو، نہ جان پہچان ہو کہ وہ اس سے محبت کر سکیں یا یہ ان سے مانوس ہو سکے اور نہ ہی یہ ان کی زبان کو جانتا ہے کہ کم از کم کچھ نہ کچھ بات سمجھ کر یا سمجھا کر مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔ [1]

نیک لوگوں کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے:

نیک لوگوں کی روح میں صفائی وقوت کے لحاظ سے ترقی واضافہ ہوتا رہتا ہے اور برے لوگوں کی روحوں میں صفائی وقوت کے لحاظ پر تو کمی وضعف ہی واقع ہوتا ہے۔ البتہ ان کی بدبختی و کدورت میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ حکماء کا یہ قول ہے کہ ارواحِ طاہرہ کا تعلق اجسامِ سماوی سے بنسبت دنیاوی بدن کے زیادہ بہتر ہوتا ہے اور اس میں تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ارواحِ فاجرہ کو کسی قسم کا کوئی کمال حاصل نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ ان کا تعلق اجسام سماوی سے ہو بھی جائے۔ جس طرح مخبوط الحواس کی باتیں بھی حق کبھی ناحق ہوتی ہیں۔ ایسے ہی بری روحوں کا حال بھی ہوگا۔

ملائکہ کی قسمیں اور ان کی صفات:

فرشتوں کی مختلف اقسام ہیں اور ان کی مختلف صفات ہیں۔ ان میں کئی جلیل القدر ہیں۔ ذیل میں ملائکہ کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

جن فرشتوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک عرش کے اٹھانے والے دوسرے عرشِ اعظم کے گرد گھومنے والے۔ تیسرے جلیل القدر ملائکہ جیسے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل۔ چوتھے جنت کے فرشتے، پانچویں جہنم کے جن کے سردار کا نام "مالک" ہے۔ دوسرے فرشتوں کا نام "زبانیہ" ہے۔ چھٹے وہ فرشتے جو انسانوں کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ساتویں نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے جنہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ آٹھویں وہ فرشتے جن کے سپرد دنیا کے انتظامات ہیں۔ پھر ان انتظامات کرنے والوں کی بہت سی قسمیں ہیں: بعض پانی برسانے والے، بعض رحم (بچہ دانی) میں بچہ بنانے والے۔ بعض مصیبت کے وقت انسانوں کی مدد کرنے والے وغیرہ وغیرہ۔"

اسی جگہ صاحب تفسیر کبیر نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی جنگل میں پھنس جائے تو اس طرح آواز دے: "اَعِيْنُوْنِيْ عِبَادَ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰه" "یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو" تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ

1۔۔۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ، ج1 ص 422-423

کے بندے یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس مصیبت سے نجات دیتے ہیں۔اسی طرح حصن حصین میں بھی ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کا پکارنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

فرشتوں کی صفات:

{1}: فرشتے اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں۔

{2}: وہ ہمیشہ عبادت گذار اور رب کے حضور سجدہ کرنے والے ہیں۔

{3}: اللہ تعالیٰ سے ان کو بہت قرب حاصل ہے۔

{4}: وہ معصوم ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

{5}: وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے ہیں۔

{6}: ان کے بازو اور پر ہیں۔

{7}: وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔

عزرائیل علیہ السلام کا روح قبض کرنے کیلئے انتخاب؟

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ہر قسم کی مٹی لے کر آؤ! سفید، سرخ، نرم، میٹھی، کھاری وغیرہ۔ خیال رہے جتنے رنگوں کی مٹی سیاہ، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی نرم خو، کوئی تند مزاج وغیرہ الغرض یہ کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام زمین پر خاک اٹھانے کے لئے تشریف لائے۔ جب خاک اٹھانی چاہی تو زمین نے وجہ پوچھی، تو آپ نے بتایا کہ اللہ اپنا خلیفہ زمین میں بنانا چاہتا ہے، پھر اس کی اولاد کو زمین میں بسایا جائے گا۔ ان میں کوئی نیک ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور کوئی گناہ گار و کفار جو جہنم میں جائیں گے۔

آپ نے جب یہ تمام واقعہ بیان کیا تو زمین نے منت سماجت کرتے ہوئے عرض کیا: آپ مجھ سے مٹی نہ لے کر جائیں! میں یہ نہیں چاہتی کہ میرا کچھ حصہ جہنم میں چلا جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام مٹی کی عاجزی وزاری سن کر واپس چلے گئے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کو ربِ قدوس نے بھیجا آپ جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کے ساتھ بھی وہ کیفیت در پیش آئی جو پہلے دونوں فرشتوں سے در پیش آچکی تھی آپ زمین کے عجز و انکسار اور اس کے غم و پریشانی کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔

پھر مولائے کریم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ بھی تشریف لائے جب مٹی اٹھانی چاہی تو زمین نے حسب

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ، ج 1، ص 423 .... حصن حصین، علامہ محمد بن جزری شافعی رحمۃ اللہ ص 169

معمول سابق پھر فریاد کی لیکن حضرت عزرائیل نے کہا: تیری بات مانوں یا رب تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کروں؟ آپ نے زمین کی کوئی فریاد نہ سنی بلکہ مٹی لے گئے اسی وجہ سے روح قبض کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔ ❶

حقیقت ہے کہ رحیم اور ترس کرنے والے سے روح قبض کرنا ممکن نہیں تھا۔ بچے کا روح قبض کرنا ہو اس کے والدین اسے کے قریب رور ہے ہوں اور ماں باپ کی اولاد اس کی حالتِ نزع کو دیکھ کر غم والم کی تصویر بنے ہوئے اس کے پاس پریشانی سے آنسو بہا رہے ہوں۔ کسی آدمی کے اقرباء اس کو قریب الموت دیکھ کر پریشان ہوں۔ ایسے نازک مراحل میں وہ ہی روح قبض کر سکتا ہے جس کو کسی پر رحم نہ آئے۔ یہ کام عزرائیل کا ہی ہے وہ اقرباء کو روتے چلاتے ہوئے دیکھ کر بھی کہتا ہے:

"میرا کوئی جرم نہیں میں تو حکمِ مولیٰ کا پابند ہوں میں تو بار بار اس گھر کا چکر لگاؤں گا تم اپنی فکر کرو۔"

عزرائیل علیہ السلام کو رحم (ترس) آنا:

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا: اے عزرائیل! تو جو اتنی روحیں قبض کرتا ہے کیا تجھے کسی پر کبھی رحم و ترس بھی آیا ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے عرض کی: اے مولائے کائنات! جب تو نے میرے ذمہ روحوں کا قبض کرنا لگایا ہے تو میں ترس کرتا رہوں اور رحم کرتا رہوں تو کیسے روح قبض کروں؟ غرضیکہ عزرائیل نے کہا: مجھے کبھی کسی پر ترس نہیں آیا، البتہ دو دفعہ مجھے یہ خیال ہوا کاش! اس کی روح کے قبض کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

ایک مرتبہ تو ایک کشتی دریا میں تھی مجھے حکم ہوا کہ ان تمام کی روحوں کو قبض کر لیا جائے' کشتی کو توڑ دیا جائے۔ البتہ ایک عورت اور اس کا شیر خوار بچہ ہے ان کی روحوں کو قبض نہ کیا جائے۔ ان کی روحوں کو قبض نہ کیا گیا' وہ کشتی کے ایک پھٹے پر سوار دریا کی تند و تیز موجوں کو عبور کرتے ہوئے کنارے کی طرف رواں دواں ہیں۔ لیکن کنارے کے قریب پہنچنے پر حکم ہوا کہ عورت کی روح قبض کر لی جائے اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شیر خوار بچہ اب کدھر جائے گا اور اپنی زندگی کیسے بسر کرے گا؟

دوسرا مجھے کافر بادشاہ "بخت نصر شداد ابن عاد" پر ترس آیا۔ جب اس نے رب کریم تیرے مقابل جنت تیار کرائی۔ اس کے تیار ہونے پر دیکھنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ ابھی گھوڑے کے دو پاؤں اندر تھے تو مجھے حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کر لو۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ اگرچہ کافر تھا۔ خدائی کا دعویٰ بھی کیا لیکن بڑی محنت سے اس نے رب قدوس کی جنت کے مقابل جنت تیار کرائی' بڑا مال خرچ کیا۔ کاش کہ بے چارا اسے دیکھ لیتا تو پھر مرتا۔

رب قدوس نے فرمایا: اے عزرائیل! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس بچے سے کیا سلوک کیا؟ عزرائیل نے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! یہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ تختہ دریا کے کنارے کے پاس پہنچا' وہاں دھوبی کپڑے دھو رہا تھا۔ اس نے بچے کو پکڑ لیا اور پیار و محبت سے پرورش کی۔ بچہ جب بڑا ہوا تو میں نے اس کو ایسی نظر عطا فرمائی کہ وہ زیرِ زمین

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 78

خزانے دیکھ لیتا تھا۔اس طرح اس نے بہت خزانہ جمع کیا اپنی فوج بنائی آہستہ آہستہ وہ تمام روئے زمین کا بادشاہ بن گیا۔ پھر اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور میرے مقابل جنت و دوزخ بنانے کا کام شروع کر دیا۔ جب وہ اپنی خود ساختہ جنت تیار کرا کے دیکھنے کے لئے گیا تو میں نے اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیا۔اے عزرائیل! یہ وہی بچہ تھا جو کم سنی کی حالت میں تھا تو تمہیں اس پر رحم آیا تھا لیکن میری مہربانیوں سے وہ عظیم بادشاہ بن کر میرے مقابل خدا بن گیا' میں نے اس کے تکبر و غرور کو توڑ دیا۔ مولائے ذوالجلال کے اس کلام کو سن کر عزرائیل نے عرض کی: اے ربِ کریم! جن حکمتوں کو تو جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا۔

غور کیا جائے تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں مقام ترس کے نہیں تھے کیونکہ عزرائیل کو بچے کی پرورش کا غم دامن گیر تھا لیکن باری تعالیٰ نے اس کی عظیم پرورش کر دی۔ اسی طرح بادشاہ پر عزرائیل کو ترس آیا لیکن اس کے غرور کو توڑنا ضروری تھا تا کہ دوسرے عبرت حاصل کریں کہ جو شخص خدا بن بیٹھا وہ بھی اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکا' دوسرا کیسے بچ سکے گا۔[1]

موت کا کوئی منکر نہیں:

رئیس الاتقیا استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب سلطانپوری مدظلہ فرماتے ہیں:

> "ہر چیز کا کوئی نہ کوئی منکر ہے۔ جنت و دوزخ کے منکرین نظر آئیں گے، انبیائے کرام کا انکار کرنے والے پائے جاتے ہیں، ملائکہ کے منکرین کی تعداد کچھ کم نہیں، سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اختیارات و کمالات کو نہ ماننے والے مؤمنوں کی شکل میں نظر آئیں گے، قیامت کا انکار پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ وجودِ باری تعالیٰ کا انکار خود اسی کی مخلوق کر رہی ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا منکر کہیں نظر نہ آئے۔ صرف موت ایک ایسی چیز ہے جس کا انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ مؤمنین اگر اس کو مانتے ہیں تو یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں۔ کفار، مشرکین و یہود کو موت کے انکار کی کوئی وجہ نہ مل سکی۔"

موت سے بھاگنا ممکن نہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ" (سورۃ جمعہ 11:28)

"تم فرماؤ! وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں ملنی ہے۔"

قرآن پاک کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ کوئی شخص بھی موت سے بھاگنا چاہے تو کبھی بھی وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ بلکہ موت اس کے پاس آ کر رہے گی۔ خیال رہے کہ اگر چہ یہ آیتِ کریمہ یہود کے حق میں نازل ہے لیکن عموم الفاظ کا اعتبار

1۔ احیاء العلوم، امام محمد غزالی رحمہ اللہ، ج4 ص857

کرتے ہوئے اس کے حکم کو عام رکھا جائے گا۔ کوئی شخص بھی مسلمان ہو یا کافر، یہودی ہو یا نصرانی موت سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا۔

موت ہر جگہ آ کر رہے گی:

ربِ قدوس نے فرمایا:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ "جس جگہ بھی تم ہو گے موت تم کو پالے گی، اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو۔"
......⑧ (سورۃ النساء ۵:۸)

یعنی ہر جگہ پالے گی، خواہ بستر پر ہو یا میدانِ جہاد میں، گھر میں ہو یا سفر میں یعنی موت تمہارے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ خیال رہے کہ رزق بھی انسان کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہے مگر انسان اس کی تلاش میں نہیں پھرتا۔

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کوئی زندہ موت سے بچ نہیں سکتا، اس کے متعلق کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی لہٰذا موت سے بچنے کی کوئی انسان کوشش نہ کرے بلکہ موت کی تیاری کی جائے۔ دنیا میں جتنا رہنا ہے اتنی ہی اس کی فکر کی جائے اور آخرت میں جتنا رہنا ہے اتنی اس کی فکر کی جائے۔ جب دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے تو اس کی اتنی ہی فکر کم کی جائے آخرت کی زندگی جاودانی ہے لہٰذا اس کی زیادہ فکر کی جائے۔

یہ بات جب واضح ہو چکی ہے کہ موت ہر جگہ آ کر رہے گی تو جہاد سے ڈرنا بے سود ہے بلکہ انسان جہاد میں جائے اور شہادت کے حصول کی تمنا کرے اور شہادت سے وہ زندگی حاصل کرے جس پر دنیا کی زندگی بھی رشک کرے۔

فائدہ:

موت یعنی جسم سے جان کا نکلنا ہر جاندار کے لئے ہے فرشتہ ہو یا جن یا انسان۔ آسمان پر رہتا ہو یا زمین پر جیسا کہ "یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ" کے عموم سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ"۔

خیال رہے کہ موت کا مقابل حیوۃ ہے یعنی جان کا جسم میں رہنا۔ مگر فنا و ہلاکت ہر مخلوق کے لئے ہے۔ ہر مخلوق جاندار ہو یا غیر جاندار لائق فنا ہے، اس کے مقابل ہے وجود۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ" "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔"

تین تین چیزوں میں فرق ضروری:

①: موت ②: امکانی فنا ③: واقعی فنا

موت ہر فرشتہ جن اور انسان کو آنی ہے یعنی ان کی روحیں جسم سے جدا ہوتی ہیں۔ امکانی فنا ہر ماسوی اللہ کو حاصل

ہوگی۔ واقعی فنا یعنی مٹ جانا' وجود سے عدم میں آ جانا' یہ ارواح جنت اور دوزخ کے ماسوا کیلئے ہے۔ (1)

موت کی قسمیں:

چونکہ زندگی کی تین قسمیں ہیں اس لئے اس کے مقابل موت کی بھی تین ہی قسمیں ہیں:

اول زندگی حسی جو محسوس ہو اور اس کے مقابل موت حسی جو ظاہر معلوم ہو۔ اسی لحاظ سے فرمایا گیا کہ: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُـم مَّيِّتُونَ ﴾ "بے شک آپ پر بھی موت آنی اور ان پر بھی" یہاں موت سے مراد حسی موت ہے جو ظاہر دیکھنے میں آئے اور جسم بے حس و حرکت نظر آئے۔

دوم زندگی حقیقی جیسے روح کی زندگی کہ وہ جسم سے جدا ہو کر بھی برقرار رہتی ہے۔ اس کے مقابل موت حقیقی ہے جیسے کہ قیامت کے دن جانوروں کو آپس میں بدلا دلا کر فنا کر دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا: ﴿ کونوا ترابا ﴾ "مٹی ہو جاؤ" اس دن ان کی روحیں بھی فنا ہوں گی۔

سوم زندگی حکمی' جو دیکھنے میں آئے مگر اس پر زندگی کے بہت سے احکامات شرعیہ جاری نہ ہوں۔ مثلاً میراث تقسیم نہ ہونا اور ان کی ازواج کا اوروں سے نکاح جائز نہ ہونا وغیرہ اور کچھ احکام موت کے بھی جاری ہوتے ہیں اور جیسے کفن و دفن وغیرہ۔ اسی طرح شہداء پر بقائے جسم اور عطائے رزق وغیرہ زندگی کے احکام جاری ہوتے ہیں اور کفن و دفن نماز جنازہ وغیرہ احکام موت جاری ہوتے ہیں۔ اس کے مقابل موت حکمی ہے جیسے مرتد کہ وہ بظاہر زندہ ہوتا ہے چلتا پھرتا ہے لیکن اس پر موت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اس کا مال اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اس طرح اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ یہ بحث ذہن میں رکھی جائے جو آگے احوالِ قبر کے ذکر میں کام آئے گی کیونکہ صالحین' شہداء' انبیائے کرام کو قبر میں زندگی حاصل ہے۔ (2)

موت سے محفوظ صرف اللہ تعالیٰ ہے' جھوٹے خدا بھی موت سے نہ بچ سکے:

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو موت سے محفوظ ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿ اَللّٰـهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّومُ ﴾ "اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا ہے" خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ قائم رہنا' اس پر فنا نہ آنا۔ عام مشہور عدم سے وجود میں آنا یا بدن سے روح کا تعلق قائم ہونا' یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ اس کی کوئی ابتداء نہیں کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہو اور اسی طرح وہ بدن اور روح سے

1۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 4 ص 318
2۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 4 ص 318

پاک ذات ہے لیکن اس کے خلاف جھوٹے خداؤں میں سے مشہور خدا تین گزرے ہیں۔ بخت نصر شداد بن عاد، نمرود، فرعون۔ پہلے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کی بادشاہت عطاء فرمائی۔

خیال رہے روئے زمین کی بادشاہت صرف چار شخصوں نے کی۔ دو جن کا اوپر ذکر کیا گیا یعنی بخت نصر شداد بن عاد اور نمرود اور دو مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے سکندر ذوالقرنین علیہ السلام۔ (1)

پہلے جھوٹے خدا کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی جنت کو بھی نہ دیکھ سکا کہ عزرائیل کی گرفت میں آ گیا۔

دوسرا جھوٹا خدا نمرود ابن کنعان یہ ولد الزنا (حرامی) تھا' سب سے پہلے تاج اس نے سر پر رکھا۔ زمین میں جابر و ظالم بادشاہ تھا۔ کل روئے زمین کا بادشاہ تھا' اس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا لیکن اس مدعی ربوبیت کی موت کیسی ذلت سے آئی۔ یہ شخص جو سارے جہان کا بادشاہ تھا اس کی عمر آٹھ سو برس ہوئی۔ بعض حضرات نے عمر چار سو برس بھی تحریر کی ہے۔ اس کی خدائی کا دعویٰ کرنے پر مالک الملک نے یہ سزا دی کہ اس کے ناک میں مچھر گھس گیا جو اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ جب وہ اس کو کاٹتا تھا یہ نہایت بے قرار ہو جاتا تھا اور عرصہ دراز تک جھوٹے خدا کے سر پر اس کے نوکر جوتے مارتے رہے۔ اس طرح ذلیل ہو کر یہ مدعی ربوبیت مر گیا۔

تیسرا بادشاہ خدائی کا دعویدار فرعون تھا: ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی﴾ "کا دعویدار تھا کہ میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں" لیکن یہ شخص بھی جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آیا تو اپنے آپ کو موت کی آغوش میں جانے سے نہ بچا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ رات میں بنی اسرائیل کو لے جائیں اور دریائے نیل کو عبور کر جائیں تاکہ یہ لوگ فرعون کے ظلم سے بچ جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور دریا کے کنارے تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [اِضۡرِبۡ بِعَصَاكَ الۡبَحۡرَ فَانۡفَلَقَ] یعنی اپنا عصا دریا پر مارو (آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا) تو جبھی دریا پھٹ گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرا دیا' فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَ اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ "یہاں تک کہ وہ جب ڈوبنے لگا: بولا! میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔" لیکن جب دریا میں غرق ہو رہا تو اس کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا اور کہا: ﴿آٰلۡـٰٔنَ وَ قَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ﴾ "کیا اب تو (ایمان لاتا ہے) اور پہلے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔" غرضیکہ جھوٹا خدا بھی اپنے آپ کو عزرائیل سے نہ بچا سکا۔ (2)

1۔ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ، ج 1، ص 503.......... تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 3 ص 61

2۔ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ، ج 4، ص 103

واضح ہوا کہ عزرائیل کو بڑے بڑے جابر بادشاہوں' خدائی کے دعویداروں پر بھی گرفت حاصل ہے لیکن قربان جاؤں شانِ انبیاءِ کرام پر' ان پر اتنے عظیم القدر فرشتے کو بھی گرفت حاصل نہیں۔ انبیاءِ کرام نے فقط اللہ تعالیٰ کی ملاقات ووصال کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی جانیں حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سپرد کیں۔ اس میں انبیائے کرام کی رضاء تھی ورنہ عزرائیل کو ان پر تسلط حاصل نہیں تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل کی آنکھ نکال دی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا: ﴿ صَكَّهٗ فَفَقَاءَ عَيْنَهٗ ﴾ ''آپ نے اسے تھپڑ مارا اس کی آنکھ نکال دی۔''

دوسری روایت میں اس طرح الفاظ گرامی ہیں: ''جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ: اَجِبْ رَبَّكَ! فَلَطَمَ مُوْسٰى عَيْنَ مَلِكِ الْمَوْتِ فَفَقَاءَ هَا'' ''ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے رب کا حکم قبول کرو' تو آپ نے اسے تھپڑ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی۔ عزرائیل علیہ السلام واپس اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا' عرض کی: '' اَرْسَلْتَنِيْ اِلٰى عَبْدٍ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ '' ''مجھے تو نے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔''

اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو پھر آنکھ عطا فرمائی یعنی نظر لوٹا دی اور فرمایا: جاؤ! میرے بندے کے پاس اس کو کہو: اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھے۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے' اتنے سال عمر بڑھا دوں گا۔ آپ نے عرض کی: اے رب! پھر کیا ہوگا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آجائے گی۔ آپ نے عرض کی: ابھی موت آجائے' ساتھ یہ سوال کیا کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے بیت المقدس کی سرزمین پر پہنچا دینا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں سرخ ریت کے ٹیلوں کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر اب بھی دکھا سکتا ہوں۔ [1]

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش اس لئے کی کہ وہ مقام انبیائے کرام کے دفن ہونے کی وجہ سے مشرف تھا۔ آپ کی دعا سے واضح ہوا کہ فضیلت والے مقام میں صالحین کے قرب میں دفن ہونا مستحب ہے۔ [2]

مسلم شریف کی اس حدیث پاک سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوا کہ عزرائیل علیہ السلام کو انبیائے کرام پر کوئی تسلط نہیں۔ بعض انبیائے کرام نے حکم باری تعالیٰ کو قبول کرتے ہوئے ابتداءً ہی عزرائیل علیہ السلام کو خوش آمدید کہا۔ بعض نے

1۔ مسلم شریف، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام ج 2 ص 267

2۔ نووی شرح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 267

عزرائیل کو انبیاء کرام کے پاس بلا اجازت آنے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ عزرائیل علیہ السلام کو انبیاء کرام علیہم السلام پر کوئی تسلط حاصل نہیں؛ پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو بھی ترجیح دی۔ عمر کی مہلت ملنے کے باوجود قبول نہیں فرمایا تو واضح ہوا کہ منشاء عمر کا حصول نہیں تھا بلکہ شانِ انبیائے کرام کو عوام الناس پر واضح کرنا مقصد عظیم تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عزرائیل علیہ السلام کا اجازت لے کر حاضر ہونا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور بغیر آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا۔ تو قابضِ ارواح (روحوں کے قبض کرنے والے عزرائیل) نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ مَعْدِنَ الرِّسَالَۃِ وَ مُخْتَلِفُ الْمَلَآئِکَۃِ "اے معدنِ رسالت، ملائکہ کے مقام آمد و رفت اہلِ بیتِ نبوت! تم پر سلام ہو۔"

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں، تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال میں مشغول ہیں۔ اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر اجازت مانگی چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور آنکھ مبارک کھول کر فرمایا: کیا بات ہے؟ صورتِ حال عرضِ خدمت کی گئی۔ فرمایا: اے فاطمہ! تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا، خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا، بچوں کو یتیم بنانے والا ہے۔ [1]

موت کا وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ "اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔"

تفسیر صاوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا: ﴿لِکُلِّ فَرْدٍ مِّنْ اَفْرَادِ الْاُمَّۃِ وَقْتٌ مُّعَیَّنٌ﴾ "افرادِ امت میں سے ہر فرد کے لئے ایک وقت معین ہے۔" [2]

1۔ مدارج النبوت، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2 ص 429-439

2۔ تفسیر صاوی، شیخ احمد صاوی رحمہ اللہ ج 1 ص 669

واضح ہوا کہ یہ کہنا: فلاں شخص کو جلدی ہی موت نے پالیا' بے وقت موت آ گئی' وقت سے پہلے موت آ گئی' ابھی اس کے مرنے کا وقت تو نہیں تھا' اور اس قسم کے تمام جملے جاہلانہ کلام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت وحیات میں اختیار تھا:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر تشریف فرما ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا۔ وہ دنیاوی زندگی اور اس کی زیب وزینت اور عیش وآسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کو اجر وثواب لے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا: اس شیخ کو دیکھو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ' حالانکہ حضور اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس حال سے ان سب سے زیادہ دانا وفہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا' اپنے مال وصحبت ورفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابوبکر صدیق ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق کو اپنا خلیل بناتا' لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں' اخوت اسلامی باقی ہے۔ خلیل جگری دوست کو کہتے ہیں۔ جس کی دوستی دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو۔ اور فرمایا مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے۔ (1)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا عجیب واقعہ:

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ

"اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لئے ہوا اور اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی ہے اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی

1۔ بخاری شریف، محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، باب ج1 ص516

الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۱۴﴾ (سورۃ سبا 22:9)

آگ کا عذاب۔ وہ بناتے جو آپ کے لئے جو آپ چاہتے۔ پختہ عمارتیں، مجسمے بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! ان نعمتوں پر شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گذار ہیں۔ پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو اتنا عرصہ نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔ (کنزالایمان)

تشریح:

ہم نے داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل فرمایا، اس طرح ان کے فرزند سلیمان علیہ السلام پر بھی اپنی خصوصی عنایات فرمائیں ہم نے آپ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ جب آپ اپنی وسیع و عریض مملکت کے دورے پر جاتے تو آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا کر بڑی سرعت سے روانہ ہو جاتی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے صبح کے وقت وہ اپنا سفر کر لیتے جتنا ایک سوار سریع السیر (تیز رفتار) گھوڑے پر ایک ماہ میں طے کرتا اسی طرح شام کے وقت بھی۔ نیز ہم نے آپ کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا تا کہ وہ حسب منشا اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔ ہوا کے علاوہ ہم نے جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابع فرمان کر دیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی میں ذرا غفلت یا پہلوتہی کرے۔ سرتابی کرنے والوں کو آگ سے داغا جاتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تکمیل میں جو خدمات وہ انجام دیا کرتے یہاں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔

محاریب: اس کا واحد محراب ہے اس سے مراد قلعے اونچی اونچی عبادت گاہیں اور آپ کے لئے بہترین اور خوشنما محلات۔ ان کو محاریب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی قبضہ کرنا چاہے تو انہیں بے وقعت جان کر بغیر لڑے دشمن کے حوالے نہیں کر دیا جاتا بلکہ لوگ ان کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

تماثیل: اس کا واحد تمثال ہے یعنی جنات ان کے لئے بڑے بڑے پتھر وغیرہ کے مجسمے تراشتے تھے یا ڈھالتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے مجسموں کا جواز ثابت کیا ہے حالانکہ احادیث پاک میں ان کے متعلق سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہوائے نفس کی اتباع سے محفوظ فرمائے۔

جفان: اس کی جمع ہے جفنہ کی وہ بڑے لگن (طباق یا پراتیں یا کنال یا بالٹیاں) جن میں کھانا ڈالا جاتا ہے اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے جو لگن جنات آپ کیلئے تیار کرتے تھے وہ عام قسم کے لگن نہیں ہوتے بلکہ اتنے بڑے اور چوڑے ہوتے جیسے پانی کے حوض اور تالاب ہوا کرتے ہیں۔

قدور راسیات : یعنی ایسی بڑی بڑی بھاری بھر کم دیگیں جو اپنی جسامت اور بوجھ کے باعث آسانی سے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتی تھیں بلکہ چولہوں پر مضبوطی سے جمادی جاتی تھیں یعنی جب ہم نے داؤد اور آلِ داؤد پر اتنا احسان فرمایا ہے اور ایسے ایسے انعامات سے ممتاز کیا تو اب آلِ داؤد پر واجب ہے کہ وہ شکر کا حق ادا کر رہے ہوں۔ جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے وہ انسانوں پر رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی باتیں بتاتے جن کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہوتا اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہم کنار کیا' جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے تھکن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے وہ آپ کو کھڑا ہوتے دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ و سلامت ہیں' ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔

اسی طرح پورا سال گذر گیا تو حکمِ الٰہی سے دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے' تو اب ان کے دعویٰ کی حقیقت فاش ہو گئی' نیز وہ لوگ جو ان جنات کی غیب دانی کے دعویٰ کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعوٰی میں سراسر جھوٹے ہیں۔

جنات کے سرِ غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شانِ نبوت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا' اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے' جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں۔ یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے۔ چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا' بدن بالکل تر و تازہ رہا۔ تعفن اور بوسیدگی تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسم گرما کی حدت (گرمی کی تیزی) لو اور حبس نے جسدِ اطہر کو متاثر کیا اور نہ موسمِ سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے ہو۔ اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شانِ رفیع کو دیکھو۔ (1)

موت کی جگہ مقرر ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی موت کی جگہ میدان بدر میں پہلے ہی بیان فرما دی حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

1۔ تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ' ج 4' ص 117

روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بدر میں مرنے والوں کی جگہیں دکھائیں۔ ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے' وہ کل یہاں مرے گا۔ اور یہ فلاں کی جگہ ہے اس نے کل یہاں مقتول ہونا ہے' ان شاء اللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق سے مبعوث فرمایا: جس جگہ کی نبی کریم ﷺ نے حد بندی فرمائی تھی اس سے ذرہ بھر بھی کوئی آگے پیچھے نہیں ہوا بلکہ ہر شخص ابو جہل' عتبہ' شیبہ وغیرہ وہیں مرے جہاں نبی کریم ﷺ نے نشان لگائے تھے۔ [1]

ابو جہل کو موت میدانِ بدر میں بلا رہی تھی اس وجہ سے وہ کسی کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا اور روکا جا رہا تھا کہ ابو سفیان کا قافلہ آ گیا ہے۔ ہمیں جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن وہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر آواز لگا رہا تھا کہ جلدی کرو! جلدی نکلو: اپنے اموال اور قافلہ کے پاس پہنچو' مکہ سے چلنے سے پہلے جب عاتکہ بنت عبد المطلب نے اپنا خواب بیان کیا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام ابطح میں کھڑے باآوازِ بلند کہہ رہے ہیں: اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنے قتل کی جگہ آؤ۔ تو ابو جہل لعین نے اس کا طنز اڑاتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا: اے ابو الفضل! یہ عورت تم میں کب سے "نبی" ہوئی ہے۔ اسی طرح میدانِ بدر میں جاتے ہوئے قریش کا لشکر جب میدان جحفہ میں اترا تو جہم ابن صلت بن مخرومۃ نے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آ رہا ہے اس کے ساتھ اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے: عتبہ' شیبہ' ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل)' امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس کا خون نہ ٹپکا ہو اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ [2]

اس خواب کو سن کر بھی ابو جہل طنز کر رہا تھا کہ یہ ایک اور نبی پیدا ہو گیا۔ کل چل پتہ جائے گا کہ مقتول کون ہے؟ ادھر یہ اپنے رعب و دبدبہ' کثرت فوج۔ جنگی ساز و سامان پر ناز کرتے ہوئے مسلمانوں کے قتل کئے جانے کو اپنے تصور میں رکھتا تھا لیکن ادھر حبیب پاک ﷺ نشان لگا کر ابو جہل کے قتل ہونے کی جگہ کا انتخاب فرما رہے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ اپنے مقام قتل میں نہ پہنچتا اور زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے نکلی ہوئی بات رد ہوتی؟۔

تیرے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اللہ تعالیٰ نے اس متکبر کو دو نوجوان بچوں معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے قتل کرا کے اس کے تکبر کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا۔ اس طرح اسلام کا بدترین دشمن اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ باب عرض مقعد المیت ج2 ص102

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج1 ص340

موت انسان کو کس طرح بلاتی ہے؟

ابوالسائب ہشام بن زہرہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر تھا' وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ میں بیٹھ کر ان کے نماز سے فارغ ہونے کی انتظار کرنے لگا' اسی دوران میں نے گھر کے ایک کنارے پڑی کھجور کی چھڑیوں میں حرکت سی سنی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ ہے' میں جلدی ہی اس کو قتل کرنے کی طرف لپکا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے دورانِ نماز ہی اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ! میں بیٹھ گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنی حویلی میں ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: کیا وہ گھر تم دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس میں ہمارا ایک جوان رہتا تھا' جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ آپ فرماتے ہیں: پھر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق میں حاضر ہو گئے۔ ایک دن دوپہر کو اس جوان کے دل میں خیال آیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر سے ہو آؤں۔ اس نے آپ سے ایک دن کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ اپنے ہتھیار ساتھ لے لو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ بنو قریظہ کہیں تم پر حملہ نہ کر دیں۔ اس جوان نے اپنے ہتھیار لے لئے اور گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچنے پر اس نے اپنی زوجہ کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ اس کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ میری عدم موجودگی میں گھر سے باہر دروازے میں کھڑے ہو کر کیا کر رہی ہے؟ اس نے اپنا نیزہ زوجہ کی طرف بڑھا کر اس کا پیٹ چاک کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کی زوجہ نے (معاملہ کو سمجھتے ہوئے فوراً) کہا: اپنے نیزہ کو روک لیجئے! گھر کے اندر جا کر دیکھئے! مجھے کس چیز نے گھر سے باہر نکالا ہے۔ جب اس جوان نے اندر جا کر دیکھا تو اس کو ایک بہت بڑا سانپ بستر پر لپٹ کر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس نے فوراً اپنا نیزہ بڑھاتے ہوئے سانپ میں گاڑھ دیا۔ پھر باہر نکل کر نیزہ کو حویلی میں گاڑھ دیا۔ سانپ تڑپتے ہوئے جوان پر گرا اور جوان کو ڈس لیا۔ سانپ نیزہ کے زخموں سے تڑپ رہا تھا اور جوان سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کس کی موت پہلے آئے گی؟ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس جوان کی زندگی کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اب تم اپنے ساتھی کی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا: مدینہ طیبہ میں کئی جنوں نے ایمان قبول کر لیا ہے (جو سانپوں کی شکل میں تمہیں نظر آئیں) تو تم ان کو دیکھ کر ان کو تین دنوں کی اجازت دو۔ اگر پھر بھی ظاہر ہوں تو قتل کر دو کہ وہ شیطان ہیں۔ [1]

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

حدیث پاک سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابی کی وفات کا علم مقامِ خندق میں ہی ہو گیا

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، باب قتل الحیات، ج 2 ص 235

کیونکہ آپ کے صحابہ کرام اپنے اس ساتھی کی زندگی کی دعا کی درخواست کرر ہے تھے۔لیکن آپ استغفار کا حکم فرمار ہے تھے۔

دوسرا فائدہ:

یہ حاصل ہوا کہ موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے وہ انسان کسی نہ کسی طرح اس وقت میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔

تیسرا فائدہ:

یہ حاصل ہوا کہ اکثر حضرات کے نزدیک مطلقًا سانپ کو قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم مدینہ طیبہ کے سانپوں کے لئے تھا۔ کچھ حضرات اصحابِ علم اس طرف ہیں کہ چھوٹا ''لنڈا'' سیاہ نقطوں والا سانپ فوراً قتل کر دیا جائے لیکن دوسرے سانپوں کو تین دنوں کی مہلت دی جائے اور ان کو کہا جائے کہ تمہیں وہ وعدہ یاد دلاتے ہیں جو تم سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے لیا تھا کہ تم ہمیں ایذا نہیں پہنچاؤ گے اور نہ ہم پر غالب آؤ گے۔ اگر وہ یہ سن کر چلے جائیں تو بہتر ہے پھر بھی ظاہر ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ (۱)

چوتھا فائدہ:

یہ حاصل ہوا کہ صحابہ کرام غیرت مند انسان تھے۔ اپنی ازواج کو گھر سے باہر دیکھ کر ان کے لئے نا قابلِ برداشت ہوتا تھا۔ نیز وہ بھی عورتیں بھی باحیاء تھیں بلاوجہ بازار کی زینت نہیں بنتی تھیں۔

فتح مکہ میں چند لوگوں کی موت میں حیران کن حکمت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور تمام لشکر کو حکم دیا کہ کوئی شخص کسی اہلِ مکہ سے اور حرم کے مجاوروں سے جنگ وقتال سے درپیش نہ آئے سوائے ان نادانوں اور نا سمجھوں کے جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اپنی مدافعت میں ان کو معاف نہ کریں۔

منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جہاں قیام کا حکم دیا تھا۔ اس مقام کی طرف آپ چلے تو عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ نے بنی حارث اور بنی بکر کے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر ساز و سامان سے لیس ہو کر سرِ راہ حضرت خالد کو جا کر پکڑا۔ لامحالہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ضرورت درپیش آئی کہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اور خندمہ کے مقام پر جنگِ عظیم واقع ہوئی۔ یہاں تک کہ ضرورۃ کے مقام پر جسے ''عروہ'' کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل ہے جنگ نے طول کھینچا اور ان ذلیل وخوار سرکشوں میں سے اٹھائیس آدمی غازیوں کی تیغ آبدار سے جہنم میں پہنچے۔ اور دو شخصوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے شربت شہادت نوش کیا۔ ایک حضرت حبیش بن الاشعر اور دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ عنہما۔

1۔ نووی شرح صحیح مسلم، امام نووی رحمۃ اللہ ج2 ص235

جب نبی کریم ﷺ کو اس جنگ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں نے خالد کو جنگ سے منع کیا تھا' پھر انہوں نے جنگ کیوں کی؟ تو لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی مدافعت میں ان سے جنگ کی ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ مجبوراً قتال کرنا پڑا۔ آپ نے فرمایا: "قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ" "اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر بہتر ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ ان کو جا کر کہو کہ: "ضَعْ عَنْهُمُ السَّيْفَ" "ان سے تلوار کو دور رکھو! یعنی ان کو قتل نہ کرو۔ مگر اس قاصد نے حضرت خالد کو کہا: "ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ" "یعنی ان پر تلوار رکھو' ان کو قتل کر دو۔ اس پر حضرت خالد نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔

جب حضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے حضرت خالد سے فرمایا: تم نے حکم کے خلاف کام کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے تو قاصد نے آکر یہ کہا کہ "ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ" ان کو قتل کر دو۔ میں نے تو آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق ہی ان کو قتل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں عجیب بات بعض مفسرین نے بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا: میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس قاصد نے کہا: جب میں حضور کے پاس سے حکم لے کر چلا تو ایک شخص مجھے ملا' جس کا سر آسمان تک پہنچتا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا: خالد کو کہنا "ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ" ان کو قتل کر دو۔ اگر تم نے ایسے نہ کہا تو اس خنجر سے تمہیں قتل کر دوں گا۔ مجبوراً میں نے خالد سے یہی کلمہ کہا۔

جب حضور علیہ السلام نے سنا تو فرمایا: "صدق اللہ وصدق رسولہ" اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ اُحد کی جنگ میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا: اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمی قتل کر دوں گا۔ اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرما دیا تھا لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا ہے وہ سچ کر دکھایا جائے گا۔ اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔ [1]

موت کی جگہ انسان خود ہی بخوشی جاتا ہے:

ابن ابی شیبہ نے حضرت خیثمہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک کو بڑے گھور کر دیکھنے لگے۔ جب آپ چلے گئے تو اس شخص نے سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا: یہ کون شخص تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ ملک الموت تھا؟ اس نے عرض کی: حضور! ایسی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میری روح نکالنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: کہ پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی: حضرت ہوا کو حکم دیں وہ مجھے سرزمین ہند میں پہنچا دے۔

1۔ مدارج النبوت، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج2 ص 290-289 مختصراً

آپ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا اس شخص کو سرزمین ہند میں چھوڑ آئی۔ پھر ملک الموت تشریف لائے تو جناب سلیمان علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا: کہ تم میرے ایک ساتھی کو گھور کر کیوں دیکھتے تھے؟ انہوں نے عرض کی: حضرت! میں اس پر تعجب کر رہا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی روح ہند میں قبض کروں اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہے کیسے ہند پہنچے گا؟ (1)

اس روایت سے واضح ہوا کہ انسان نے جہاں مرنا ہوتا ہے اور وہاں جانے کے لئے بے تاب ہوتا ہے' ہر حال میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جیسے یہ شخص سرزمین ہند میں جبھی وقت مقرر پر پہنچا' اسی وقت اسی کی روح قبض کر لی گئی۔

پہلی امتوں میں سے ایک زاہد کی موت کا عجیب منظر:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی قوموں میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا' اس نے ایک دن بادشاہ کو کہا: میں تو اب بوڑھا ہو چکا ہوں' اس لئے میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کریں تا کہ میں اس کو جادو کا علم پڑھا دوں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیج دیا (جس کا نام عبدالقدوس تھا) جس کو اس نے جادو کا علم پڑھانا شروع کر دیا (وہ لڑکا ہر دن جادوگر کے پاس آتا تھا' پھر واپس لوٹ جاتا تھا)۔

اس کو راستے میں چلتے ہوئے ایک راہب نظر آیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی کلام کو سنا تو اس لڑکے کو راہب کی باتیں پسند آئیں۔ اب اس کا معمول بن گیا' جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا' راستے میں اس راہب کے پاس بیٹھتا۔ دیر ہو جانے پر ایک دن جادوگر نے اس کو مارا۔ اس لڑکے نے راہب کے پاس شکایت کی۔ راہب نے اسے کہا: جب تمہیں جادوگر کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جایا کرے تو تم اسے کہا کرو: مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا' اس لئے دیر ہو گئی۔ (اگر تم واپسی میں میرے پاس بیٹھو) اور گھر جانے میں تمہیں دیر ہو جائے اور گھر والوں سے تمہیں خوف لاحق ہو تو کہنا کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا' اسی طرح دیر ہو گئی' اس طرح اس کا سلسلہ چلتا رہا۔

ایک دن اس نے آتے ہوئے دیکھا کہ ایک بہت بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روکا ہے (لوگ ڈر کے مارے آگے نہیں جاتے' کہیں یہ حیوی ہیکل جانور قتل نہ کر دے) یہ منظر دیکھ کر اس لڑکے نے سوچتے ہوئے اپنے آپ سے کہا کہ آج دیکھتا ہوں کہ جادوگر سچا اور افضل ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر لیا اور عرض کی: اے اللہ! اگر راہب کا طریقہ تجھے جادوگر کے طریقے سے زیادہ پسند ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے مار دے تا کہ لوگ اپنی راہ پکڑ سکیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پتھر اس جانور کی طرف پھینکا۔ وہ جانور اس سے مر گیا' لوگ اپنی راہ چل پڑے۔

لڑکے نے آکر راہب کو سارے معاملہ سے آگاہ کیا۔ راہب نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! آج تو مجھ سے بھی

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 74

افضل ہو گیا۔ تو اس منصب پر پہنچ گیا جو میرا مطمحِ نظر تھا (جو میں نے اپنی نظر میں رکھا ہوا تھا) عنقریب تو مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا لیکن ان آزمائش کی گھڑیوں میں میرا اَتہ پتہ کسی کو نہ بتانا۔ اب لڑکے کو یہ قدرت حاصل ہو گئی کہ وہ پیدائشی اندھوں اور برص کی مرض والوں کو صحیح کر دیتا۔ ہر قسم کی دواؤں سے لوگوں کا علاج کرنا شروع کر دیا۔

بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک نابینا شخص کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بہت بڑے تحائف لے کر آیا اور کہنے لگا: اگر تم نے مجھے شفاء دے دی (یعنی نظر عطاء کر دی) تو یہ تمام قیمتی اشیاء (تحائف و ہدایا) تمہارے سپرد کر دوں گا۔ اس زاہد (نیک) لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو بھی شفا نہیں دیتا شفاء تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفاء عطا کر دے گا وہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا' اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرما دی۔

پھر وہ شخص حسب معمول جیسے پہلے بادشاہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا' اسی طرح بادشاہ کے پاس آ کر بیٹھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا: تمہیں نظر کس نے عطا کر دی؟ اس نے کہا: میرے رب نے! بادشاہ نے کہا: کیا میرے بغیر اور بھی کوئی تمہارا رب ہے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا بھی رب ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ لیا' عذاب (سزا) دینا شروع کر دیا کہ تم بتاؤ! تمہیں کس نے کہا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ سب کا رب تو میں ہوں۔ یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔

اس لڑکے کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا: اے میرے بیٹے! کیا تم نے جادو کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے اور اس درجہ پر پہنچ چکے ہو؟ کہ پیدائشی نابینا کو نظر عطاء کر دیتے ہو اور برص کی مرض والے کو شفاء دے دیتے ہو۔ اور فلاں فلاں مرضوں کو ٹھیک کر لیتے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا: میں تو کسی کو بھی شفاء نہیں دیتا' شفاء تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ بادشاہ نے اس لڑکے کو پکڑ کر سزا دینی شروع کر دی (تاکہ وہ بتائے کہ اسے کس نے بتایا ہے) یہاں تک کہ اس نے راہب کے متعلق بتا دیا۔

راہب کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا۔ اسے کہا گیا: تم اپنے دین کو چھوڑ دو! لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کرنے پر آری منگوائی گئی۔ آری کو اس کے سر کے درمیان رکھ کر اسے چیرنا شروع کر دیا' یہاں تک کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے شخص کو بادشاہ کے پاس پیش کیا گیا۔ اور اسے بھی چیر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے' پھر لڑکے کو لایا گیا۔ اسے کہا گیا: تم اپنے دین کو چھوڑ دو! اس نے انکار کر دیا۔

بادشاہ نے وہ لڑکا اپنے ساتھیوں (فوجیوں یا پولیس کے سپاہیوں) کے سپرد کر دیا اور کہا: اس کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ! پہاڑ کے اوپر چڑھاؤ۔ جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اسے پھر کہو کہ دین چھوڑ دے۔ اگر یہ مان لے اور دین سے پھر جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دو۔ جب وہ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے' اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

اے اللہ تعالیٰ! مجھے ان سے بچالے' جس طرح بھی تو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے پہاڑ کو زلزلہ سے متحرک کرتے ہوئے ان کو نیچے گرادیا۔ وہ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس لوٹ آیا۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں (چچوں) کا حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچالیا ہے اوران کو تباہ و برباد کردیا ہے۔

پھر اس نے اس لڑکے کو اپنے کارندوں کے حوالے کیا اور کہا: اس کو ساتھ لے جاؤ! اس کو ایک کشتی میں سوار کرو۔ جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچے' اس سے کہو کہ دین چھوڑ دے۔ اگر یہ دین چھوڑ دے تو بہتر ہے ورنہ اس کو دریا میں پھینک دو۔ وہ لوگ اس لڑکے کو ساتھ لے گئے (کشتی میں سوار ہونے کے بعد) اس نے دعا کی: اے اللہ! جب تو چاہتا ہے تو مجھے ان سے بچا لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ ان کی کشتی کو الٹا کردیا' وہ سب غرق ہوگئے۔ یہ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس واپس آ گیا۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کا حال پوچھا' اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچالیا ہے اوران کو غرق کردیا ہے۔

پھر اس لڑکے نے اس بادشاہ کو کہا: تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کرسکے گا جب تک میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل نہیں کرے گا۔ جیسے میں تمہیں کہوں ایسے کرو! تو مجھے قتل کرسکو گے۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا طریقہ ہے؟ اس نے کہا: سب لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرلو۔ کسی درخت کے تنہ پر مجھے سولی چڑھادو' پھر میرے ہی ترکش سے ایک تیر لے لو۔ پھر وہ تیر کمان کے درمیان رکھ پھر کہو: "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ" اللہ کے نام سے شروع جو اس لڑکے کا رب ہے۔ پھر وہ تیر میری طرف پھینک دو۔ جب تم ایسے کرو گے تو مجھے قتل کرلو گے۔

بادشاہ نے لوگوں کو کھلے میدان میں جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ اس لڑکے کو درخت کے تنہ پر سولی چڑھادیا گیا۔ پھر اس کے ترکش سے ایک تیر لے لیا گیا' پھر وہ تیر کمان کے درمیان رکھ دیا گیا۔ پھر "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ" پھر تیر اس کی طرف پھینک دیا۔ تیر اس کی کن پٹی پر لگا' لڑکے نے تیر لگنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھا تو فوت ہوگیا۔ (یہ منظر دیکھ کر) سب لوگوں نے کہا: ....آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ' آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ' آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ............ "ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔"

بادشاہ کے پاس کسی شخص نے آکر کہا جس سے تم ڈر رہے تھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ تو ہو چکا ہے' تمہارا ڈر تو تم پر واقع ہو چکا ہے' لوگ تو ایمان لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ راستوں میں کھائیاں کھودی جائیں۔ اس کے حکم پر کھائیاں کھودی گئیں۔ اوران میں آگ جلانے کا حکم دیا گیا۔ آگ جلادی گئی تو اس نے کہا: جو لوگ دین کو نہ چھوڑیں ان کو ان کھائیوں میں پھینک دو۔

جب ان لوگوں نے اس پر عمل کرنے کے لئے ایک عورت کو لایا جس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ اس عورت نے جب آگ کی کھائی میں چھلانگ لگانے سے توقف کیا' ذرا رکی ہی تھی کہ اس کے بچے نے کہا: ماں صبر کرو (چھلانگ لگا

دو) حق پر ہو۔[1]

مفسرین کرام نے مزید یہ بیان کیا ہے کہ جن مؤمنین کو آگ کی کھائیوں میں پھینکا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو پہلے ہی قبض کر لیا اور ان کو نجات دی۔ آگ نے کھائیوں سے باہر نکل کر کفار کو جو بادشاہ کی طرف سے مؤمنین کو آگ میں پھینکنے پر مقرر تھے اپنی لپیٹ میں لے لیا ان کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کر دیا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

① حدیث پاک سے کرامات اولیاء کرام کا ثبوت ملا۔

② جو شخص دل سے ایمان لایا وہ کسی کے خوف سے ایمان نہیں لایا' پھر خواہ اسے جان ہی قربان کرنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے ان پر صبر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب مؤمن سچے اور پکے ایمان دار ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو اسے حکومت کے لوگ کبھی مار نہیں سکتے۔ قدرتِ باری تعالیٰ کا نظام ہے کہ کبھی مارنے والے خود مر جاتے ہیں۔

④ جادو نا پیدا حقیقت ہے۔ اس کے خلاف نیکی پائیدار اور لازوال حقیقت ہے۔[2]

تنبیہ:

پہلی امتوں میں بعض لوگ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت خانہ میں الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مشغول رہتے تھے، وہ نیک پرہیزگار ہوتے تھے ان کو ''راہب'' کہا جاتا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اب اسلام میں راہب بننا............ناجائز ہے، بلکہ دنیاداری میں مشغول رہتے ہوئے عبادت کرنا ہی اعلیٰ مقام ہے۔

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، کتاب الزہد، ج2 ص415

2۔ نووی شرح صحیح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ ج2 ص415

فصل دوم

موت کو یاد کرنا

انسان موت کو یاد کرتا رہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ] ”لذات کو توڑنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔“ ①

موت سے دنیا کی تمام لذتیں ختم ہو جاتی ہیں' اس لئے موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ موت کو بھولیں نہیں' یہاں تک کہ قیامت سے غافل نہ ہو اور آخرت کے لئے توشہ کی تیاری کو نہ چھوڑو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے عقلمند کون ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے عقلمند (دانا) وہ شخص ہے جو موت کو زیادہ یاد کرے۔ موت کی تیاری کرے پس اس قسم کے لوگ ہی عقلمند ہیں جو دنیا کی شرافت بھی حاصل کر لیتے ہیں اور آخرت کی کرامت وعزت بھی۔

انسان موت کو یاد کر کے اس کی تیاری کرے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام کو فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ حیاء کرنے کا حق ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! ہم تو الحمد للہ' اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسے نہیں' اللہ تعالیٰ سے کامل حیاء وہ کرتا ہے جو شخص اپنے سر اور جن پر سر مشتمل ہے ان کی حفاظت کرتا ہو اور پیٹ اور جن پر پیٹ مشتمل ہے، ان کی حفاظت کرتا ہو اور موت کو اور پرانے ہونے کو یاد کرتا ہو۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہو اور اسی وجہ سے دنیا کی زیب وزینت کو چھوڑتا ہو۔ جس شخص نے ایسے کیا وہی اللہ تعالیٰ سے کامل حیاء کرتا ہے۔ ②

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”حیا کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اس کے جواب

1۔ جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز ج1 ص140

2۔ جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج1 ص140

میں صحابہ کرام نے یہ عرض کیا: یا نبی اللہ! الحمد للہ ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جیسے حیا کرنے کا حق ہے' ایسے ہم حیا کرتے ہیں لیکن یارسول اللہ ﷺ! آپ شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم اس کی توفیق سے طاقت کے مطابق ڈر رہے ہیں۔

سر کی حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سر کو اللہ تعالیٰ کی خدمت کے علاوہ غیر کی خدمت میں استعمال نہ کرے یعنی بتوں کے سامنے سجدہ نہ کرے' کسی کے سامنے بوجہ تعظیم سجدہ نہ کرے' دکھلاوے (ریاکاری) کی نماز نہ ادا کرے' غیر اللہ کے سامنے ان کو معظم ومعبود سمجھ کر سر نہ جھکائے' سر کو تکبر سے اٹھا کر بلند نہ کرے' سر جن اعضاء پر مشتمل ہے ان کی حفاظت کرے یعنی زبان' آنکھ اور کان جن کا تعلق سر سے ہے' ان کی بھی اسی طرح حفاظت کرے کہ جہاں ان کا استعمال نہیں وہاں ان کو استعمال نہ کرے۔

اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ حرام کھانے سے اجتناب کرے۔ اسی طرح پیٹ کے ساتھ جو اعضاء متصل ہیں ان کو ایسے کاموں میں لگائے جن میں اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی پائی جائے اور ایسے کاموں سے بچائے جن میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پائی جائے۔ وہ اعضاء جو پیٹ کے ساتھ متصل ہیں' یہ ہیں: دل' فرج' دونوں پاؤں' دونوں ہاتھ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کامل ڈرنے والا شخص وہ ہے جو موت سے ڈرتا ہے اور قبر میں ہڈیوں کے گل سڑ جانے (پرانا ہونے) سے ڈرتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ قبر کے احوال میں آئے گا۔ بعض جسم قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور بعض قبر میں گل سڑ جاتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اکابرین سے نقل فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ اس حدیث کو اکثر طور پر یاد کرتا رہے اس طرح گویا وہ موت کو بھی یاد رکھے گا اور موت کی تیاری بھی کرتا رہے گا۔

ابن ماجہ شریف میں ایک حدیث شریف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چند لوگوں کو قبر کھودتے ہوئے دیکھا تو آپ اتنا روئے کہ جس جگہ آپ تشریف فرما تھے وہاں کی مٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اور آپ نے فرمایا: اے میرے بھائیو! سب اسی مقام کی تیاری کرو۔ [1]

تمام مال سے موت کے بعد کفن ہی حاصل ہوتا ہے:

بعض بزرگان دین نے اللہ تعالیٰ کے قول: "وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا" کی تفسیر کفن سے کی ہے اور اسی سے پہلے کی آیت میں فرمایا ہے: "وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ" دنیا کی چیزوں کو ایسی راہوں پر خرچ کرو کہ اس کے بدلے دار الآخرت میں بھی ملتی ہو اور یاد رکھو کہ تم ہر چیز چھوڑ کر چلے جاؤ گے سوائے اپنے حصہ کے' اور وہ ہے کفن۔ کسی شاعر نے

1۔ مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج4 ص8-7

کیا خوب کہا:

نصیبك مما تجمع الدھر کله ردا ان تلوی فیھا وحنوط

"جو کچھ تم نے زمانہ میں جمع کر لیا ہے اس میں تیرا حصہ وہ دو چادریں جن میں تجھے لپیٹا جائے گا اور خوشبو۔"[1]

یعنی کتنا مال بھی جمع کر لے، بڑا جاگیردار، صنعت کار یا موجودہ زمانے کا لٹیرا، سیاستدان، وزیر بن کر مال سمیٹتا پھرے۔ بہر حال اے انسان! تو کسی طرح بھی خواہ حلال ذرائع سے یا حرام طریقوں سے مال کثیر جمع کر لے' تیرا حصہ اس مال سے تیری موت کے بعد تجھے اتنا ہی ملے گا کہ کفن کے لئے دو چادریں اور کفن دیتے وقت جو خوشبو تجھے لگائی جائے گی۔ یقیناً جب انسان موت کے اس منظر کو تصور میں لائے اپنے آپ کو خالی ہاتھ جاتے ہوئے صرف کفن وخوشبو ورثاء سے لے کر جاتے ہوئے نظر میں رکھے تو ضرور وہ مال حلال ذرائع سے حاصل کرے گا اور دوسرے واجب صدقات ادا کرے گا۔ موت کو کثرت سے یاد کرنے پر انسان برائیوں سے دور رہے گا۔ نیکیوں کی طرف راغب رہے گا' وہی شخص ان شاءاللہ العزیز کامیاب وکامران رہے گا۔

صبح شام موت انسان کا پیچھا کر رہی ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑا' پھر فرمایا: مسافر کی طرح رہو یا راہ گذر کی طرح۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

"اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ" (رواہ البخاری' مشکوۃ' کتاب الجنائز ص 139)

"جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کو مرض کے لئے اور زندگی کو موت کے لئے غنیمت جانو۔"

دنیا میں مسافر کی طرح رہو کہ اس کی طرف میلان نہ کرو کیونکہ یہاں سے تم نے آخرت کی طرف کوچ کر جانا ہے اس دنیا کے مقام کو اپنا وطن اصلی نہ سمجھو' اس کی لذتوں سے محبت نہ کرو' لوگوں سے زیادہ میل جول سے اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ کچھ آخرت کی تیاری کا سامان تیار کر لو جس طرح وہ مسافری کے وطن میں دل نہیں لگاتا بلکہ ہر وقت وہاں سے اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹنے کی طرف راغب رہتا ہے' ایسے ہی تم بھی دنیا کو دار مسافرت سمجھتے ہوئے آخرت کی طرف لوٹنے کو ہر وقت مدنظر رکھو۔

خیال رہے کہ ایک روایت بطور حدیث پیش کی جاتی ہے:...... حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ .... وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن اس روایت کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے' البتہ یہ کہا ہے کہ بطور

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 53

مقالہ معنی صحیح ہے۔ خاص کر کے اگر وطن سے مراد "جنت" لے لیا جائے تو معنی زیادہ صحیح ہو سکتا ہے تاہم یہ حدیث نہیں ہے۔ [1]

حدیث پاک جو زیرِ بحث ہے اس میں جو ذکر ہے کہ راہ گذر کی طرح ہو جا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ راہ گذر بھی ہوتا مسافر ہی ہے لیکن مسافر کبھی کسی جگہ چند دن رہنے کیلئے قیام بھی کرتا ہے لیکن اس میں ترقی ہے کہ راہ گذر تو اسی طرح گذر جاتا ہے قیام نہیں کرتا۔ اے انسان! تو بھی دنیا سے آخرت کے سفر کی طرف اسی طرح متوجہ رہے کہ اپنے آپ کو دنیا میں راہ گذر ہی سمجھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اے انسان! جب شام تیرے سامنے آجائے تو صبح کی انتظار نہ کر۔ یہ نہ کہہ کہ یہ نیکی کا کام صبح کرلوں گا' ہو سکتا ہے صبح آنے سے پہلے ہی تیری موت آجائے۔ کسی نے کیا خواب کہا:

سونے والے! رب کو سجدہ کر کے سو
کیا خبر اٹھے نہ اٹھے تو صبح کو
کیا خبر صبح آئے گی یا نہیں
پہلے ہی تو ہو جائے زیرِ زمین

اسی طرح صبح جائے تو شام کی انتظار نہ کر! ہو سکتا ہے تجھے شام نصیب نہ ہو سکے لہٰذا نیکی کے کام میں تاخیر نہ کر' موت سے غافل نہ رہ۔ موت ہر وقت تیرا پیچھا کر رہی ہے۔ اسی طرح اپنی صحت میں مرض کا خیال بھی کر۔ صحت میں فرائض' واجبات وسنن کے بغیر نفلی عبادات بھی زیادہ کرتا کہ مرض میں جو نیکیوں میں کمی ہو یہ اس کمی کو پورا کرسکیں۔ نیز صحت میں رہ کر متکبر نہ ہو جا' یہ نہ سمجھ کہ میں نے کبھی بیمار نہیں ہونا۔ اسی طرح ہر مریض سے شفقت ومحبت سے پیش آ! تاکہ اگر تو بیمار ہو جائے تو تیرے ساتھ بھی کوئی محبت کرنے والا ہو۔ اور صحت میں رہ کر مریض کی عیادت کر' یہ نہ سمجھ کہ تو نے بیمار نہیں ہونا ہے بلکہ جب بھی بیمار ہو جائے تو تیری بھی کوئی عیادت کرے۔ اور اپنی زندگی میں موت کو بھی مدنظر رکھ۔ زندگی میں اچھا کام کرلے' ہو سکتا ہے موت تجھے گھر نہ آنے دے' تیرے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

موت سے انسان غافل کیوں؟

جب ہمہ وقت موت انسان کا تعاقب کر رہی ہے' پھر انسان اس سے کیوں غافل ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دنیا کی لذات وخوہشات میں ایسے مبتلاء ہو جاتا ہے کہ وہ موت سے مکمل غافل ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض بزرگانِ دین نے ایک مثال سے واضح کیا کہ انسان کیسے غافل رہتا ہے۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج4 ص5

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک انسان نے دیکھا کہ شیر منہ کھولے دھاڑتا ہوا میرا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ خوف کے مارے اپنے آپ کو شیر سے بچانے کے لئے درخت پر چڑھ گیا۔ جس شاخ پر بیٹھا' اسے دو چوہے ایک سیاہ اور ایک سفید کاٹ رہے ہیں۔ اس شاخ کے نیچے ایک گڑھا موجود ہے۔ اگر وہ شاخ کٹتی ہے تو وہ شیر کی گرفت میں بھی آتا ہے اور گڑھے میں بھی گرتا ہے لیکن اس کو شیر اور گڑھے کے خوف سے اس طرح غافل کر دیا گیا کہ اسی شاخ پر جس پر بیٹھا ہے ایک شہد کا چھتا لگا ہوا ہے، اس نے شہد کھانا شروع کر دیا۔ شہد کی شیرینی نے اس کو ایسے مست کر دیا کہ اسے نہ یہ خوف رہا کہ جس شاخ پر بیٹھا ہوا ہوں وہ تو سفید اور سیاہ چوہے کاٹ رہے ہیں۔ نہ اسے یہ یاد رہا کہ میں شیر سے ڈر کر بھاگا تھا اور نہ اسے نیچے گڑھے کوئی خوف ہے۔ [1]

اسی طرح انسان کا شیر کی طرح موت تعاقب کر رہی ہے' قبر ایک گڑھے کی طرح منتظر ہے اور انسان کی زندگی کی شاخ کو دن سفید چوہے کی طرح اور رات سیاہ چوہے کی طرح کاٹ رہے ہیں لیکن انسان ان تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر دنیا کی لذات و خواہشات میں شہد کی شیرینی کی طرح مست ہے۔ اسے موت کا کوئی غم نہیں' قبر کا کوئی ڈر نہیں' زندگی کے اختتام کی کوئی فکر نہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا ہر دن گزرنے پر خوش ہوتا ہے کہ میں بڑا ہو رہا ہوں لیکن یہ نہیں سوچتا کہ حقیقت میں چھوٹا ہو رہا ہے کیونکہ اس کی زندگی کا ہر دن گزرنے پر کم ہو رہا ہے۔

انسان کو چاہیے وہ دنیاوی لذات کی طرف توجہ کم کر دے اور مالک الملک کے دربار کی طرف متوجہ ہو۔ بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ انسان کو موت بھی یاد ہو گی۔ خوف خدا بھی حاصل ہو گا اور گناہوں سے دوری بھی اور نیکیوں کی رغبت بھی حاصل ہو گی۔

موت کو یاد کرنے کے انعامات' بھلانے پر مصیبتیں:

بعض بزرگان دین نے کہا: جس نے موت کو بکثرت یاد کیا' اسے تین انعامات ملیں گے:

1. توبہ کی جلدی توفیق ہو گی۔
2. دل میں قناعت نصیب ہو گی۔
3. عبادت میں خوشی ہو گی۔

اور جس نے موت کو بھلا دیا' اس پر تین مصیبتیں نازل ہوتی ہیں:

1. توبہ میں ٹال مٹول
2. بے صبری
3. عبادت میں سستی۔

تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: دو چیزوں نے میرے سامنے دنیا کی لذتوں کو بے حقیقت بنا دیا ہے۔ ایک موت کی یاد اور دوسری بارگاہِ ایزدی میں کھڑا ہونا۔ [2]

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص370

2۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص53

حقیقت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ تصور کرے کہ "تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو یہ تصور نہیں کر سکتا ہے تو یہ خیال کر کہ رب تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے"۔ (1)

جب انسان کے یہ تصورات ہوں گے تو یقیناً اس کے سامنے دنیا حقیر ہوگی۔ دنیا کی لذات بے وقعت ہوں گی۔

انسان کی سوچ حقیقت کے خلاف:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ دو چیزوں کو انسان برا سمجھتا ہے، موت کو برا سمجھتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے۔ مال کی کمی کو برا سمجھتا ہے حالانکہ مال کی کمی سے قیامت میں حساب میں کمی ہوگی۔ (2)

موت کا فتنہ سے بہتر ہونے پر ایک اور حدیث:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ خِیَارَكُمْ وَ اَغْنِیَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَ اُمُوْرُكُمْ شُوْرٰی بَیْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَ اِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَ اَغْنِیَاؤُكُمْ بُخَلَاؤُكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰی نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا"

(رواہ الترمذی، مشکوۃ باب تغیر الناس ج2، ص459)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے حکام نیک ہوں اور تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو زمین کا اوپر والا حصہ اندرونی حصہ سے تمہارے لئے بہتر ہے (یعنی موت سے زندگی بہتر ہے) اور جب تمہارے حکام شریر، برے ہوں اور تمہارے غنی تم سے بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے پاس ہوں (عورتیں تمہاری حاکمہ بن جائیں وہ تمہارے معاملات کو چلائیں) تو ایسی صورت میں تمہارے لئے زمین کا اندرونی حصہ اوپر سے بہتر ہے (یعنی تمہاری موت، زندگی سے بہتر ہے) گویا کہ حکام کا برا ہونا اور عورتوں کی تحویل میں نظام حکومت کا ہونا۔ یہ پر فتن دور ہوتا ہے لہٰذا فتنہ کی زندگی سے موت بہتر ہے۔"

دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری بزدلی کا سبب ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عنقریب تم پر مختلف گروہوں کو ایسے دعوت دی جائے گی جیسے ایک برتن پر جمع ہو کر کھانے والوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس وقت تھوڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: بلکہ تم اس وقت کثیر ہو گے لیکن تم پانی کی ندی پر

1۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ ج1 ص11

2۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص44

جھاگ کی مانند ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہارا رعب و دبدبہ نکال دے گا۔ اور تمہارے دلوں میں وھن (کمزوری) ڈال دے گا۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ وہ "وھن" کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔ ❶

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کفار بے دین اور گمراہ لوگ ایک دوسرے کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اس طرح دعوت دیں گے اور ان کو جمع کریں گے جس طرح کسی کھانے پر دعوت دے کر لوگوں کو جمع کیا جائے' باوجود اس کے کہ مسلمان تعداد میں کثیر ہوں گے لیکن جس طرح دریاؤں کے پانی کے بہاؤ پر جھاگ ہے' وہ بے جان ہوتی ہے۔ اس میں کوئی طاقت و مضبوطی نہیں ہوتی' اسی طرح مسلمان بھی دنیا سے محبت کرنے اور موت سے ڈرنے کی وجہ سے بے وقعت اور غیر مضبوط نظر آئیں گے۔ دشمن کے دلوں سے ان کا رعب و دبدبہ' ڈر خطرہ جاتا رہے گا۔ وہ سب مسلمانوں کے خلاف جمع ہو جائیں گے کیونکہ موت سے ڈرنے کی وجہ سے ان کے دلوں سے جذبۂ جہاد جاتا رہے گا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ زندگی جاودانی ہے' دنیا کی محبت ان پر غالب رہے گی۔

میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج مسلمانوں کی زبوں حالی اور کفار کا مسلمان کے خلاف ایک ہو جانا' خصوصاً خلیج کے حالات کی طرف ذرا غور کریں تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگا کہ سو فی صد اس کا وقوع ہو چکا ہے۔ غرضیکہ موت سے نہ ڈرنے والا انسان ہی غالب ہے۔

موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ] "تم میں سے کوئی شخص بھی مصیبت و ضرر پہنچنے پر موت کی ہرگز تمنا نہ کرے۔"

اگر اس کو بہت ہی مجبوری ہو کہ موت کو طلب کرنا ہی ہے تو پھر اس طرح دعا کرے۔ "اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ" ❷

یعنی انسان کو کسی قسم کا ضرر بھی پہنچے خواہ مالی ضرر ہو یا بدنی۔ اگر وہ اس ضرر و نقصان' مصیبت و الم' دکھ درد پر موت کی تمنا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے: اے اللہ! مجھے موت دے دے' تو یہ اس جزع و فزع پر دلالت کرے گا اور بے صبری' بے ثباتی پائی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضا مندی نہیں پائی جائے گی' لہٰذا یہ جائز نہیں۔ ہاں! اگر انسان موت کی تمنا ضرور ہی کرنا چاہتا ہے

1- بیہقی فی دلائل النبوۃ' ابوداؤد' مشکوۃ باب تغیر الناس ج2ص 459

2- بخاری و مسلم مشکوۃ باب تمنی الموت و ذکرہ ج1ص139

"صبر کا دامن لبریز ہو چکا ہے' مصائب و آلام پر قائم رہنا ناممکن ہو چکا ہے تو پھر بھی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے موت عطا کر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا معاملہ سپرد کرتے ہوئے رب کے حضور اس طرح عرض کرے: اے اللہ! اس وقت تک مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لئے میری زندگی بہتر ہے اور اے اللہ تعالیٰ! مجھے وفات عطاء کر دے جب میرے لئے میری وفات بہتر ہو۔ اسی طرح انسان نے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضاء مندی کا اظہار کر دیا اور کامل بے صبری کا مظاہر نہیں کیا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ نیک ہوا تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں اور زیادتی کرے اور اگر وہ گناہگار رہا تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ [1]

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ عمر زیادہ عطا فرمائے اور ساتھ ساتھ نیکی بھی عطا فرمادے تو یہ اس انسان کے مراتب و مدارج میں بلندی کا ذریعہ ہوگا لیکن اگر ایک انسان گناہ کی زندگی گذار رہا ہے تو اس انسان کو بھی موت کی طلب کرنا درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے موت سے پہلے کسی وقت توبہ کی توفیق عطا فرمادے' جس سے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں تو اس طرح عمر کی زیادتی اس انسان کی لئے بھی مفید ہوگی۔ یہی مقصد ہے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کے ارشاد گرامی کا۔

وہ مقامات جہاں موت کی تمنا جائز ہے:

"وَقَدْ أَفْتَى النَّوَوِيُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَمَنِّي الْمَوْتِ لِخَوْفِ فِتْنَةٍ دِينِيَّةٍ بَلْ قَالَ مَنْدُوبٌ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 4' ص 3)

"علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر ایسے فتنے نمودار ہو جائیں جن سے دین میں خلل آ رہا ہو تو ایسی صورت میں موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں' بلکہ مستحب ہے۔"

کہ وہ موت کو طلب کرے' کہ دینی فتنوں سے جو اسے پریشانی دامن گیر ہے۔ اس سے وہ راحت حاصل کرے۔

"وَكَذَا يُنْدَبُ تَمَنِّي الشَّهَادَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لِأَنَّهُ صَحَّ عَنْ عُمَرَ وَغَيْرِهٖ"

(مرقاۃ' علامہ علی قاری رحمہ اللہ' ج 4' ص 3)

"اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت حاصل ہونے کی تمنا کرنا مستحب ہے' جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے ثابت کہ وہ حصول شہادت کی دعائیں کرتے رہے۔"

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے رہے کہ: اے اللہ تعالیٰ! مجھے شہید کر دیا جائے' پھر زندہ کر دیا جائے' پھر شہید کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسمِ اطہر کو ظاہراً تو کافروں سے محفوظ رکھا تاکہ ان کو آپ کے جسمِ اطہر سے توہین آمیز سلوک کرنے کا موقع نہ مل سکے اور یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ ہم نے مسلمانوں کے نبی کو قتل کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو اس طرح قبول فرمایا کہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت کھلایا۔ اس وقت گوشت نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں زہر

1۔ بخاری' مشکوۃ باب تمنی الموت وذکرہ ص 139

آلودہ ہوں لیکن آپ جو ایک دو لقمے لے چکے تھے اس زہر کا اثر آپ کے جسم اطہر میں محفوظ رکھا گیا۔ پھر زہر کے اثر کو لوٹایا گیا تو آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا کر دیا گیا۔ [1]

دوسری وجہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف تصنیف "سر الشہادتین" میں بیان کی ہے کہ آپ کی دعاء کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں شہادتوں (ظاہری، سری) کا درجہ نصیب فرمایا۔ وہ اس طرح کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے لے کر ناف تک آپ کے مشابہ ہیں، آپ کو زہر کی وجہ سے شہادت نصیب ہوئی۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو ناف سے لے کر پاؤں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، آپ کو شہادت میدان جنگ میں نصیب ہوئی۔ اس طرح ان دونوں حضرات شہادت سے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو بھی شہادت کا مرتبہ عطا فرما دیا۔

مسلم شریف میں ہے: "مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا أُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ" جس شخص نے صدقِ دل سے شہادت طلب کی اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا مرتبہ عطا فرماتا ہے خواہ وہ بظاہر شہید نہ بھی ہو۔"

"وَيُنْدَبُ اَيْضًا تَمَنِّي الْمَوْتِ بِبَلَدٍ شَرِيْفٍ لِمَا فِي الْبُخَارِيْ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ فَقَالَتْ بِنْتُهٗ حَفْصَةُ اَنّٰى يَكُوْنُ هٰذَا فَقَالَ يَاْتِيْنِيْ بِهِ اللّٰهُ اِذَا شَاءَ اَيْ وَقَدْ فُعِلَ فَاِنَّ قَاتِلَهٗ كَافِرٌ مَجُوْسِيٌّ"

"مدینہ طیبہ میں موت کی تمنا کرنا بھی مستحب ہے۔ بخاری شریف میں ہے: بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مجھے عطاء کر۔ آپ کی بیٹی (ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ کیسے ہوگا؟ (کہ شہادت بھی ملے اور موت بھی مدینہ طیبہ میں آئے) مدینہ طیبہ میں کس سے جنگ ہوگی اور کیسے شہادت آئے گی؟ آپ نے بطورِ تعجب یہ عرض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ایسے ہوگا۔ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قبول فرمایا جیسے آپ نے عرض کیا کہ مدینہ طیبہ میں ہی آپ کو شہادت نصیب ہوئی کیونکہ آپ کا قاتل کافر مجوسی تھا۔ [2]

سبحان اللہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس خواہش کا اظہار کیا اور کامل توقع کی اللہ تعالیٰ نے اسے پورا فرمایا ہے۔ کیا شان ہے یارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی!!!

موت سے آرام ملتا ہے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک جنازہ گزارا جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ" (آرام پا گیا یا اس سے اوروں کو آرام دے دیا گیا)۔ صحابہ کرام

1۔ صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، ج 2 ص 1073 2۔ صحیح بخاری، ج 1 ص 253

رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مُسْتَرِیْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ" کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مومن بندہ ہے تو دنیا کی مشقتوں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف چلا گیا اور اگر یہ شخص فاجر وفاسق انسان تھا تو اس سے انسان، شہروں، درختوں اور چوپاؤں کو آرام مل گیا۔ [1]

یعنی انسان پر موت جب آتی ہے تو اگر وہ مومن انسان ہو تو دنیا کی مشقتوں یعنی ایسے کام جن سے انسان کو تکلیف ہو سکتی ہے، ان سے آرام پا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ایذا رساں چیزوں سے آرام حاصل کر لیتا ہے یعنی گرمی، سردی کی صعوبتوں اور اہل وعیال، خویش وقرباء کی طرف سے دی ہوئی تکلیف سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف پہنچ جاتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ مجھے کسی پر رشک نہیں آتا۔ جتنا کہ اس شخص پر رشک آتا ہے جو مومن ہو قبر کی لحد میں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو اور دنیا کی صعوبتوں سے نجات پا جائے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے تین چیزیں پسند ہیں:

(1): موت کی محبت اور اپنے رب سے ملاقات کا اشتیاق۔

(2): مرض سے محبت کیونکہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

(3): فقر (غریبی) سے محبت کیونکہ اس سے مجھے اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے سے عجز وانکساری حاصل ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں جو فاجر انسان کا ذکر ہے اس سے مراد عام ہے کافر ہو یا مسلمان کہ فسق وفجور میں مبتلاء شخص کے مرنے سے لوگوں کو راحت مل گئی کیونکہ جب دوسرے مسلمان اسے گناہوں سے منع کرتے تھے، یہ انہیں تکلیف پہنچاتا اور ستاتا اور بعض مسلمان اسے برائیوں سے نہ روکتے اور برا نہ سمجھنے کی وجہ سے اپنے دین میں نقصان کر لیتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی نقصان بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان نقصانات کا سبب یہی فاسق وفاجر ہے۔ اسی طرح کبھی وہ ظالم ہوتا ہے اپنے اقتدار کو دائمی سمجھ کر وہ فرعون بن بیٹھتا ہے اس کے مرنے سے شرفاء کو اس کی انتقامی کاروائیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ [2]

مقام عبرت ہے!!!

ان نادان علمی دعویداروں کے لئے جو برے کو برا سمجھنے کے بجائے اس کی حمایت میں پیش پیش ہوتے ہیں، ان کے سامنے دین کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ وہ دنیا کے مال کو دین پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں جس طرح کتا روٹی کے حلال ٹکڑے کو چھوڑ کر مردار پر جھپٹتا ہے۔ اس ظالم کے ظلم سے نحوست کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بارشیں روک دیتا ہے، قحط سالی پڑ جاتی

1۔ بخاری ومسلم، مشکوۃ باب تمنی الموت، ج1، ص139

2۔ مرقاۃ، علامہ علی القاری رحمہ اللہ ج4، ص5

ہے۔ کبھی بارشیں حد سے زیادہ ہوتی ہیں جس سے سیلاب آجاتے ہیں جو لوگوں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اور اس صورت حال سے شجر درخت اور جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کی موت سے ان تمام چیزوں کو راحت مل جاتی ہے۔

فساد کیوں برپا ہوتا ہے؟

ظالموں کے ظلم اور برے لوگوں کی بداعمالیوں سے فساد برپا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ (سورۃ الروم 7:21)

"پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں۔"

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ دنیا میں امن و سکون تو تب ہی برقرار رہ سکتا ہے کہ جب ہر شخص اپنا فرض پوری دیانتداری سے ادا کرے۔ ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوز ہونے کی پوری آزادی ہو۔ جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بددیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لئے جاتے ہیں تو پھر بحر و بر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔

ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنا چاہیں۔ ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ہر قیمت پر ملنے چاہیں ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے۔ جو دین فطرت ہے اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کے فطری تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی تسکین کے سامان بڑی فیاضی سے مہیا فرما دیئے۔ جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں اسی انداز سے امن و سکون رخصت ہوا۔ بے چینی اور اضطراب کے اندھیرے پھیلنے لگے۔ عقائد کی قوت مسلم ہے عملی زندگی میں ان پر مرتب ہونے والے نیک و بد اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جب عقائد صحیح ہوتے ہیں تو جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے، وہاں قلب و روح کی دنیا میں بہار تو آ ہی جاتی ہے۔ عملی دنیا بھی دیانتداری، اخلاص، حسن گوئی، جرأت، بے نیازی اور استغناء کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے رب کریم سے ٹوٹ جاتا ہے اگر وہ طاقت ور ہے تو شتر بے مہار بن کر لوگوں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہے تو گرے ہوئے سوکھے پتے کی طرح ہچکولے کھاتا ہے، اسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ وہ خسیس ترین حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرماتا۔

جس معاشرہ میں انسان کی جان، عزت و ناموس اور مال محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آ سکتا ہے؟ آپ عہد جاہلیت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ ہر ملک میں آپ کو اس آیت کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور اگر آپ عصر حاضر

کے حالات کا جائزہ لیں' تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو خدا فراموشی' نوامیس (جمع ناموس) فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کیئے ہوئے نظامِ حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے۔ نہ خشکی پر کہیں امن ہے' نہ سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کوئی گوشہ عافیت نظر آتا ہے۔ زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں' جہاں سے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جا سکتا ہے۔ سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کو ابلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ کرہ ہوائی میں بڑی بلندیوں کا ہوائی بیڑا جو ہزاروں طیاروں پر مشتمل ہے' ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے۔ اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم فٹ کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک سگنل سے وہ کہرام رستاخیز برپا کر سکتے ہیں۔ بڑی تو تیں مہلک سے مہلک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔

خانگی زندگی بھی ہماری بداعمالیوں سے جنم لینے والے فساد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی میں اعتماد جو خانگی زندگی کی مسرتوں کے لئے شرطِ اول ہے' تیزی سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لئے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم و حیا کے نور سے محروم ہو گئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گرد و پیش' اس قسم کے حالات ہوں تو پھر اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

فسادِ بحر و بر کی وجہ یہی ہے کہ اپنے چمنِ حیات کو جن خاردار جھاڑیوں سے لوگوں نے بھر دیا ہے اس کے کانٹوں کی چبھن تو وہ بھی محسوس کریں۔ اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے شاید وہ لوگ اپنے اعمال بد کی تباہ کاریوں سے عبرت حاصل کریں اور موت سے قبل اپنی اصلاح کر لیں۔ [1]

ایک نیک آدمی کی ظالم بادشاہ کے لئے دعاء:

ایک مستجاب الدعوات درویش کے بغداد میں آنے کا پتہ چلا تو حجاج (حجاج بن یوسف) کو لوگوں نے خبر دی' اس نے درویش کو بلایا اور کہا: میرے لئے دعائے خیر (میرے حق میں جو دعاء بہتر ہو) کرو۔ اس نیک آدمی نے دعا کی: اے اللہ! اس کی جان لے لے یعنی اس کو مار دے۔ حجاج نے کہا: خدارا! خیال کیجیے' یہ کیسی دعا ہے؟ درویش نے کہا: یہ دعاء تمہارے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کیلئے بہتر ہے یعنی تمہارے مرنے سے لوگوں پر ظلم بند ہو جائے گا' یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ تو ظلم سے باز آ جائے گا' یہ تیرے لئے بہتر ہے۔

اے زبردست زیردست آزار گرم تا کے بماند این بازار

1۔ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 3' ص 578-579

اے ظالم حاکم رعایا کو ستانے والے تیری حکومت کا بازار کب تک بارونق رہے گا۔

حکومت کی ٹھاٹھ باٹھ پہ ناز کرنے والے ظالم! اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ' ہو سکتا ہے ایک دن وہ بھی آ جائے جب تجھے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں' پابہ زنجیر ہو۔ تختہ دار پہ تجھے لٹکا دیا جائے۔ اس وقت تیرے جیالے چوری کھانے والے تیرا ساتھ نہیں دیں گے۔

بچه کار آیدت جهانداری　　مردنت به که مردم آزادی

یہ حکومت تیرے کس کام کی جس میں تو گناہوں کے انبار لگا رہا ہے۔ ظلم و ستم نے بازار لگا رکھا ہے۔ مظلوموں کی آہ سے تجھے کوئی فکر نہیں، حکومت کے نشے میں تو خدا کو بھول بیٹھا ہے۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے تیرا مر جانا بہتر ہے کیونکہ زندگی میں تو تیرا کام لوگوں کو ستانا ہی ہے۔ اس لئے تیرے جیسے بدترین ظالم کے لئے ایسی دعا ہی بہتر ہے۔ ❶

حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم کے بھیانک مناظر:

بنی امیہ کے بادشاہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو عراق اور حجاز کا عامل (گورنر) بنایا۔

"فَظَلَمَ ظُلْمًا شَدِيْدًا وَقَتَلَ اُلُوْفًا كَثِيْرَةً مِنْ اَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَالْعُلَمَاءِ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَالزُّهَّادِ وَالصَّالِحِيْنَ" "اس نے شدید ظلم ستم کیا' ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اس نے شہید کرا دیا تھا جن میں کثیر اہل بیت نبی' علمائے مجتہدین' پارسا اور صالحین تھے۔"

مشکوۃ شریف میں ترمذی کی سے روایت ہشام بن حسان نے ذکر کیا:

"قَالَ اَحْصُوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ اَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ اَلْفًا" "حجاج نے جن لوگوں کو بے قصور' بغیر میدان جنگ کے فقط ظلماً شہید کرایا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر ہر امت کا فرعون لایا گیا تو ہم ان کے سامنے حجاج کو لائیں گے' جو تمام فرعونوں سے بدتر اور غالب فرعون ہوگا۔ اس نے لوگوں کو کھلے آسمان کے نیچے قید رکھا' جہاں گرمی اور سردی سے بچاؤ کے کوئی ذرائع نہیں تھے' بے شمار مخلوق اس بدترین جیل میں شہید ہو گئی۔

"حیات الحیوان" میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس قید کے دوران پچاس ہزار مرد شادی شدہ اور تیس ہزار شادی شدہ عورتیں اور سولہ ہزار غیر شادی شدہ شہید ہوئے۔ ❷

"انسان العیون" میں ذکر کیا گیا ہے کہ مرد، عورتوں کے لئے قید میں کوئی علیحدہ انتظامات نہ کئے گئے تھے بلکہ سب

1۔ گلستان سعدی، شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ، ج 11 ص 43　　2۔ حیات الحیوان، علامہ دمیری رحمہ اللہ، ج، ص

کو ایک جگہ رکھا گیا تھا۔ دس دس کو ایک ایک زنجیر میں جکڑا گیا' عورتیں بے حجاب ہو کر مردوں کے سامنے پیشاب کر رہی ہوتی تھیں۔

ایک جمعہ کے دن یہ بدترین ظالم (حجاج بن یوسف) گزر رہا تھا۔ اس نے چیخ و پکار' کراہنے کی آواز سنتے ہوئے کہا: یہ کیا آواز ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ قیدیوں کی آواز ہے جو کراہ رہے ہیں۔ ہائے! ہم گرمی کی شدت سے مرے جا رہے ہیں۔ اس بدترین شخص نے کہا: جاؤ! ان کو کہہ دو یہاں ہی ذلیل ہو کر رہو لیکن قدرت باری تعالیٰ کا اندازہ لگائیں کہ دوسرے جمعہ سے پہلے ہی یہ مر گیا اور عبدالملک بن مروان کے مرنے پر اس کے بیٹے سلیمان نے حجاج کے قید خانہ سے ایک دن میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) مظلوم قیدیوں کو نکال دیا۔ ایک روایت کے مطابق تین لاکھ قیدیوں کو نکالا۔

جلیل القدر تابعی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دور دراز مسافت سے طلب کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ کو شہید کیا جانے لگا' تو آپ نے اس کے لئے دعائے ہلاکت کی۔ ان کی شہادت کے بعد پندرہ دنوں سے پہلے یہ بھی مر گیا۔ جتنے دن زندہ رہا، سوتے ہوئے بڑبڑا کر اٹھ پڑتا۔ کہتا: میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے خون کی گرفت میں آ گیا ہوں۔ کبھی کہتا: مجھے سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے کر کے پوچھا جاتا ہے تو نے اس کو کیوں شہید کرایا؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ایک مردار کو پھینکا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں "حجاج" ہوں۔ میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو شدید عذاب والا پایا' مجھے ہر قتل کے بدلے قتل کیا گیا۔ قتل کیا جاتا رہا' زندہ کیا جاتا رہا۔ اب اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی رحمت کا اس طرح انتظار کر رہا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دوسرے لوگ انتظار کر رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان تھا۔

حضرت اشعث حرانی فرماتے ہیں: میں نے حجاج کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا۔ میں نے اس سے اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا: مجھے ہر قتل کے بدلے قتل کیا گیا۔ میں نے جتنے قتل کرائے ہیں' ایک ایک کے بدلے مجھے قتل کر کے زندہ کیا جاتا رہا تھا قتل کیا جاتا رہا۔ میں نے پوچھا: پھر کیا ہوا۔ اس نے کہا: پھر آگ میں بھیج دیا گیا۔ میں نے پوچھا: پھر کیا ہوا۔ اس نے کہا: اب میں اللہ کی رحمت کا اس طرح امیدوار ہوں جس طرح دوسرے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے امیدوار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حجاج ہی نے شہید کرایا کیونکہ عبدالملک بن مروان آپ کی تعظیم کرتا تھا۔ اس نے حجاج کو بھی کہا کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اس نے حسد کیا اور ایک شخص کو کہا کہ زہر آلود نیزہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مارا جائے اس نے حج کے دنوں میں زیادہ ہجوم میں زہر آلود نیزہ آپ کے قدم پر مارا۔ آپ کا قدم اسی زہر کے اثر سے متورم ہوا (سوج گیا) اور آپ اسی سے ہی شہید ہو گئے۔ [1]

1- نبراس مع حاشیہ، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ، ص 508

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بحیثیت امیر المومنین مکہ میں قیام پذیر تھے کہ عبدالملک نے حجاج کو چالیس ہزار فوج دے کر مکہ کو محصور کر لیا۔ اور ایک ماہ تک متواتر مکہ کا گھیراڈالے ہوئے حجاج منجنیق کے ذریعے مکہ پر پتھر برساتا رہا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھی اس محاصرہ سے عاجز آ کر خفیہ طور پر حجاج سے مل گئے۔ غرضیکہ ۱۷ جمادی الاول ۷۳ھ کو منگل کے دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا۔ بعد میں آپ کی لاش مبارک کو ایک درخت سے لٹکا دیا گیا' جس پر قریش اور دیگر حضرات گزرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب گذرے تو آپ نے ان کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر آپ سے سلام وکلام کیا' پھر آپ چلے گئے۔

جب حجاج کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہاں کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو وہاں سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا۔ پھر آپ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ آپ نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پیغام بھیجا کہ اگر نہیں آؤ گی تو ایسے آدمیوں کو بھیجوں گا جو تمہیں گھسیٹ کر لے آئیں گے آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ٹھیک ہے! ایسے آدمی بھیج دو جو مجھے گھسیٹ کر لے جائیں۔ یہ بات سنتے ہی وہ خود وہاں سے چلا کہ یہ مجھے گالیاں دے رہی ہے۔ وہ جب آپ کے پاس آیا تو کہنے لگا: تم نے دیکھا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن سے کیا سلوک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے معلوم ہے تم نے اس کی دنیا برباد کر دی' اس نے تمہاری آخرت برباد کر دی۔ پھر آپ نے بڑی جرأت سے کہا: کہ میں نے سنا ہے تم اسے ...... ذات النطاقین ...... "دو کمر بند باندھنے والی" کا بیٹا کہتے تھے۔ خوب سن لو! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' میں یقیناً ذات النطاقین ہوں۔ ایک میں اس وقت نطاق باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھانا پہنچاتی' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ اور دوسرا وہ نطاق ہے جس کی ضرورت ہر عورت کو درپیش ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی ثقیف میں سے ایک کذاب ہوگا اور ایک مبیر (ہلاک کرنے والا) کذاب تو ہم نے دیکھ لیا ہے۔ آپ کا ارشاد "مختار ثقفی" کی طرف تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا کہ میرے پاس جبرائیل آتے ہیں اور مبیر (ہلاک کرنے والا) میرے خیال میں تم ہی ہو۔ آپ کے اس جرأت مندانہ جواب سے یہ بدترین ظالم آپ کو بغیر تکلیف پہنچائے ذلیل ہو کر لوٹ آیا۔ [1]

قبعثری کی حجاج کے حق میں بددعا اور اس کے ظلم سے محفوظ رہنے کا دلچسپ واقعہ:

ایک دفعہ قبعثری دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک باغ میں بیٹھا ہوا تھا جب کہ انگور بیلوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے لیکن کچے تھے یعنی ابھی سبز تھے۔ وہاں کسی نے حجاج کا ذکر کیا تو قبعثری نے کہا: ...... اَللّٰھُمَّ سَوِّدْ وَجْھَہٗ وَ اقْطَعْ عُنُقَہٗ وَ اسْقِنِیْ مِنْ دَمِہٖ ...... "اے اللہ! اس کا چہرہ سیاہ کر دے' اس کی گردن کاٹ دے' اس کا خون مجھے پلا دے۔" خون پلانا بامحاورلفظ ہے

1- صحیح مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج 2، ص 411

جس سے مراد یہ کہ وہ مر جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے خون کا پیاسا ہے یعنی اسے قتل کرنا چاہتا ہے' مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

قبعثری کی اس بددعا کا علم جب حجاج کو ہوا تو اس نے اس کو اپنے دربار میں طلب کر لیا اور پوچھا کہ تم نے اس طرح کہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے اس طرح کہا تو ضرور ہے لیکن میری مراد تم نہیں تھے' بلکہ انگور تھے۔ اس نے کمال عقلمندی کی وجہ سے نام تو لیا نہیں تھا اور بیٹھا بھی انگوروں کے باغ میں تھا۔ جب کہ انگور سبز تھے ان کے لئے کہا کہ انگور سیاہ ہو جائیں اور کٹ کر ہمارے پاس آ جائیں تا کہ ہم ان کا نچوڑ (رس) پئیں۔ بظاہر یہ بات بھی کسی حد تک درست تھی لیکن حجاج کو بھی صحیح رپورٹ ملی تھی کہ قبعثری تمہارے خلاف باتیں کرتا رہتا ہے اور تمہارا تذکرہ جب ہوا اس وقت اس نے یہ دعا کی۔

اس لئے حجاج نے قبعثری کو کہا: "لَاَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْاَدْهَمِ" میں تمہیں بیڑیاں پہنا دوں گا یعنی پاؤں میں لوہے کے زنجیر ڈال دوں گا۔ اس کے جواب میں قبعثری نے کہا: "مِثْلُ الْاَمِيْرِ يَحْمِلُ عَلَى الْاَدْهَمِ اَوِ الْاَشْهَبِ" حاکم کی مرضی کی بات ہے سیاہ گھوڑے پر سوار کر دے یا چتکبرا گھوڑ عطا کر دے۔ چونکہ "ادہم" کا معنی لوہے کی بیڑی بھی ہے اور سیاہ گھوڑا بھی۔ اس طرح قبعثری نے اس کی دھمکی کو انعام میں بدل دیا۔

پھر حجاج نے کہا: "وَيْلَكَ اَنَّهُ لَحَدِيْدٌ" تو ہلاک ہو جا! وہ تو لوہا ہے جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ وہ گھوڑا نہیں جیسے تو کہہ رہا ہے یعنی میرا مطلب ہے کہ میں تمہیں بیڑیاں لگا دوں گا۔ قبعثری نے پھر کمالِ فطانت سے اس کی دھمکی کو انعام میں بدلتے ہوئے کہا:...... اَنْ يَّكُوْنَ حَدِيْدًا خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّكُوْنَ بَلِيْدًا...... "آپ نے بہت اچھا فرمایا کہ کیونکہ اس گھوڑے کا لوہے کی طرح سے مضبوط ہونا اور تیز ہونا' موٹے سست رفتار پیل گھوڑے سے بہتر ہے۔

حجاج نے غصے میں اپنے کارندوں کو کہا: "اِحْمِلُوْهُ" اس کو اٹھا لو۔ جب انہوں نے اس کے کہنے کے مطابق اسے اٹھایا تو قبعثری نے کہا:...... سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ...... "اللہ کی وہ پاک ذات ہے جس نے ان کو میرا مطیع (تابع) بنا دیا۔ حجاج نے یہ سنتے ہوئے کہا:...... اِطْرَحُوْهُ عَلَى الْاَرْضِ...... اس کو زمین پر پھینک دو۔ جب انہوں نے اس کو زمین پر پھینک دیا تو اس وقت قبعثری نے کہا:...... "مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ...... "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین سے ہی پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹا دیں گے۔ اس مکالمہ کے بعد حجاج نے اس کا جرم معاف کر دیا۔[1]

واللہ اعلم، یہ کس طرح اس کے جال میں پھنسنے سے رہ گیا؟ ورنہ اس بدترین ظالم کے ظلم سے علماء و صلحاء نہ بچ سکے۔ یہ بھی یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو موت سے بچائے اسے کون مار سکتا ہے۔

1۔ حاشیہ مختصر المعانی، محشی محمود الحسن دیوبندی، ص 78

ایک نیک بزرگ کا ظالم بادشاہ کو سونے کا مشورہ:

ایک ظالم بادشاہ نے کسی ولی اللہ نیک و پارسا سے پوچھا: میرے لئے کون سی عبادت زیادہ بہتر ہے۔ اس بزرگ نے جواب دیا: تمہارے لئے آدھا دن سونا سب سے بڑی عبادت ہے تا کہ تم اتنی دیر کسی کو نہ ستا سکو اور مخلوق تمہارے ظلم سے محفوظ رہے:

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز
گفتم ایں فتنہ ست خوابش بردہ بہ
و آنکہ خوابش بہتر از بیداریست
آں چناں بد زندگانی مردہ بہ

❁ ایک ظالم کو میں نے دوپہر کے وقت سوئے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا یہ فتنہ ہے اس کا سونا ہی بہتر ہے۔

❁ وہ شخص جس کا سونا جاگنے سے بہتر ہے، ایسی بری زندگی سے مرنا بہتر ہے۔ [1]

یعنی مقصد یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ انصاف کرے۔ اگر انصاف کرنے والا نہیں بلکہ ظالم ہے، لوگوں کو ستاتا ہے تو ایسے بھیڑیا نما انسان کو کچھ دیر کیلیے سونا ہی بہتر ہے تا کہ لوگ اس کے ظلم و ستم کیلئے کچھ دیر کے لئے محفوظ رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا بدترین انسان جس کی نیند پر لوگ آرام کا سانس لیں اس کا مرنا اس لئے بہتر ہے کہ لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات مل جائے گی اور اس شخص کو ظلم کرنے کی وجہ سے گناہوں کی آلودگی سے آرام ملے گا۔

غور و فکر کا مقام ہے وہ انسان بھی کہلانے کا حق دار ہے جس کی موت کی تمنا لوگوں کے سینے میں پائی جاتی ہو۔ اس انسان سے تو کتا ہی اچھا ہے جو ناپاک اور حرام بھی ہے لیکن اس کو پہرہ داری کے لئے پال لیتے ہیں بیمار ہو تو اس کے زندہ رہنے کے لئے دعاء بھی کرتے ہیں۔

ظالم نشۂ اقتدار میں عذابِ قدرت سے غافل نہ ہو:

ایک ظالم شخص غرباء و فقراء سے ظلماً لکڑیاں سستی خرید کر امیروں کو جبراً وہ مہنگی بیچتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نیک آدمی گذرا، اس نے کہا:

ماری تو کہ ہر کرا بہ بینی بزنی
یا بوم کہ ہر کجا نشینی بکنی

1۔ گلستان سعدی، شیخ سعدی رحمۃ اللہ، باب اوّل حکایت 12 ص 43

زورت ار پیش میرود باما
با خداوند غیب دان نرود
زور مندی مکن بر اہلِ زمین
تا دعائے بر آسمان نرود

①: تو سانپ ہے کہ جس کسی کو دیکھتا ہے ڈستا رہتا ہے۔ یا تو اُلو ہے کہ جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو کھودتا رہتا ہے۔ یعنی "الو" کا خاصہ ہے جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو ویران کر دیتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ "اُلو" ہے جہاں بیٹھتا ہے اس جگہ کو ویران کر دیتا ہے۔

②: تیرا زور اگر چہ ہم پر چل سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو غیب جاننے والا ہے اس پر تمہارا زور نہیں چل سکتا۔

③: زمین والوں پر ظلم نہ کرو تا کہ وہ تیرے ظلم سے تنگ آ کر تیرے لئے بددعا نہ کر دیں جو قبول ہو جائے۔

حاکم کو درویش کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اس کی نصیحت سے اس نے منہ پھیر لیا۔ اس کی طرف توجہ نہ کی بلکہ اپنے مرتبہ پر غرور کرتے ہوئے اور ہی گناہوں میں مبتلاء ہوا۔ اتفاقاً ایک رات باورچی خانہ سے آگ نے اس کی لکڑیوں کے انبار میں پہنچ کر ان کو اپنی لپیٹ میں لیا اور اس کے تمام مکانات اور ہر چیز کو جلا کر رکھ دیا۔ وہ ظالم نرم بستر سے خاکستر پر آ گیا۔ اسی نیک بزرگ درویش کا اتفاقاً وہاں سے گذر ہوا' دیکھا کہ وہ اپنے یاروں سے کہہ رہا تھا کہ معلوم نہیں یہ آگ کہاں سے آئی جس نے تمام مکانات وغیرہ جلا دیئے ہیں۔ جب اس درویش نے اس کے کلام کو سنا تو کہا:

حذر کن ز درد درو نہائے ریش
کہ ریش دروں عاقبت سر کند
بہم بر مکن تا توانی دلے
کہ آہے جہانے بہم سر کند

①: "درویشوں کے دل کے دھوئیں سے بچ کیونکہ ایک نہ ایک دن اندرونی زخم ظاہر ہو جاتے ہیں۔

②: جب تک تو طاقت رکھتا ہے کسی کے دل کو پریشان نہ کر کیونکہ جہان کے مظلوم لوگوں کی ایک آہ تباہ برباد کر دیتی ہے۔

ایران کے مشہور اور عظیم ترین بادشاہ امیر خسرو کے محل کے دروازہ کی محراب پر کتنا اچھا لطیف کلام لکھا ہوا ہے۔

چہ سالہائے فراوان و عمر ہائے دراز
کہ خلق بر سرما در زمین بخواہد رفت

چنا کہ دست بدست آمد ست ملک بما
بدستہائے دگرہم جنس بخواہد رفت

کئی سال،لمبی عمر تک لوگ ہماری قبر زمین کے سرہانے پر آتے جاتے رہیں گے یعنی ہماری بادشاہی جاودانی نہیں بلکہ ہم نے مر کر قبر میں پہنچ جانا ہے شاید ہمدرد لوگوں کا وہاں ہماری قبر سے گزر ہو جائے۔ جس طرح ہاتھ باہاتھ منتقل ہوتے ہوئے یہ بادشاہی ہمیں ملی تھی، ایسے ہی ہمارے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں تک بھی پہنچ جائے گی۔ (1)

مظلوم کو بھی انتقام لینے کا وقت مل جاتا ہے:

ایک بادشاہ کا درباری بادشاہ کے تقرب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا۔ اس ظالم نے ظلماً ایک نیک شخص کے سر پر ایک مرتبہ پتھر مار دیا۔ درویش کو اس سے انتقام لینے کی طاقت نہ تھی، لیکن اس نے پتھر کو نگاہ میں رکھ لیا۔ آخر کار ایک مرتبہ وہی شخص بادشاہ کے قہر وغضب کا نشانہ بن گیا۔ بادشاہ نے اس کو اس کے جرم کی سزا دینے کے لئے ایک تاریک گڑھے میں ڈال دیا۔

درویش نے جب دیکھا کہ وہ ظالم آج تاریک گڑھے یعنی اندھے کنویں میں مظلوموں کی آہوں کی سزا میں مبتلاء ہے اس نے وہی پتھر اٹھایا، اس کے سر پر جا مارا۔ اس ظالم نے تاریک کنویں سے سر اوپر اٹھا کر پوچھا: تو کون ہے اور یہ پتھر تو نے مجھے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا: میں فلاں شخص ہوں جس کے سر پر تو نے فلاں تاریخ کو پتھر مارا تھا۔ یہ وہی پتھر ہے۔ اس نے کہا: تو اتنے دن کہاں رہا؟ درویش نے کہا: اس وقت تیرے رعب و مرتبہ کی وجہ سے میں ڈرتا تھا، انتقام لینے کی طاقت نہیں تھی۔ آج تجھے کنویں میں دیکھ کر فرصت کو میں نے غنیمت سمجھا تو انتقام لیا۔ (2)

میدانِ کربلا میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر ظلم کرنے والوں کا انجام:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اقرباء و رفقاء کی شہادت ۶۱ ھ کو ہوئی ہے لیکن ۶۶ ھ کو وہ ظالم کس انجام کو پہنچے؟ اس کا تصور کرتے ہی انسان کو قرآن پاک کے ان الفاظ مبارکہ:............ وَلَا یَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ......"ظالموں کے ظلم سے اللہ تعالیٰ کو غافل ہرگز نہ تصور کرو............ کی عملی تصویر نظر آجاتی ہے۔

۶۱ ھ کو مختار بن ابی عبید ثقفی اور ابراہیم بن اشتر نے انقلاب برپا کیا اور کوفہ پر قابض ہو گئے۔ اس کی خبر جب شام میں پہنچی تو وہاں سے ابن زیاد کی قیادت میں ایک لشکر جرار کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا۔ اور ادھر مختار ابن عبید ثقفی نے یزید

1۔ گلستان سعدی، شیخ سعدی رحمہ اللہ باب اوّل، حکایت 27 ص 63
2۔ گلستان سعدی، شیخ سعدی رحمہ اللہ باب اوّل، حکایت 22 ص 57

بن انس کو مختصر سا فوجی دستہ دے کر ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ موصل کے مقام پر ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ جس میں ابن زیاد کو شکست ہوئی' لیکن اسی دوران یزید بن انس کا انتقال بھی ہو گیا۔ ان کے نائب ورقاء بن عازب تھے۔ انہوں یہ خیال کیا امیر لشکر بھی فوت ہو گئے اور ہماری فوج کی تعداد بھی کم ہے' اس لئے انہوں نے مختار ثقفی کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمیں مزید فوج دی جائے۔ مختار نے ابراہیم بن اشتر کو مزید فوج دے کر بھیج دیا۔

ان لوگوں کا روانہ ہونا ہی تھا کہ ادھر وہ لوگ بغاوت پر اتر آئے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں پیش پیش تھے۔ مثلاً شمر ذی الجوشن' عمرو بن حجاج زبیری' محمد بن اشعث اور یزید بن حارث شیبانی وغیرہ۔ ان لوگوں کا گمان تھا کہ مختار اکیلا ہے چند لوگ اس کیساتھ ہیں۔ دوسرے تمام کوفہ سے ابن زیاد کے مقابل جا چکے ہیں لیکن مختار نے بھی حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے جلدی سے ابراہیم بن اشتر اور ان کے ساتھ گئی ہوئی فوج کو واپس بلا لیا۔ دو تین دن بعد ابراہیم بمع فوج واپس کوفہ پہنچ گئے۔

کوفہ میں ابراہیم کے پہنچنے پر قاتلینِ حسین گھروں میں چھپ گئے لیکن مختار نے کچھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ ان کو تلاش کیا جائے۔ ایک ایک کو تلاش کر کے گھروں سے نکالا گیا۔ عمرو بن سعد (جو میدانِ کربلا میں فوج کا سپہ سالار تھا) کا بیٹا گرفتار ہو کر آیا تو مختار نے اسے پوچھا: تمہارا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ گھر میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں لیکن مختار نے کہا: میدانِ کربلا میں نواسۂ رسول کو پناہ نہیں دی گئی۔ ان پر تیروں کی بارشیں برسا کر ان شہید کیا گیا' اس وقت وہ گوشہ نشین کیوں نہیں ہوا تھا؟ آج اس کی یہ چالبازی اسے بچا نہیں سکتی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے فوج کے کچھ جوانوں کو حکم دیا: عمرو بن سعد کو گرفتار کر کے لے آؤ! گوشہ نشینی اسے بچا نہیں سکتی۔ یہ کہتے ہوئے رسیوں سے جکڑ کر عمرو بن سعد کو مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔

مختار نے حکم دیا کہ پہلے اسکے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کے ناک اور کان کاٹ کر اس کو ٹوکرے میں بند کر کے جلا دیا جائے۔ اس طرح میدانِ کربلا کا یہ جابر و ظالم شخص جو فوجی کمانڈر ہونے کی وجہ سے تکبر و غرور میں مبتلاء تھا اور نواسۂ رسول کو بھوکا' پیاسا شہید کرایا۔ کس طرح ذلت کی موت مرا؟ اس طرح میدانِ کربلا کے دوسرے شیطانی صفات رکھنے والے ظالموں میں سے ایک ایک کو لایا گیا' ان کو ذلت کی موت مارا گیا۔

خولی بن یزید اصبحی' سنان بن انس' قیس بن اشعث' عبداللہ بن قیس خولانی اور عمران بن خالد کو بہت اذیتیں دے کر قتل کیا گیا۔ یہ سب مجرمین ذلت کی موت مر کر اپنے انجام کو پہنچے۔

اسی طرح شمر ذی الجوشن کو تو بہت ہی عبرت ناک طریقہ سے ہلاک کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر ڈال دیا گیا۔ اور پھر جنگی گھوڑے اس پر دوڑا دیئے گئے۔ جنہوں نے اس بدترین ظالم کو روند کر اس کو انجام تک پہنچا دیا جس کا وہ مستحق تھا۔

خولی بن یزید اصبحی کو جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ وہ شخص ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کوفہ لے کر گیا تھا

۔اس کے بھی پہلے دن ہاتھ کاٹے گئے' دوسرے دن پاؤں پھر سولی پر لٹکا دیا گیا۔اس کے بعد تمام میدانِ کربلا میں شریک ہونے والوں کے مکان گرا دیئے گئے۔ (1)

ابن زیاد جو کوفہ کا گورنر تھا۔ جب میدانِ کربلا کا واقعہ درپیش آیا' یہی سب سے بڑا مجرم تھا۔اس کی سرکوبی کے لئے ابراہیم ابن اشتر کو فوج دے کر موصل میں بھیجا گیا کیونکہ یہ وہاں اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ چنانچہ خارز کے مقام پر دونوں فوجوں میں خون ریز جنگ ہوئی لیکن ابن ازیاد کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا' لیکن گرفتار ہوا' ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا۔

1۔ مختصر از تاریخ طبری، امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ جلد 7 ص 122 تا 139

فصل سوم

جان کنی کا بیان

جب موت کا وقت آجائے تو کیا کیا جائے؟

مسئلہ: جب انسان پر موت کا وقت قریب ہو تو اس کی چارپائی کو اس طرف پھیر دیا جائے کہ اس منہ قبلہ کی طرف ہو جائے۔ (1)

مسئلہ: قریب المرگ شخص کے قریب سورہ یٰسین کی تلاوت کی جائے کیونکہ اس سے اس شخص کے لئے آسانی ہوتی ہے۔

حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَرَءَ یٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ شریف باب فضائل القرآن، ج1 ص189)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سورہ یٰسین کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے (صغائر) گناہ معاف فرماتا ہے (کیونکہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے) اور تم اس سورۃ کو اپنے فوت ہونے والوں کے پاس پڑھو۔"

یعنی جو لوگ فوت ہونے کے قریب ہوں ان کے پاس پڑھو یا دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہارے جو حضرات فوت ہو جائیں ان کی قبروں کے پاس جا کر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرو کیونکہ وہ اب مغفرت کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہ سورۃ پڑھ کر ان کی مغفرت کی دعا کی جائے۔"

خیال کیا جائے کہ سورۃ یٰسین کا انتخاب ہی کیوں کیا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کو قلب قرآن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا۔ قیامت کے احوال جس طرح اس سورۃ میں ذکر کئے گئے ہیں اس طرح کسی اور سورۃ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں اور اس کا پڑھنا مردہ اور زندہ دلوں کو اور زندہ کرتا ہے اور اس کا تلاوت کرنا غفلت سے اطاعت و عبادت کی طرف لاتا ہے۔ ان وجوہ کے پیش نظر اس کو فوت ہونے والوں کے قریب یا فوت شدہ کے قریب پڑھا جاتا ہے۔ (2)

1۔ درمختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ ج3، ص91

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص16

مسئلہ: جس شخص کی موت قریب ہو اس کو "تلقین" کرنی چاہیے۔ یعنی ظاہر اسباب و حالات سے جب پتہ چلے کہ یہ شخص فوت ہونے کے قریب ہے تو ایسے شخص کو کلمہ طیبہ اور شہادت کی تلقین کی جائے۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۳۰)

اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی جس کو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ] کہ تم میں سے جو لوگ فوت ہونے کے قریب ہوں انکو "لا الہ الا اللہ" کی تلقین کرو۔ (۱)

یعنی ان کو کلمۂ توحید کی یاد دلاؤ۔ اسی طرح کلمۂ شہادت کا اس کے قریب پڑھنا بھی یہی فائدہ دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ میت سن کر کلمہ پڑھ لے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ بچے کو سب سے پہلے کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" پڑھاؤ اور موت کے وقت اسی کلمہ کی تلقین کرو۔

مسئلہ: فوت ہونے والے کو تلقین کرنا مستحب ہے۔ بعض فقہائے کرام نے وجوب کا قول بھی کیا ہے۔

مسئلہ: تلقین کے وقت قریب الموت شخص کے قریب کلمہ پڑھا جائے۔ اسے یہ نہ کہا جائے کہ تو کلمہ پڑھ! ممکن ہے وہ آخری وقت میں کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے' اگرچہ سکرات موت میں کلمہ پڑھنے سے انکار کفر نہیں لیکن پھر بھی بظاہر اچھا نہیں۔ اگر اس کو آخری وقت میں کلمہ پڑھنا نصیب ہو گیا تو یہ اس کی خوش قسمتی ہو گی۔ (الجوہرۃ النیرۃ، ج ۱، ص ۱۳۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ" جس شخص کا آخری کلام یہ الفاظ مبارکہ یعنی کلمہ توحید ہوا (لا الہ الا اللہ) وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (۲)

مسئلہ: تلقین کرنے والا شخص نیک ہو کیونکہ آدمی کی موت کے وقت اس کے پاس نیک لوگوں کا ہونا اچھی بات ہے اسی طرح اس کے قریب خوشبو سلگانا بھی مستحب ہے۔ (فتاوی ہندیہ، المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، ج ۱، ص ۱۵۷)

مسئلہ: موت کے وقت حیض و نفاس والی عورتیں اس کے پاس حاضر ہو سکتی ہیں۔ مگر جس کا حیض ختم ہو گیا اور ابھی اس نے غسل نہ کیا ہو وہ عورت اور جنبی عورت کسی کے روح نکلنے کے قریب نہیں ہونا چاہیے۔ اور کوشش کی جائے کہ مکان میں کوئی تصویر اور کتا نہ ہو۔ اگر یہ چیزیں مکان میں ہوں تو فوراً ہی ان کو باہر نکال دیا جائے کیونکہ جہاں یہ چیزیں ہوں' وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ (فتاوی ہندیہ، المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، ج ۱، ص ۱۵۷)

مسئلہ: حضرت مروزی، حضرت جابر بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ مرنے والے کے پاس سورۃ رعد کا پڑھا جانا بھی مستحب ہے کیونکہ اس سے مردے پر آسانی ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مرنے والے کے قریب اس کی موت

1۔ رواہ مسلم مشکوٰۃ باب یقال عند من حضرہ الموت ج 1 ص 140

2۔ رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت ج 1 ص 141

پر یہ دعا بھی پڑھی جاتی ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ ......(اس کا اور اس کے باپ کا نام یہاں ذکر کیا جائے)...... وَبَرِّدْ عَلَيْهِ مَضْجَعَهٗ وَوَسِّعْ عَلَيْهِ قَبْرَهٗ وَ اَعْطِهِ الرَّاحَةَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ وَتَوَلَّ كَفْنَهٗ وَ صَعِّدْ رُوْحَهٗ فِيْ اَرْوَاحِ الصَّالِحِيْنَ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ فِيْ دَارٍ تَبْقٰى فِيْهَا الصِّحَّةُ وَيُذْهِبُ عَنَّا فِيْهَا النَّصَبُ وَاللُّغُوْبُ"

''اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا جاتا اور بار بار اس دعاء کو پڑھا جاتا تھا حتی کہ وہ فوت ہو جاتا۔[1]

بدعقیدہ کو موت کے وقت کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہونا:

ابن عسا کر نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کو موت کے وقت کلمہ شریف پڑھنے کو کہا' تو اس نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ جب وہ ہوش میں آیا' تو اس نے کلمہ شریف نہ پڑھنے کی وجہ بیان کی کہ میں ایسی قوم کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کا حکم کرتی تھی۔ یہ اس کی وجہ سے میری زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا تھا۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ بدعقیدہ لوگوں کی مجلس کی ایک نحوست یہ بھی ہے کہ انسان مرتے وقت کلمۂ طیبہ کی نعمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کرو کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے دشمنوں کی مجلس کرنے والے کا یہ حال ہے' تو اس کا کیا حشر ہوگا جو خود محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی صحبت میں رہتا ہو۔

ماں کے نافرمان کو کلمہ نصیب نہ ہونا:

روایت کیا گیا ہے کہ ایک نوجوان کی (بعض حضرات نے اس نوجوان کا نام حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے جیسے تحفۃ نصائح وغیرہ میں ہے) زبان بند ہو گئی۔ اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت یعنی کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' جاری نہیں ہو رہا تھا۔ دوسرے صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس صحابی کی زبان پر کلمہ نہ جاری ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس تلقین کی لیکن صحابی رسول کی زبان میں حرکت آتی ہے لیکن پھر اضطراب۔ اس طرح زبان حرکت کر کے بند ہو جاتی ہے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا۔

اس حالتِ زار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ شخص نماز پڑھتا تھا؟ پھر میرے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء نے پوچھا: کیا یہ شخص روزہ رکھتا تھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ ہاں! یا رسول اللہ روزہ تو رکھتا تھا۔ پھر میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سوال کیا: کہ یہ شخص زکوٰۃ ادا کرتا تھا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ زکوٰۃ بھی ادا کرتا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 72.................مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3 ص 124

2۔ تذکرۃ الموتی والقبور، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ بحوالہ شرح الصدور ص

والدین کا نافرمان تھا' اس سوال کے جواب میں عرض کیا گیا: ہاں! یارسول اللہ یہ اپنے والدین کا نافرمان تو تھا۔

اس وقت اس کی والدہ زندہ تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اس کی والدہ کو بلاؤ! اس کی والدہ آئی' جو ضعیف تھی اور اس کی ایک آنکھ ضائع شدہ تھی۔ اس بڑھیا کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنے بیٹے کی غلطیوں' خطاؤں کو معاف کرتی ہو۔ اس نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ' میں اس کے جرم کبھی معاف نہیں کرسکتی' کیونکہ اس نے مجھے ایک مرتبہ تھپڑ لگایا تھا جس سے میری آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ یہ بات سنتے ہی نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام ارشاد فرمایا کہ جلانے کی لکڑیاں لاکر ان کو آگ لگاؤ۔

آپ کے اس ارشاد گرامی کو سننے پر اس شخص کی والدہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس آگ کو کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اس کے عمل (یعنی جو اس نے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے) کی وجہ سے اسے جلا دوں۔ یہ سنتے ہی ماں کی محبت وشفقت جوش میں آگئی۔ ماں کہنے لگی: یارسول اللہ ﷺ میں نے معاف کردیا' میں نے معاف کر دیا۔ کیا میں نے آگ کے لئے اسے نو ماہ اپنے پیٹ میں اٹھایا تھا؟ کیا میں نے اسے آگ کے لئے دو سال دودھ پلایا تھا؟

سبحان اللہ! ماں جیسی شفقت کہاں سے ملے گی؟ عبرت پکڑتے ہوئے توجہ کریں' بار بار اس واقعہ کو پڑھیں' قہرِ خداوندی سے ڈریں۔ دیکھیں! ادھر ماں کا معاف کرنا ہی تھا۔ ادھر بیٹے کی زبان پر جاری ہوگیا: "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ"

نکتہ:

ماں رحیمہ ہے جس کو معمولی رحمت حاصل ہے اور بیٹے کی نافرمانی سے اسے ضرر بھی پہنچا لیکن اس قدر قلیل رحمت کی وجہ سے اس نے بیٹے کا جلنا پسند نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ جو رحمٰن ہے جس کو بے پناہ رحمت حاصل ہے۔ جس کی رحمت کا اندازہ لگانا بھی انسان کی وسعت سے بالاتر ہے اور اسی کے انعامات کے باوجود بندے اس کی نافرمانی کریں تو اس کا کوئی نقصان بھی نہیں وہ کیسے پسند فرمائے گا کہ وہ مومن جو کلمۂ شہادت پر ہمیشہ ایمان رکھتا رہا' اس کے مطابق عمل کرتا رہا' اس کو آگ میں ستر سال جلایا جائے۔ (1)

ملک الموت کا روح قبض کرنا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾
(سورۃ النازعات 3:29)

"قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں۔"

1۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی بحوالہ تفسیر نجوم الفرقان، ج1، ص266-267

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں: اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدت سے روحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ "اَلنَّزْعُ اَلْجَذْبُ بِالشِّدَّةِ" سختی سے کسی چیز کو کھینچنے کو نزع کہتے ہیں۔ جب اس پر غرقًا کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے: "اَیْ غَرْقًا فِی النَّزْعِ مِنْ اَقَاصِی الْاَجْسَادِ" (روح المعانی) "یعنی جسم کے اندر دور دراز حصوں میں ڈوب کر روح کو نکالنا۔"

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہیں کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی روح جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اس کو باہر کھینچ لاتے ہیں...... اَلنَّشْطُ اِخْرَاجٌ بِرِفْقٍ وَّ سُهُوْلَةٍ ......" کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں جیسے کوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کی روح کو قبض کرنے آتے ہیں۔ وہ روح پہلے ہی محبوب حقیقی کے وصال کے لئے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے کہ کب قفسِ جسم سے اس کو رہائی ملے۔ چنانچہ فرشتوں کو مومن کی روح قبض کرنے کے لئے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی زنجیروں کو توڑتی ہوئی باہر نکل آتی ہے۔ (1)

ملک الموت کا کافر اور مومن کے پاس مختلف صورتوں میں آنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرتبہ ملک الموت کو کہا: تم کبھی وہ صورت دکھاؤ جس صورت میں تم کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہو؟ ملک الموت نے کہا: یہ آپ کی طاقت سے باہر ہے لیکن آپ کے اصرار پر انہوں نے وہ صورت دکھانی شروع کی اور فرمایا کہ آپ اپنا منہ موڑ لیجئے! اب جو دیکھا تو ایک سیاہ شخص ہے، سر میں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، اس کے جسم سے تمام مساموں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ اس کے کانوں سے بھی آگ نکل رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہو گئی اب جو دیکھا تو آپ اپنی حالت میں موجود تھے۔ آپ علیہ السلام نے ملک الموت کو کہا کہ اگر کافر کو فقط تمہاری شکل ہی دیکھنے کی تکلیف دی جائے تو اس کے لئے یہی تکلیف کافی ہے اگر چہ اسے اور کوئی تکلیف و رنج نہ بھی ہو۔

پھر آپ نے فرمایا: وہ صورت دکھاؤ جس میں تم مومن کی روح نکالتے ہو؟ فرشتہ نے کہا: آپ ذرا منہ پھیر یئے! آپ نے منہ پھیرنے کے بعد جبھی دیکھا تو سامنے ایک حسین و جمیل نوجوان تھا، جس کا جسم مہک رہا تھا، کپڑے سفید تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ اگر مومن کو اور کوئی راحت نہ ہو صرف تمہارے دیدار کی راحت دے دی جائے تو اس کیلئے کافی ہے۔ (2)

1۔ ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ج2 ص355 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

2۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، ص82

مومنوں کو روح قبض کرتے وقت بشارت:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

(سورۃ فجر 14:30)

''اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں''

پہلے آپ یہ سمجھئے کہ ''نفسِ مطمئنہ'' کسے کہتے ہیں؟ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون وہ اطمینان نصیب ہو، اسے ''نفس مطمئنہ'' کہیں گے۔ لکھتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان سے صفات رذیلہ دور نہ ہو جائیں اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے بہرہ ور نہ ہو ان میں وہ فنا ہو جائے گا اور ان کیساتھ اس کو بقاء نصیب ہو اسی وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: گھبراہٹ اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے، اسے اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین، معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جائے اور یہ مقام ذکر الٰہی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے۔ [اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ] ''جب انسان اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو پھر اسے ''تمکین'' (قرار پکڑنا مطمئن ہونا۔ ایک جگہ قائم ہونا) سے نوازا جاتا ہے۔ اس لئے بعد اسے رد ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے نفسِ مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''النفس المطمئنة هي التي تنورت بنور القلب حتى تخلت عن صفاتها المذمومة وتخلت بالاخلا ق الحميدة''

یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نورِ قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

ایسے نفسِ مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا: واپس آجا! اپنے رب کے پاس۔ یعنی وہ مخصوص مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا، تو اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے سوز فراق میں تڑپتا رہا ہے۔ لے! اب فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔ دوریاں سمٹ رہی ہیں، پردے اٹھ رہے ہیں، اپنے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں سمیت حاضر ہو جا۔

اور کیسی شان سے آ؟ اس کا بیان ان دو کلمات میں فرمایا کہ ڈرتے ہوئے نہیں، گھبراتے ہوئے نہیں۔ اس خیال سے

پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لئے تو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی بھی ہوا یا نہیں۔ ان خدشات کو ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو۔ حریم ناز میں اس شان سے آؤ کہ تم بھی اپنے رب کریم پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔ کیا بات ہے!! کیا کرم ہے!! کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے: میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی مکر کارگر نہ ہوا، جو عمر بھر میرے بنے رہے اور میری خاطر سب جہان سے روٹھے رہے۔ میری بندگی کے بغیر جن کو اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ اے نفسِ مطمئن! تو بھی ان میں داخل ہو جا۔ اور میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لئے مخصوص ہے اس میں تشریف لے چل:

" فالدخول في الخواص هي السعادة الروحية والدخول معهم في الجنات و درجاتها هي السعادة البدنية " [1]

یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہوا: اک خاصانِ بارگاہ خداوندی کی رفاقت۔ یہ روحانی سعادت ہے۔ دوسرا ان کی معیت میں دخول، یہ بدنی سعادت ہے"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اسی روحانی سعادت کے بارے میں التجا کی تھی:

"فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ"

"اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہ یہی دعا مانگی تھی اسی وقت انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی لیکن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" هذا يقال لها عند الاحتضار وفي يوم القيامة ايضا "

" یعنی یہ خوشخبری دونوں وقت اسی طرح دی جائے گی۔ (مرتے وقت بھی اور حشر میں بھی)"

یہاں ایک روایت بھی سن لیجئے!

" قال عبد الله بن عمر رضي الله عنهما اذا توفي العبد المؤمن ارسل الله ملكين و ارسل له بتحفة من الجنة فقال لها اخرجي ايتها النفس المطمئنة الى روح و ريحان ورب عنك راض الى آخره"

" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن فوت ہونے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اس دار فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔"

1۔ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ ج 10 ص 515

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے' عرض کرنے لگے: [یا رسول الله ما احسن هذا] "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کتنی ہی اچھی بات ہے۔" [فقال اما انه سيقال لك هذا] "حضور نے فرمایا: اے ابوبکر! جب تم اس دُنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِكَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَائِكَ" "اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات جو تیری قضا پر راضی ہوا اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔" (1)

اللہ کا سلام سن کر مومن جان کا ہدیہ پیش کرتا ہے:

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو اس کے کان میں یہ کہتے [السلام يقرئك السلام] "السلام" اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے، وہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا سلام اس مومن کو پہنچاتا ہے کہ السلام تجھے سلام کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میری دعوت کو قبول کرو، میں تمہارا مشتاق ہوں۔ جنتیں اور جنتی حوریں بڑے اشتیاق اور بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

مومن جب سلام و بشارت کو سنتا ہے تو کہتا ہے: میں بشارت دینے والے کو ہدیہ و نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مومن انسان یہ جانتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے۔ فرشتوں کو کھانے' پینے کی اشیاء کی ضرورت نہیں۔ مال متاع کی طرف ان کی نظر نہیں اس لئے وہ مومن کہتا ہے کہ میں ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس سوائے میری روح کے کوئی اور ایسا ہدیہ نہیں، جو عزیز ہو یعنی تمہارے پاس ہدیہ پیش کرنے کے لائق بھی ہو اس لئے اپنے ہدیہ کے لئے میری روح کو ہی قبض کر لو۔ (2)

اللہ تعالیٰ مومن کو شیطان کے آخری مکروفریب سے محفوظ رکھتا ہے:

اس بات کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے' پھر یہ کہ انسان کو بوقت موت شیطان کیسے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا" یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو

شیطان تمہاری خیر خواہی کے ہزار دعوے کرے وہ تم سے دوستی کے عہد و پیمان کرتے ہوئے کتنی سخت قسمیں کھائے۔

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری ج5 ص562 2۔ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ ج10' ص210

لیکن وہ جھوٹا ہے، وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ تمہاری وجہ سے جو چوٹ اس کو لگی ہے، اس کی ٹیسیں کم نہیں ہوئیں۔ تم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آجاتے ہو، وہ تو ہر لحہ ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ فرصت ملے تو تمہیں ایسی لڑھکتی دے کہ تم اپنے بلند مقام سے منہ کے بل خاک مذلت پر پٹاخ سے آگرو۔ اور وہ زور زور سے قہقہہ لگائے اور تمہارا مذاق اڑائے۔

نادان نہ بنو!! ایسے خطرناک دشمن سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ جب وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو، تب ہی تم اس کے فریب سے بچ سکو گے، سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے۔ اس لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ (اس سے پہلی) آیت میں غرور سے مراد شیطان ہے۔ بے شک شیطان دھوکہ بازی کے فن میں بے نظیر ہے۔ وہ ہر شخص کو ایک قسم کے دام فریب میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتا وہ ہر شخص کی نفسیات کو جانتا ہے وہ انسان کے کمزور پہلوؤں سے خوب واقف ہے اور ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے کمزور پہلو سے ہوا کرتا ہے۔ عقل کے پجاریوں کو وہ ایسے چکر دیتا ہے کہ وہ کبھی تو خدا کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں کبھی اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور کبھی اس کائنات کے کارخانہ سے اس کو لاتعلق قرار دیتے ہیں اور کبھی نزول وحی اور وقوع قیامت کو عقل کے منافی ثابت کرتے ہیں۔

اور جو لوگ علم و عقل سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے، انہیں کبھی دولت کا لالچ دے کر، کبھی اقتدار کے سہانے خواب دکھا کر، کبھی شہرت دوام کے چکر میں اسیر کر کے ان سے ایسی خسیس سفاکانہ اور مروّت سے گری ہوئی حرکتیں کراتا ہے کہ اسے دیکھنے والے بھنّا کر رہ جاتے ہیں اور جو خدا پر اور قیامت پر ایمان محکم رکھتے ہیں۔ ان کی شمع ایمان اگر بجا نہیں سکتا تو ان کے کانوں میں چپکے سے یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ تیرا رب غفور رحیم ہے، بے شک نماز نہ پڑھو، بیشک داد عیش دیتے رہو، اس کی مغفرت کے سامنے تیرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے؟

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے کہ اس جملہ کی بہترین تشریح حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمائی:

"قال الغرور بالله ان یعمل بالمعاصی ثم یتمنی علی الله تعالی الی المغفرة"	یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غرور کا مطلب یہ ہے کہ انسان دھڑا دھڑ گناہ کرتا رہے اور تمنا یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔

شیطان اپنی دھوکہ بازی کا آخری وار بھی مومن پر کرنے سے باز نہیں رہتا' بلکہ آخری پنجہ آزمائی کر کے منہ کی کھا کر ذلت سے لوٹتا ہے کیونکہ مومن اس وقت اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم کی آغوش میں ہوتا ہے۔ [1]

موت کے وقت شیطان کا دھوکہ:

انسان کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے انسان پر پیاس کا اتنی شدت سے غلبہ ہوتا ہے کہ انسان کی یہ خواہش ہوتی

1۔ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 142 مع تقدیم و تاخیر

ہے اور کہتا ہے کہ کاش مجھے تمام دریاؤں کے پانی مل جائیں تو میں پی جاؤں۔ ایسے حال میں شیطان اپنے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پانی کا پیالہ میں تجھے دیتا ہوں صرف تو ایک لمحہ کے لئے خدا کا منکر ہو جا۔ لیکن پختہ ایمان والا مومن اسے کہتا ہے کہ اے شیطان مردود یہاں سے بھاگ جا' مجھے تیرے پانی کی ضرورت نہیں۔ شیطان یہ جھڑکی سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مومن پر کیا ہوا شیطان کا آخری وار بھی خطا ہو جاتا ہے:

ایک بزرگ کا شیطان کے دھوکہ سے محفوظ رہنے پر مطلع کرنا:

حضرت ابوزکریا زاہد رحمۃ اللہ علیہ پر نزع کی حالت میں سکرات موت کے وقت ان کے ایک دوست نے آپ کے پاس آکر آپ کو کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی تلقین کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ جب دوسری مرتبہ پھر تلقین کی تو آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ جب تیسری مرتبہ تلقین کی تو آپ نے کہا: "میں نہیں کہتا۔

دوست کو یہ کلمہ شاق گذرا' اس ظاہری حالت پر بہت پریشان تھا۔ وہ بزرگ تھوڑی دیر کے لئے ہوش میں آئے تو پوچھا کہ تم مجھے کوئی بات کہہ رہے تھے؟ حاضرین نے کہا: ہم نے آپ پر تین مرتبہ کلمہ شریف پیش کیا' لیکن آپ نے پہلے دو مرتبہ منہ پھیر لیا اور تیسری مرتبہ کہا: میں نہیں کہتا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: مجھے آپ کے کلمہ شریف پیش کرنے کے متعلق تو علم نہیں۔ البتہ منہ پھیرنے یا انکار کرنے کا واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس شیطان آیا تھا اور پانی کا پیالہ لے کر میری دائیں جانب آیا اور پانی کو حرکت دے کر مجھے کہنے لگا: کیا تجھے پانی کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: صرف اتنا کہہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے' تو میں تجھے پانی پلا دوں گا' تو میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ دوسری مرتبہ وہ میرے پاؤں کی طرف آ گیا اور کہنا لگا کہ پانی کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پھر کہا: صرف اتنا کہہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے تو میں تمہیں پانی دے دوں گا، میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے تیسری مرتبہ کہا: صرف اتنا کہہ دو کہ خدا کوئی نہیں۔ میں نے اسے کہا: میں نہیں کہتا۔ تو یہ سن کر اس نے پیالہ توڑ دیا' اور پشت پھیر کر بھاگ گیا۔

یہ میرا منہ پھیرنا اور یہ کہنا کہ میں نہیں کہتا، شیطان لعین سے تھا' نہ کہ تم سے۔ پھر انہوں نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی جان آفرین (جان کا پیدا کرنے والا) کے سپرد کر دی۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنتے ہی جان پیش کی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرشتوں نے کہا: اے اللہ تیرے بندے ابراہیم علیہ السلام کو موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ جب دوستوں کو ملے ہوئے زائد عرصہ ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے کی ملاقات کے مشتاق ہو جاتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے بارگاہ قدوس میں عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں تیری

1۔ دقائق الاخبار، ص 9-10

ملاقات کا مشتاق ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک پھول بھیجا، آپ نے وہ سونگھا اور سونگھتے ہی روح قبض ہوگئی۔ ❶

حضرت ادریس علیہ السلام اور ملک الموت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک فرشتے نے اجازت چاہی کہ وہ ادریس علیہ السلام کے پاس جائے۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا۔ کہ آپ کا ملک الموت سے بھی کوئی تعلق ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! وہ میرے بھائی ہیں (کیونکہ ہم دونوں فرشتے ہیں) ادریس علیہ السلام نے پوچھا: کیا مجھے ان سے کوئی فائدہ پہنچوا سکتے ہو؟ فرشتے نے کہا: کہ اگر آپ چاہیں کہ موت آگے پیچھے ہو جائے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ میں ان سے کہوں گا کہ موت کے وقت آپ پر نرمی کریں۔

چنانچہ فرشتہ نے ادریس علیہ السلام کو اپنے بازوؤں پر بٹھایا اور آسمان پر پہنچا۔ یہاں ملک الموت سے ملاقات ہوئی فرشتے نے کہا مجھے آپ سے کام ہے۔ ملک الموت نے کہا مجھے آپ کا مقصد معلوم ہے اب ان کی زندگی کا آدھا لمحہ باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ ادریس علیہ السلام فرشتے کے بازوؤں میں انتقال کر گئے۔ ❷

عزرائیل علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت مند انسان تھے۔ جب آپ گھر سے نکلتے تو دروازوں کو تالے لگا دیتے تاکہ کوئی گھر نہ جائے۔ ایک دن واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر میں ایک شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا، کوئی میرے لئے حجاب نہیں داؤد علیہ السلام نے کہا: بخدا (قسم ہے خدا کی) تم تو ملک الموت (موت دینے والا فرشتہ) معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ نے کمبل اوڑھا اور آپ کی روح قبض ہوگئی۔ ❸

بوقت موت نیک و بد کی علامات:

موت کے وقت بعض ایسی علامت پائی جاتی ہیں جن سے انسان کا پتہ چلتا ہے یہ نیک ہے یا بد۔ ان علامات پر حدیث پاک شاہد ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ مرنے والے میں تین علامتیں دیکھو۔ اگر اس کی پیشانی پر پسینہ آئے، آنکھوں میں آنسو آئیں اور نتھنے پھیل جائیں، تو یہ اللہ کی رحمت

1۔ کتاب الشدائد بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 86

2۔ تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، پارہ 16 ص 275 قدیمی کتب خانہ

3۔ مسند احمد بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 86

ہے۔ اور اگر وہ اس طرح آواز نکالے جس طرح نوجوان اونٹ جس کا گلا گھونٹا گیا ہو۔ رنگ پھیکا پڑ جائے اور جاگ ڈالنے لگ جائے تو یہ اللہ کے عذاب نازل ہونے کی علامات ہیں۔ [1]

علامات کی وضاحت:

(1) موت کے وقت مومن کی پیشانی پر پسینہ آنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مومن کو بوجہ شدت موت کے پسینہ آجاتا ہے جو اس کی پیشانی پر نمودار ہوتا ہے اس کی وجہ سے اسے گناہوں سے آزادی ملتی ہے اور اس کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پسینہ آنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے دنیا میں مشقت برداشت کر کے پسینہ پسینہ ہو کر رزق حلال حاصل کیا اور اپنے نفس کو تنگی میں ڈال کر پسینہ پسینہ ہو کر نمازیں ادا کیں اور روزے رکھے۔ یہی کام اللہ کو پسند ہیں اور اس کی مقبولیت کی علامات ہیں۔ جن سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حضور نیک اعمال لے کر جا رہا ہے۔

(2) آنکھوں میں آنسو آنا اس پر دلیل ہے کہ یہ شخص جب دنیا میں عبادات کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس کے آنسو بہتے تھے۔

خیال رہے کہ آدم علیہ السلام توبہ کی قبولیت سے پہلے اتنا زیادہ روئے کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان پر رونا آگیا اور انہوں نے بھی بارگاہِ الٰہی میں آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی' تب رحمتِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یاد دلایا اور اس نام گرامی کے طفیل توبہ قبول فرمائی۔

پانچ آدمی بہت روئے ہیں: ایک تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوسرے حضرت یعقوب علیہ السلام جو یوسف علیہ السلام کے فراق میں بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی چلی گئی۔ تیسرے حضرت یحییٰ علیہ السلام خوفِ الٰہی سے بہت زیادہ روئے۔ چوتھے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد بہت زیادہ روئیں، یہاں تک کہ آپ خود اپنی اس پریشانی کی حالت کو اپنے ہی الفاظ سے اس طرح بیان فرماتی ہیں:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا ۔۔۔ صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

مجھ پر اتنی مصیبتیں آگئیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر آئیں تو دن بھی راتیں بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا مشاہدہ نہ کرنا یقیناً سیاہ راتوں سے آپ کے لئے کچھ کم نہ تھا۔ پانچویں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جیسا صابر کہاں ملے گا؟ جن کے سامنے بھائی بچے باپ اور کتنے ہی اقرباء واحباب شہید ہوئے ہوں لیکن آپ نے بغیر

1۔ نوادر الاصول، مستدرک حاکم بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 61

جزع وفزع کے' اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت اور رونے میں مصروفیت رکھی۔ ❶

خیال رہے کہ یہاں تک بحث کہ پانچ حضرات زیادہ روئے، تفسیر نعیمی (پ ۱) سے اخذ کی گئی ہے لیکن راقم کے نزدیک حضرت مفسر قرآن مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ سے سہو واقع ہوا ہے ورنہ چھٹی ہستی جن سے اللہ تعالیٰ کے خوف اور امت کے غم میں رونا ثابت ہے۔ وہ سید الانبیاء افضل الکائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حدیث شریف ہے کہ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: [اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل] ''کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز ادا فرما رہے تھے، آپ کے رونے کی وجہ سے اس طرح آواز آ رہی تھی جیسے دیگ یا ہنڈیا سے جوش مارتے وقت آواز آتی ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: [قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایۃ من القرآن لیلۃ] ''آپ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات کھڑے ہو کر ایک آیت کریمہ کی تلاوت کرتے رہے۔''

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو آیت آپ تلاوت فرما رہے تھے، وہ یہ ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ (سورۃ مائدہ ۵:۶) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو ہی غالب حکمت والا۔ (کنز الایمان)

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور عرض کیا تھا کہ اے مالک الملک: اگر تو ان بندوں کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت فرما تو عزیز و حکیم ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی کیوں تلاوت فرماتے رہے۔ اس لئے کہ آپ کی وہ امت جس نے ایمان قبول کیا اس کی مغفرت، رحمت اور امت سے عذاب کو اٹھا لینے کی دعاء کرنے کی غرض سے آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے رہے۔ بار بار اس لئے تلاوت کرتے رہے کہ آپ اس کے معنی میں تفکر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار، اس کی عزت کے اسرار اور اس کی حکمت کے انوار میں غور و فکر فرماتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے اور ساری ساری رات عبادت میں گذارنے کی وجہ دوسری حدیث شریف میں دیکھی جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

وثمرۃ فؤادی فی ذکرہ و ھمی لاجل امتی و شوقی الی ربی عزوجل'' ''میرے دل کی معرفت کا نتیجہ اللہ کے ذکر میں ہے' مجھے ہر وقت جو غم لاحق ہے وہ میری امت کا غم ہے اور میرے اعلیٰ

1۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 1، ص 266 مکتبہ اسلامیہ لاہور

مراتب میں میرا شوق میرے رب کی طرف ہے" (شفا شریف، جلد اول فصل فی خوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور امت کے غم کی وجہ سے جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روئے اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے یہ کہنا چاہیے کہ جو شخص اس دنیا میں بہت زیادہ روئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے غم میں رونا اور امت کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہنا کہ "اللہ میری امت کو جہنم کی آگ سے بچا، اس کی بھڑکتی ہوئی آگ اور شدید حرارت سے میری امت کو محفوظ رکھ۔ اس مفہوم کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں:

اللہ رے کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا

رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

مومن کی بوقت موت تیسری علامت' نتھنے پھیل جانا:

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خشیت وخوف کی وجہ سے اور رونے کی وجہ سے ناک سے سانس کی آواز نکلنے کی وجہ سے اس کی نتھنے پھولتے تھے، وہی صورت موت کے وقت بھی ہو گئی۔

کافر کی تینوں علامتیں (یعنی آواز نکالنا جیسے اونٹ کا گلا دبا دیا جائے تو آواز نکالتا ہے، رنگ پھیکا پڑ جاتا اور منہ سے جھاگ نکالنا) عزرائیل کی خوفناک شکل کو دیکھ کر اس کے رعب اور ڈر کی وجہ سے ہوں گی۔

نیک روحوں کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا:

طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت مسلمانوں کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو جنت میں رہتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے دوست کو فرصت دو تا کہ یہ آرام کرنے کیونکہ وہ بڑی شدت ورنج میں ہوتا ہے۔ پھر پوچھتے ہیں: فلاں شخص کیا کرتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ شخص تو مجھ سے پہلے فوت ہو چکا ہے۔ تو وہ افسوس کرتے ہیں۔ اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے یقینی طور پر واضح ہو گیا کہ وہ دوزخ میں لے جایا گیا ہے یعنی اگر وہ جنتی ہوتا ہمارے ساتھ اس کی ملاقات ضرور ہوتی۔ جب اس کی ملاقات نہیں ہوئی تو اس سے یقینی طور واضح ہو گیا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ ●

ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی شخص کا بیٹا پہلے فوت ہو چکا ہو تو جب اس کے باپ کی روح جاتی ہے تو بیٹے کی روح اس کا استقبال کرتی ہے۔ جیسے کہ غائب شخص کے آنے پر اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ ●

1۔ تذکرۃ الموتی والقبور بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، ص 131

2۔ تذکرۃ الموتی والقبور بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، ص 101

اہل علم کا فوت ہونے والوں کے ذریعے فوت شدہ کی طرف سلام بھیجنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا کہ جو شخص اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے، اس سے ان حضرات کی ملاقات ہوگی جو اس دنیا سے پہلے رخصت ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے فوت ہونے والے کی خدمت میں عرض کیا جاتا کہ ہمارا اسلام فلاں ہستی کو پہنچانا۔ اس مسئلہ کا دارومدار ہی روحوں کے ملنے پر ہے۔

حضرت محمد بن منکدر (جو بہت بڑے مشہور تابعین سے ہیں، بہت بڑے عالم، زاہد اور عابد ہیں) سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

" دخلت علی جابر بن عبد اللہ وھو یموت فقلت اقرأ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام "

(روہ ابن ماجہ مشکوۃ باب یقال عند من حضرہ الموت ص 143)

" کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما (دونوں باپ بیٹا جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں) کے پاس ان کی وفات کے وقت حاضر ہوا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میرا اسلام پیش کرنا۔

یعنی مقصد یہ تھا کہ تم اب دنیا سے تشریف لے جا رہے ہو۔ تمہاری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگی، ملاقات ہونے پر آپ کی خدمتِ عالیہ میرا اسلام پیش کرنا۔

اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالدہ بنت عبد اللہ بن انیس سے حدیث بیان فرمائی:

" قالت جاءت ام انیس بنت ابی قتادۃ بعد موت ابیھا بنصف شھر الی عبد اللہ بن انیس وھو مریض فقالت یا عم اقرأ ابی السلام "

(مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص32)

" حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ام انیس بنت ابی قتادہ اپنے باپ کی وفات کے پندرہ دنوں بعد حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتی ہیں جب کہ وہ مرض الموت میں تھے، تو انہوں نے کہا: اے چچا جی! میرا اسلام میرے باپ کی خدمت میں پیش کرنا۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا موت پر خوش ہونا:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وفات کا وقت قریب ہوا تھا تو آپ کی زوجہ نے آپ کو قریب الموت دیکھ کر پیشانی کے عالم میں کہا" و احزناہ "کتنا ہی افسوس ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا:" وا طرباہ القی غدا الاحبۃ محمدا وصحبہ "کتنی ہی خوشی کا مقام ہے کہ میں دنیا سے جا رہا ہوں کل اپنے مہربانوں، احباب

ملاقات ہوگی یعنی حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات ہوگی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی اپنی موت پر خوش ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ روحوں کی ملاقات ہوتی ہے تو میری ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ہوگی' یہ میرے لئے کتنی خوشی کا مقام ہوگا۔ (1)

کروں تیرے نام پہ جان فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ایک عورت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ملاقات پر جان قربان کرنا:

ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرانور سے پردہ اٹھا کر بلاحجاب دکھادو۔اس نے جبھی آپ کے مزار پرانوار کو بلاحجاب دیکھا تو رونے لگی۔روتے روتے آپ پر جان قربان کردی۔

اس کے رونے کی وجہ کو ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: [حتی ماتت ای حزنا علی فراقه او شوقا الی لقائه] "وہ عورت وہاں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم اور آپ کے ساتھ ملاقات کرنے کے شوق میں فوت ہوگئی۔سبحان اللہ!! محبت کا عالم کیا ہی تھا۔ (2)

ایک عورت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی شاندار الفاظ میں تمنا:

حضرت زید ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات کو رعایا کے حقوق کی حفاظت اوران کے احوال کی خبر گیری کے لئے نکلے تو آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھا اور اندازہ ہوا کہ گھر میں ایک عورت صوف دھننے کا کام کررہی ہے،ساتھ یہ کہہ رہی ہے:

علی محمد صلوة الابرار — صلی علیه الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکاء بالاسحار — یا لیت شعری والمنایا اطوار
هل تجمعنی و حبیبی الدار — تعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم المختار

1۔ شفاء شریف،قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ،باب علامات المحبۃ،جلد 2،ص 45
2۔ وفاء شریف جلد 2 باب علامات المحبۃ،ص 391

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نیک لوگوں کی صلوٰت اور آپ پر نیک بزرگ لوگوں کے درود پاک ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بہت زیادہ قیام کرنے والے تھے اور سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور امت کے غم میں بہت زیادہ رونے والے ہیں۔ میرا علم و شعور ہمہ وقت آپ کی تمنا میں ہی رہتا ہے۔ کیا کبھی موت آئے گی جو مجھے اور میرے حبیب پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دار میں جمع کر دے۔ یعنی کاش کہ موت آجائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کیلئے مشتاق ہونا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میرے جنازہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے سامنے رکھ کر عرض کرنا:

"یہ ابوبکر ہے جو آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو پھر مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔"

آپ کے وصال کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کے سامنے رکھ کر یہی عرض پیش کر دی گئی۔ وہاں سے ہمیں ایک آواز آئی بظاہر کلام کرنے والا کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا لیکن آواز آئی کہ اعزاز و اکرم کے ساتھ اندر لے آو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اپنے سرھانے بٹھا کر کہا کہ جن ہاتھوں سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا ہے، ان ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا' اور مجھے اس حجرہ کے قریب لے جانا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائیں یعنی جہاں آپ کی قبر مبارک ہے۔ پھر اجازت طلب کرنا' اگر اجازت مانگنے پر حجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان بقیع میں دفن کر دینا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنازے کی تیاری کے بعد سب سے پہلے آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ابوبکر ہیں جو آپ کے پاس دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں۔ تو میں نے دیکھا ایک دم حجرے کا دروازہ کھل گیا اور ایک آواز آئی: [ضموا الحبیب الی الحبیب] "دوست کو دوست کے ساتھ ملا دو"[1]

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشتاق تھے کہ آپ کو میرے پاس پہنچا دو کیونکہ میں آپ کا شدت سے منتظر ہوں۔ ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ سے ملاقات کے انوار سے مستفیض ہونا چاہتے تھے۔

1۔ خصائص الکبریٰ، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج 2، ص 439

کافروں کی موت کیسے واقع ہوتی ہے؟

کافروں کی موت اور روح کو نکالتے وقت ان کے اعمال کی جزاء کے طور پر ان کو دی جانے والی سزا ملاحظہ کریں اور عبرت پکڑیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا شدید ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾
(سورۃ الانفال 10:2)

"اور کبھی تو دیکھے فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں ان کے منہ پر ان کی پیٹھ پر مار رہے ہیں اور (کہہ رہے ہیں) آگ کا عذاب چکھو۔ یہ بدلا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"

یعنی فرشتوں کا کافروں کی جان نکالتے وقت ان کے چہروں اور پیٹھوں کو مارنا معاذ اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم بلکہ یہ ان کے اپنے اعمال نتیجہ ہے اور ان کے اعمال کی ان کو جزاء مل رہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب موت کے فرشتے برے شخص یعنی کافر کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں:

"اخرجی ایتھا النفس الخبیثۃ اخرجی ذمیمۃ وابشری بحمیم وغساق وآخر من شکلہ ازواج"
(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف، ج 1 ص 141)

"اے خبیث روح نکل جا تو خبیث جسم میں تھی بڑے برے طریقے سے ذلیل ہو کر نکل تجھے گرم کھولتے ہوئے پانی کی بشارت ہو۔ جہنمیوں کی پیپ کی اور اس طرح کے مختلف عذابوں کی"

موت کے فرشتے بڑی درشتی سے ناپاک روح کو نکلنے کا حکم دیں گے۔ ساتھ ہی اسے قیامت میں شدید عذابات کے اندر مبتلا ہونے کی بشارت بھی دیں گے۔ شدید گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ ایک دوسرے کو پلائی جائے گی۔ وہ اس طرح کی بدبودار ہوگی کہ اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈالا جائے تو مغرب والے اس کی بدبو کو محسوس کریں۔

عزرائیل علیہ السلام اس روح کو ایسے کھینچتے ہیں جس طرح گرم سیخ گیلی پشم سے کھینچتے ہیں۔ ملک الموت جب روح کو قبض کرتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس ناپاک بدبودار روح کو ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمان پر لے جائیں گے تو دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس طرح اس کی توہین و تذلیل ہوگی کیونکہ ملائکہ جب اس روح کو لے جائیں گے اور آسمان پر پہنچیں گے اس کے لئے دروازہ کھولنے کی درخواست کریں گے تو پوچھا جائے گا: یہ کون شخص ہے؟ یہ بتائیں گے کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح تو

جواب ملے گا: یہ ناپاک جسم کی ناپاک روح کا یہاں آنا اچھا نہیں۔ ہم اس کو خوش آمدید نہیں کہتے۔ روح کو براہِ راست خطاب ہو گا: اے بری روح! آج تیرے لئے دروازے نہیں کھولے جاسکتے۔ آسمان سے واپس چلی جا اور قبر میں پہنچ جا اس طرح یہ اسفل السافلین میں قید رہے گی۔

بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ زمین وآسمان کے ملکوت میں سیر کرے گی۔ جہاں سے چاہے جنت کے پھل حاصل کرے گی۔ عرش کے نیچے قندیلوں (لالٹینوں)..................جن کی حقیقی کیفیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے..................کے ساتھ قرار پکڑے گی:

" ولها تعلق بجسده ايضا تعلقا كليا بحيث يقرأ القرآن في قبره و يصلي ويتنعم وينام كنوم العروس و ينظر الى منازله في الجنة بحسب مقامه ومرتبته فامر الروح احوال البرزخ و الاخرة كلها على خوارق العادات فلا يشكل شيء عنها على المؤمن بالايات"

(مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ باب مایقال عند من حضرہ الموت، ج4، ص20)

" مومن کی روح کا جسم سے تعلق کامل طور پر قائم رہتا ہے یہاں تک کہ وہ انسان اپنی قبر میں قرآن پڑھتا ہے۔ نعمتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں، دلہن کی طرح آرام سے وہ سوتا ہے وہ جنت میں اپنے مرتبہ ومقام کے مطابق منازل و مدارج کو دیکھتا ہے۔ روح کے معاملات، برزخی حالات تمام کے عادت کے خلاف ہوتے ہیں لیکن مومن کے لئے ان کو سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں اس لئے اس پر کئی علامات شاہد ہیں۔"

کافر کی روح کو سختی سے نکالنا:

ابو یعلی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کافر کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کو حکم دیتا ہے کہ میرے دشمن کی طرف جاؤ اور اس کو اس میرے پاس لاؤ۔ میں نے دنیا میں اس کو وسیع رزق عطا کیا ہوا تھا اور اپنی نعمتوں سے اس کو راحت عطا کر کے سرفراز کیا ہوا تھا لیکن اس نے سوائے نافرمانی کے اور کچھ نہ کیا۔ تو اس کو لے آ! تاکہ میں اس سے انتقام لوں۔ تو ملک الموت اس کے پاس بہت بری شکل میں جاتے ہیں کہ اس نے اس سے پہلے اتنی بری شکل کبھی نہ دیکھی تھی اور اس کے ساتھ کثیر تعداد میں اور فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس آگ کا دھواں اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں اور خود ملک الموت کے پاس سیخ ہوتی ہے جو آگ کی طرح گرم، خاردار اور کھردری ہوتی ہے۔ اسے ملک الموت سیخ اس طرح مارتا ہے کہ اس کا ہر ایک کانٹا اس کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے پھر اس کو بڑے زوردار طریقے سے کھینچتا ہے جس کے درد والم سے وہ اللہ کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے اور دوسرے فرشتے اس کے منہ اور پیٹھ پر کوڑے مارتے ہیں۔ پھر اس کی روح کو اس کی کمر تک کھینچتا ہے پھر اس کے سینہ تک اور پھر حلق تک پھر وہ فرشتے دوزخ کی آگ اور دھواں اس کی ٹھوڑی کی نیچے پہنچاتے ہیں اور پھر ملک الموت کہتا ہے:

"اخرجی ایتها النفس اللعینة الملعونة الی سموم و حمیم و ظل من یحموم لا بارد ولا کریم" ❶ "اے ملعون روح! نکل آ، گرم پانی کی طرف اور دھوئیں کے سایہ کی طرف، جو نہ ٹھنڈا ہے اور نہ ہی نفع مند۔"

جب ملک الموت روح قبض کرتے ہیں تو روح، جسم سے کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے سزا دے تو گناہوں کی طرف جلدی کرنے والا تھا اور نیکیوں کی طرف دیر کرتا تھا۔ تو خود تو ہلاک ہو گیا لیکن مجھے بھی تو نے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ جسم بھی یہی فریاد روح سے کر رہا ہوگا۔ غرضیکہ جسم روح کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہوگا اور روح جسم کو۔ وہ خبیث زمین کے جس حصہ میں گناہ کرتا تھا وہ زمین کا حصہ اس پر لعنت کرتا ہے اور ابلیس کا لشکر ابلیس کو خوش خبری دیتا ہے کہ ہم نے اس کو دوزخ میں گرا دیا ہے۔ ❷

کافر کیلئے "موت" عذاب اور مومن کے لئے راحت ہے:

"الدنیا سجن المؤمن و جنة للکافر" ❸ "دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مؤمن موت کو اپنے لئے راحت سمجھتا ہے کہ اسے قید خانہ سے آزادی مل رہی ہے۔ وہ اس طرح خوشی سے جاتا ہے جیسے جیل سے کسی کو رہائی مل جائے یا کسی شخص کی سزائے موت کو ختم کر دیا جائے۔ وہ ہنستا ہوا اس طرح جاتا ہے جس طرح کوئی دوست، دوست کو ملنے جاتا ہے لیکن کافر کے لئے تو دنیا ہی جنت ہے۔ آخرت میں تو اس کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لئے اس کے لئے موت تو ایسے ہے جیسے کسی کو قید کیا جا رہا ہو۔ پھانسی کے تختہ کی طرف لے جایا جا رہا ہو کیونکہ جس طرح جبراً کسی کو جلاء وطن کیا جائے تو جو حال اس کا ہوتا ہے وہ حال کافر کا موت کے وقت ہوتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی شاہد ہے:

"من اراد لقاء الله اراد الله لقاءه ومن کره لقاء الله کره الله لقاءه" "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند رکھتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔"

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمۃ اللہ ج1 ص141)

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے موت پر خوش ہوتا ہے کافر جب رب تعالیٰ کو ملنا ہی پسند نہیں کرتا تو موت کو بھی اپنے لئے عذاب سمجھتا ہے۔

غمرات موت:

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، ص98
2۔ تذکرۃ الموتیٰ والقبور، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ بحوالہ شرح الصدور، ص98
3۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمۃ اللہ ج1 ص141

ارشادِ خداوندی ہے:

" وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ...."
(سورہ الانعام 17:7)

"اور اگر تم اس وقت کو دیکھتے جب ظالم لوگ سختیوں میں موت کی ہونگے اور فرشتے پھیلائے ہوں گے ہاتھ اپنے (کہیں گے) اپنی جانیں نکالو۔"

جہاں تک موت کے وقت تکلیف کا تعلق ہے وہ تو ہر مرنے والے شخص کو حاصل ہوتی ہیں لیکن کافروں پر شدت ہو گی ان کو ذلت ورسوائی بھی حاصل ہوگی۔ مؤمنوں کو صرف ظاہری تکالیف ہوں گی لیکن تعظیم وتکریم سے ان کی روحوں کو نکالا جائے گا۔ جس طرح کسی کا آپریشن کیا جائے وہ شخص اس تکلیف کو بعد میں حاصل ہونیوالی راحت کی بوجہ کچھ محسوس نہیں کرتا ہے۔ شہادت کے حصول کی خوشی میں جنگ میں حاصل ہونے والے زخموں کو مومن خاطر میں نہیں لاتا ہے یہی حال مومن کی موت کا ہے۔ باوجود موت کی تکالیف کے اسے کوئی شدت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اس کے سامنے عظیم مقصد دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔

غمرۃ: کسی چیز کی کثرت اور عظمت کو کہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں جو کافروں کی موت کے ذکر میں "غمراتِ موت" کا تذکرہ ہے، اس سے مراد موت کی شدتیں اور بوقتِ موت کفار کی ذلت مراد ہے:

" قال ابن عباس ملائکۃ العذاب باسطوا ایدیھم یضربونھم و یعذبونھم "

"کفار کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں گے ان کو مار رہے ہوں گے اور ان کو عذاب دے رہے ہوں گے۔"

جس طرح کسی شخص نے کسی سے قرض لینا ہوتو وہ اسے گریبان سے پکڑ کر شدت سے جھنجھوڑ کر نہایت کرخت انداز میں اس کو ذلیل کرتے ہوئے اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ یہی حال فرشتے کفار سے کریں گے، ان کو ذلیل کرتے ہوئے مارتے ہوئے عذاب دیتے ہوئے کہیں گے اور محاورہ کے مطابق جس طرح کسی سے کوئی چیز سختی سے اس کو ذلیل کرتے ہوئے چھین لی جائے اور کہا جائے۔ "ادھر دو مجھے" بس یہی حال کفار کا ہوگا۔ فرشتے سختی سے جان نکالتے وقت کہیں گے ادھر اپنی جان ہمارے حوالے کرو۔

سکراتِ موت اور کراماً کاتبین:

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾

"جب (اس کے اعمال کو) لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس

ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے اور آ پہنچتی موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان) یہ ہے جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا۔" (سورۃ ق 16:26)

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے جمیع احوال سے خود بخود آگاہ ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کے پیشِ نظر اس کے لئے دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے دائیں جانب بیٹھا رہتا ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ عبارت میں ذرا غور فرمایئے "عن الیمین" اور "عن الشمال" جار مجرور ہیں اور "قعید" کے ساتھ متعلق ہیں۔ قعید متلقیان کا بدل ہے۔ (معنوی لحاظ سے) اصل عبارت یوں ہوئی "عن الیمین قعید و عن الشمال قعید"۔ لیکن آخری قعید پر اکتفاء کیا گیا اور عن الیمین کے ساتھ صراحتاً قعید کی ضرورت نہ رہی۔ یعنی انسان جس وقت بھی کوئی لفظ بولتا ہے وہ دونوں فرشتے فوراً اسے لکھ لیتے ہیں۔ رقیب "نگہداشت کرنے والا" عتید الحاضر المهيا۔ یعنی جو ہر وقت حاضر و مستعد ہو۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی کوئی بات اور اس کی کوئی حرکت ایسی نہیں جس پر وہ فرشتے مطلع نہ ہوں۔ اس سے جس قسم کا فعل جس وقت صادر ہوتا ہے وہ فرشتے اسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے روز جب انسان پرسشِ اعمال کے لئے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا تو سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ اس شخص کے دفاترِ اعمال کو بطور دستاویز ثبوت پیش کیا جائے گا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اختراع نے ثابت کر دیا کہ انسان کی آواز کو ہو بہو مقید کرنے کے لئے قدرت نے ہر جگہ ٹیپ لگائے ہیں جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ انسان ہو بہو اس کی آواز بعینہٖ اسکی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرا دے گا اور اس میں انکار کی ہمت نہ ہوگی۔ یہاں تک اس علم تک انسان کی رسائی ہو چکی ہے، لیکن فرشتے ہماری زندگی کے ڈرامہ کو جس خوبی اور دقت سے محفوظ کر رہے ہیں، اس کا اندازہ کرنا اس دنیا میں ہمارے لئے بہت مشکل ہے البتہ سائنس کے ان انکشافات کے "عقل حیلہ جُو" کو انکار کی ہمت نہیں رہی۔

موت کی سختی اور شدت کو "سکرۃ الموت" کہتے ہیں یعنی جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے، اس پر جان کنی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اس وقت حقیقت حال عیاں ہو جاتی ہے جو لوگ آج تک انکار اور نافرمانی کی روش پر گامزن رہے تھے وہ اپنی آنکھوں سے آنے والے جہان کا مشاہدہ کرنے لگتے ہیں اور دوزخ کے لپکتے ہوئے سرخ شعلے انہیں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ عالم آخرت جس سے تم منہ موڑے رہے اور جس کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے رہے۔ اب یہ حق اور سچ بن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اس وقت کیا تم اس کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔ [1]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ، ج4، ص612

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ (سورۃ انفطار ۳۰:۶) "تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معزز ہیں (حرف بحرف) لکھتے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔"

یعنی ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یاداشت تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ کارندے جن کو یہ اہم کام تفویض کیا گیا ہے معمولی قسم کے اہلکار نہیں، بڑے بزرگ اور بلند پایہ حضرات ہیں۔ نہ انہیں رشوت دی جا سکتی ہے نہ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو ضبط تحریر میں لانے میں وہ کاہلی کر سکتے ہیں۔ نہ ان کی کسی سے ذاتی دوستی ہے اور عداوت جو کچھ تم کرتے ہو' بلا کم و کاست وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں، ان کا علم ادھورا اور ان کی معلومات ناقص نہیں۔ تمہاری ہر بات' تمہارا کام بلکہ اس کے پس پردہ تمہارے جذبات اور نیتیں ہیں۔ وہ ان سے بھی باخبر ہیں تو تم خود غور کرو ایسے غیر جانبدار، دیانتدار اور ہر بات سے خبردار تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے ان کو تم کسی طرح جھٹلاؤ گے۔ (۱)

موت کے وقت کم از کم تکلیف:

حضرت شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے موت کی تکلیفوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ موت کی آسان تر تکلیف کی مثال یہ ہے کوئی شخص کانٹے دار شاخ کو اُون میں ڈالے اور پھر اسے کھینچے تو اس شاخ کے ساتھ اُون بھی نکل آئے گی۔ (۲)

ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا: اے ابا جان! آپ کہا کرتے تھے کہ کوئی عقلمند آدمی مجھے نزع کے عالم میں مل جائے تو میں اس سے موت کے حالات دریافت کروں تو آپ سے زائد عقلمند کون ہوگا۔ برائے مہربانی اب آپ ہی مجھے موت کے حالات بتایئے! آپ نے فرمایا: خدا کی قسم، اے بیٹے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے دونوں پہلو ایک تخت پر ہیں۔ اور میں سوئی کے سوراخ کے برابر سے سانس لے رہا ہوں اور ایک کانٹے دار شاخ میرے قدم کی طرف سے سر کی جانب کھینچی جا رہی ہے۔ یہی حدیث ابن سعد نے عوانہ ابن الحکم سے روایت کی ہے۔ (۳)

مردہ کو زندہ کر کے موت کی تلخیوں کے بارے میں سوال:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کیا

1۔ تفسیر ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ، ج 5، ص 510

2۔ ابن ابی الدنیا بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 66

3۔ ابن ابی الدنیا بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 67

کرو، ان میں عجب عجب باتیں ہوئی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک جماعت قبرستان میں گئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ دو رکعت پڑھ کر خدا سے دعاء کرنی چاہیے کہ وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے، جو ہم کو حالات بتائے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ اچانک ایک سیاہ شخص نمودار ہوا۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کے نشانات تھے۔ اس نے کہا کہ اے لوگو! تم نے مجھے پریشان کیا، مجھے مرے ہوئے سو سال ہوئے ہیں لیکن موت کی تکالیف ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ اب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے (بغیر تکلیف کے) پہلی حالت پر لوٹا دے۔ اس قسم کی حدیث احمد نے عمر بن حبیب سے روایت کی۔ (1)

ہر رگ میں موت کا درد محسوس ہوتا ہے:

حضرت سلمان سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک قریب الموت انصاری کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: بہتر ہوں، پھر اس نے کہا: میرے پاس دو فرشتے آئے ہیں، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان میں سے تمہارے قریب کونسا ہے؟ انہوں نے کہا: سیاہ میرے قریب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خیر (نیکی) کم ہے اور شر زیادہ۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی دعا سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے دعاء فرمائی: اے اللہ! اس کی زیادہ برائیوں کو معاف فرما دے اور تھوڑی نیکیوں کو مکمل فرما دے۔ پھر آپ نے پوچھا: اب کیا دیکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ! اب تو بھلائی کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور برائی کو ختم ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب سیاہ فرشتہ دور ہو چکا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا تمہارا کونسا عمل ایسا عمل ہے جس پر بہتر جزاء کی امید کی جاسکے۔ عرض کیا کہ میں پانی پلاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی موت کے وقت لاحق ہونے والی تکالیف کا ذکر اسی طرح فرمایا کہ اس شخص کو جو تکلیف ہو رہی ہے، میں اسے جانتا ہوں، اس کی کوئی رگ ایسی نہیں جو موت کا درد محسوس نہ کرتی ہو۔ (2)

رسول اللہ ﷺ پر سکرات موت اور کیوں؟

حضور ﷺ پر سکرات موت اتنی دشوار تھیں کہ کبھی آپ کا رنگ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ پونچھتے جاتے تھے۔ کبھی آپ اپنے دائیں ہاتھ مبارک سے کبھی دوسرے ہاتھ مبارک سے اپنے رخسار پُر انوار سے پسینہ پونچھتے جاتے۔ (3)

1۔ ابن ابی شیبہ بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 65

2۔ طبرانی، بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 126

3۔ مدارج النبوت، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 429

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کی تکلیف دیکھنے کے بعد میں کسی کے آسانی سے مرجانے پر رشک نہیں کروں گی۔ امام بخاری نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ ❶

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کی شدت اس لئے ہوئی کہ قیامت میں آپ کی امت کے لئے آسانی ہو کہ ہر مردہ مرتے وقت تکلیف پا کر خیال کرے کہ یہ تکلیف بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس خیال سے اس کے لئے یہ تکلیف راحت بن جائے گی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے آپ کے بعض غلاموں کو سکرات موت نہیں ہوئی۔ نہایت آسانی سے جان نکلتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہید کی جان کنی ایسی ہوتی ہے جیسے چیونٹی کا کاٹنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف فقر وفاقہ امت کے نمونہ بننے کے لئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی آپ کے صدقہ سے بڑے آرام سے زندگی گذارتے ہیں۔ ❷

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے قراری اس وجہ سے تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے بہت ہی زیادہ خواہش مند تھے' اسی لئے آپ یہ عرض کر رہے تھے: [اللھم بالرفیق الاعلی] "اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے آپ سے ملا لے کیونکہ سب سے اعلیٰ تو ہی رفیق ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وفات کی خبر دینا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (مطہرات) آپ کے پاس تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی طرف متوجہ ہوئیں جن کی چال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سے مختلف نہیں تھی (یعنی آپ کا چلنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کے مشابہ تھا)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کو دیکھا تو فرمایا: اے میری بیٹی! مرحبا (خوش آمدید) پھر آپ نے انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور ان سے آہستگی میں کوئی گفتگو فرمائی (آپ وہ سن کر) بہت شدید روئیں۔ جب آپ نے ان کو غمناک دیکھا تو دوسری مرتبہ پھر آپ سے آہستہ کوئی کلام فرمایا تو وہ مسکرانے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد میں نے ان سے پوچھا: وہ کیا بات تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ فرمائی۔ تو انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فشاء نہیں کرسکتی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو میں نے کہا: میں تمہیں اپنے اس حق جو میرا تم پر ہے کی قسم دلا کر کہتی ہوں۔ تم مجھے وہ خبر بتاؤ! (آپ نے جس حق کی طرف اشارہ کیا' اس سے مراد آپ کا مال ہونا اور حضرت فاطمہ الزہر کا بیٹی ہونا ہے)

1۔ جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ، ج ص

2۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج8 ص

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے کہا: ٹھیک ہے، اب میں بتا سکتی ہوں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ میرے ساتھ آہستہ کلام فرمایا، اس میں آپ نے مجھے بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے اس مرتبہ میرے ساتھ دو مرتبہ دور کیا جبکہ وہ اس سے پہلے ہر سال ایک مرتبہ قرآن پاک کا دَور فرماتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میرا پہلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے۔ (یہ سن کر) میں رونے لگی۔

جب آپ نے میری پریشانی کو دیکھا تو دوسری مرتبہ آپ نے میرے ساتھ آہستہ گفتگو فرمائی اور فرمایا: اے فاطمہ! کیا تو نہیں چاہتی کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا راوی کو شک ہے کہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ کیا تو نہیں چاہتی کہ تو مسلمانوں کی عورتوں کی سردار ہو (مقصد دونوں کا ایک ہے کیونکہ مسلمانوں کی عورتوں نے ہی جنت میں جانا ہے)۔

دوسری روایت میں یہی خبر آپ نے مرضِ وصال میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خبر دی اور اس کے متعلق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ساتھ آہستہ کلام فرماتے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بیماری کی وجہ سے) اسی تکلیف میں دنیا سے جا رہا ہوں تو میں رونے لگی۔

"ثم سارني فاخبرني اني اول اهل بيته اتبعه فضحكت"

"پھر دوسری مرتبہ آپ نے مجھے آہستہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمام اہل بیت میں سب سے پہلے میری ملاقات آپ سے ہو گی آپ کے پیچھے پیچھے میں نے جانا ہے تو میں ہنسنے لگی"

(بخاری، مسلم بحوالہ مشکوۃ، باب فضائل اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم 568)

حدیث شریف سے واضح ہو رہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے دو مرتبہ کلام فرمایا ایک دفعہ صحت میں اور ایک مرض وصال میں اور آپ نے انہیں دو بشارتیں دیں۔ ایک جنتی عورتوں کی سردار ہونے کے متعلق اور دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام خاندان نبوی میں سب سے پہلے آپ کا دنیا سے تشریف لے جانا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زوجہ مطہرہ حضرت زینب کی وفات کی خبر دینا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسرعكن لحاقا بي اطولكن يدا قالت فكن يتطاولن ايتهن اطول يدا قالت فكانت اطولنا يدا زينب لانها كانت تعمل بيدها و تصدق"

"کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تمام ازواج مطہرات ایک دوسرے کے ہاتھ کسی کانے وغیرہ سے ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں؟ ازواجِ مطہرات نے ظاہری

(مسلم شریف، فضائل زینب ام المومنین، ج 2 ص 291)

لمبے ہاتھ سمجھے تھے۔ اس طرح تمام سے لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کسب کر

کے مال حاصل کر کے صدقہ دینے میں سے سب زیادہ فوقیت رکھتی تھیں۔ سخاوت کے لحاظ سے ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ جب تمام ازواج مطہرات سے پہلے انکی وفات ہوئی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے لمبے ہاتھوں سے مراد کیا لیا تھا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یلغار کی خبر اور حضرت صدیق اکبر' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی قبروں کی قدرتی نشاندہی:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن اپنے گھر میں وضوء کیا اور پھر گھر سے نکلا۔ خیال کیا کہ آج سارا دن میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی گذاروں گا۔ وہ فرماتے ہیں: اسی ارادہ سے میں مسجد میں آیا، نبی کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ تو صحابہ کرام نے بتایا: آپ اس جانب تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھی اسی سمت چل پڑا، آپ کے متعلق پھر آ کر سوال کیا، اس طرح معلوم ہوا کہ آپ بئر اریس (کنویں کا نام) میں ہیں یعنی جس باغ میں بئر اریس ہے اس میں داخل ہو گئے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں: میں دروازے پر نبی کریم ﷺ کی انتظار کرنے لگا۔ دروازہ کھجور کی چھڑیوں کا بنا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے (کیونکہ آپ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے تھے) اور آپ نے وضو فرمایا، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ بئر اریس پر آ کر بیٹھ گئے، آپ اس طرح تشریف فرما تھے کہ آپ کنویں کے درمیان میں اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا کر پاؤں مبارک کنویں میں لٹکا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے پر سلام پیش کیا۔ پھر میں وہاں سے واپس باغ کے دروازے پر آ گیا، خیال کیا کہ آج میں نبی کریم ﷺ کا دربان بن کر رہوں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، دروازے کو دھکیلا۔ میں نے کہا: کون؟ آپ نے فرمایا: میں ابوبکر ہوں۔ میں نے عرض کیا: ٹھہر جائیں! میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ابوبکر آئے ہیں، اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اجازت دے دو اور انہیں جنت کی بشارت بھی دے دو۔ پھر میں نے آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اندر آ جائیں، آپ کو رسول اللہ ﷺ جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے اور کنویں پر نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب نبی کریم ﷺ کی طرح ہی پاؤں کو لٹکا کر پنڈلیوں کو ننگا کر کے بیٹھ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں پھر واپس آ کر دروازہ پر بیٹھ گیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جب گھر سے چلا تھا، اپنے بھائی کو وضوء کرتے ہوئے چھوڑا تھا۔ اب خیال کر رہا تھا کاش! کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر بھی مہربانی ہوتی کہ آج وہ نبی کریم ﷺ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھاتے۔ اسی خیال میں ہی

تھا کہ کسی شخص نے دروازے کو حرکت دی۔ میں نے کہا: کون؟ انہوں نے کہا: میں عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ میں نے کہا: ٹھہر جایئے! میں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمر آئے ہیں، اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دے دو۔ پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، عرض کیا: آپ کو اجازت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت بھی دے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جانب کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

آپ کہتے ہیں: پھر میں دروازے پر آ کر بیٹھ گیا، پھر ارادہ یہی کر رہا تھا کہ اللہ کرے میرا بھائی بھی آ جائے۔ یہاں تک کہ ایک اور شخص نے آ کر دروازے کو حرکت دی۔ میں نے کہا: کون؟ اس نے کہا: میں عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ میں نے کہا: ٹھہر جایئے! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر خبر دی، آپ نے فرمایا: انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت دے دو اور انہیں جو "بلویٰ" (مصیبت و دکھ) پہنچے گا اس کی خبر دے دو (یعنی مصائب کی یلغار میں مبتلاء ہوں گے) آپ کہتے ہیں: میں نے واپس آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ آپ اندر داخل ہو جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں، ساتھ ساتھ مصائب کی یلغار میں مبتلاء ہونے کی خبر بھی دے رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے۔

کنویں کی جس جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، وہ پُر ہو چکی تھی۔ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جانب سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اس سے قبروں کی طرف اشارہ سمجھا۔[1]

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

1: حدیث پاک سے جو یہ سمجھ رہا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دربان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہمیشہ معمول نہیں تھا بلکہ ممکن ہے کہ حضرت اشعری رضی اللہ عنہ خود اپنی مرضی اور خدمت گزاری کے ارادہ سے دربان بنے ہوں اور پھر اس بشارت کے ارادہ سے ان کی اس خدمت کو برقرار رکھا ہو یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقصد کے لئے دربان بننے کا حکم دیا ہو۔

2: اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کسی نیک کام میں اپنے بھائی یا رشتہ داروں کی شرکت کی تمنا سنتِ صحابہ کرام ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بار بار خواہش کر رہے تھے کہ کاش! میرے بھائی بھی آ جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ رحمت سے فائدہ حاصل کر لیں۔

1۔ مسلم شریف، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ باب فضائل عثمان رضی اللہ عنہ، ج 2 ص 277

۳: اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ تینوں صحابہ کرام کے بیٹھنے کے انداز سے انکی قبروں کی طرف اشارہ تھا یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بیٹھنا اس طرف اشارہ تھا کہ ان دونوں کو مقام آپ کے پہلو میں حاصل ہوگا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سامنے بیٹھنا اشارہ تھا کہ ان کو سامنے یعنی مسلمانوں کے عام قبرستان بقیع میں جگہ حاصل ہوگی۔

۴: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خبر دی کہ تمہیں بلوئی میں مبتلاء ہونا پڑے گا یعنی مصیبتوں کے انبار ہوں گے، ظالمین کی یلغار ہوگی، ایسے حال میں تم نے شہادت حاصل کرنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی حرف بحرف سچا ثابت ہوا۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینا:

حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی "لبابہ" ہے۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں، عورتوں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان قبول کرنے والی ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ یہ روایت کرتی ہیں کہ وہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہت ہی براخواب رات کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہت ہی برا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب دیکھا ہے "آپ کے جسم کا ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آگیا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بہت مبارک خواب ہے کیونکہ انشاء اللہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو تمہاری گود میں آئے گا۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تولد ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق میری گود میں آگئے۔ اس کے بعد میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بچے کو آپ کی گود میں رکھا۔ کچھ دیر بعد میں نے توجہ کی تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ آپ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا؟ تو آپ نے فرمایا:

" اتانی جبرائیل علیہ السلام فاخبرنی ان امتی تقتل ابنی فقلت ھذا قال نعم و اتانی من تربۃ حمراء " [2]

"کہ میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ انہوں نے مجھے خبر دی کہ بے شک میری امت کے لوگ اس میرے بیٹے کو شہید کردیں گے۔ میں نے کہا: اس کو!! آپ نے کہا: ہاں۔ اور وہ میرے پاس سرخ مٹی بھی لائے ہیں۔"

1۔ حاشیہ علی صحیح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ، ج 2 ص 278

2۔ مشکوۃ، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، فضائل اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج 2 ص 567

یومِ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون جمع کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے ایک دن دوپہر کو سوتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے، غبار آلود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے، جس میں خون ہے۔ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ھذا دم الحسین و اصحابہ ولم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصی ذالك الوقت فاجد قتل ذالك الوقت"

"کہ یہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں آج یہی خون ہی جمع کرتا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ میں نے وہ وقت یاد کرلیا کہ آج کون سی تاریخ ہے، کونسا دن ہے اور کونسا وقت ہے؟

بعد میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کی شہادت کی خبر ملی تو پتہ چلا کہ یہ وہی وقت تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی۔ آپ پریشان حال، میدانِ کربلا کی گردوغبار سے آلودہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے خون کو جمع کر رہے تھے۔" [1]

ممکن ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنا ہو کہ اے اللہ! یہ میری امت کے ظالموں کا کارنامہ ہے۔

❁ ✶ ✶ ✶ ❁ ✶ ✶ ✶ ❁

1۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ص 572

فصل چہارم

روح قبض ہونے کے بعد کے مسائل وحالات

مسئلہ: جب انسان فوت ہو جائے اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور آنکھیں بند کر دی جائیں اس لئے کہ منہ اور آنکھوں کا کھلا رہنا بدصورت بناتا ہے لہٰذا مسلمان کا بعد از وفات بھی کسی کے نزدیک حقیر ہونا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لہٰذا منہ اور آنکھیں بند کر دی جائیں تاکہ یوں معلوم ہو کہ بندہ سویا ہوا ہے آنکھیں بند کرنے والا شخص یہ دعا پڑھے:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَ سَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَ سَعِّدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ" (درمختار، علامہ ابن عابدین شامی، ج3، ص97)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت کے قریب ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے۔ ان کی نظر کھڑی ہو چکی تھی تو حضور نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا:

" ان الروح اذا قبض تبعه البصر فضج نا س من اهله فقال لا تدعوا على انفسكم الا بخير فان الملائكة يؤمّنون على ما تقولون "

"کہ روح کو جب قبض کر لیا جاتا ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے، اسکے اہل و عیال رو رہے ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: جب تمہارا کوئی شخص فوت ہو تو اس کا اچھے الفاظ سے تذکرہ کرو کیونکہ ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں، جو بھی تم کہتے ہو۔

پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو سلمہ کے لئے یہ دعا فرمائی:

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَ ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَ اخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَ اغْفِرْ لَنَا وَ لَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَ افْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَ نَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ " [1]

"اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور ان کے درجات بلند فرما، ان لوگوں میں جن کو تو نے ہدایت عطا فرمائی (یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام میں سبقت رکھنے والے ہیں اور نبی

1۔ مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، خلیب تبریزی رحمہ اللہ باب مایقال عند من حضرہ الموت ج1 ص141

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والے) اور ان کا بہتر جانشین بنا۔ اے رب العلمین! ان کی اور ہماری مغفرت فرما۔ ان کی قبر کو کشادہ فرما اور ان کی قبر کو منور فرما۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کی نظر ایک جگہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہم نے عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی نظر اس کا پیچھا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ جو چیز اس کو پہلے نظر نہیں آسکتی تھی اب اس کو دکھا دے۔

دعاء کرتے وقت انسان کو چاہیے کہ وہ دعاء میں وسعت کو پیش نظر رکھے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے ہوئے اپنے لئے، اپنی قوم کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا: و اغفر لنا (ہماری مغفرت فرما)۔ فوت شدہ انسان کے لئے بددعاء نہ کی جائے، اگر وہ اس بددعا کا مستحق نہ ہوا تو اس کی بددعاء اسی کی طرف لوٹ آئے گی۔

مسئلہ:

فوت ہونے پر انسان کے تمام اعضاء کو سیدھا کر دیا جائے اور اس کے پیٹ پر لوہے کی کوئی چیز رکھ دی جائے تا کہ اس کا پیٹ سوج نہ جائے۔ اس کے پاس خوشبو وغیرہ سلگا دی جائے اور ہو سکے تو بازاروں میں اور ارد گرد جہاں تک ممکن ہو اعلان کرایا جائے تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے جنازے میں شریک ہو کر سعادت حاصل کریں۔ حیض و نفاس والی عورتیں اور جنبی (جس پر غسل فرض ہو چکا ہو) شخص میت سے دور رہیں، اس کے قرب سے نکل جائیں۔ [1]

قریب الموت انسان کا ایک جگہ نظر لگا کر دیکھنا کیوں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص جنت یا جہنم میں اپنا مقام دیکھے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا، پھر آپ نے فرمایا: جب وہ مرنے کے قریب ہوتا ہے تو فرشتوں کی دو صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہیں تو مردہ ان کو دیکھتا ہے، دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ شاید مرنے والا شخص تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ ہر فرشتے کے پاس جنتی کفن اور خوشبوئیں ہوتی ہیں، اگر مرنے والا شخص مؤمن ہو تو فرشتے اس کو جنت کی بشارت دے کر کہتے ہیں: اے مطمئن نفس! اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف نکل آ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے وہ انعامات رکھے ہیں جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔

فرشتے نہایت ہی نرمی اور مہربانی سے اس کو یہ خوشخبریاں سناتے ہیں اور پھر یکے بعد دیگرے ہر ناخن اور ہر جوڑ سے اس کی روح نکال لیتے ہیں اور یہ اس پر آسان ہوتا ہے اگرچہ تم اسے سخت سمجھتے ہو۔ یہاں تک کہ روح ٹھوڑی تک پہنچ جاتی ہے

1۔ ہدایہ کتاب الجنائز ج 1 ص 253 .... بحر الرائق شرح کنز الدقائق ج 2، ص 171 مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

اب وہ جسم سے نکلنے کو اس سے زائد برا جانتی ہے جتنا کہ بچہ اپنی ماں کی رحم سے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھتا تو فرشتے آپس میں جھگڑتے ہیں کہ کون اس کی روح کو اٹھانے کا شرف حاصل کرے۔ آخر کار ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

"قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ" "آپ کہہ دیجیے! کہ تمہیں وہ ملک الموت وفات دیتے ہیں جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔"

ملک الموت اسے سفید کپڑوں میں لے کر اپنی گود میں ایسا دباتے ہیں کہ ماں بھی اپنے بچہ کو اتنی محبت سے نہیں دباتی، پھر اس سے مشک سے بہتر خوشبو نکلتی ہے جسے فرشتے سونگھتے ہیں، مغفرت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں جس دروازہ پہنچتا ہے اس کے فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ارشاد فرماتا ہے: اے پاک نفس اور اے پاک جسم! جس سے نکل کر آئی ہے، خوش آمدید۔ اور جب خدا تعالیٰ کسی کو مرحبا کہتا ہے تو کائنات کی ہر چیز مرحبا کہتی ہے۔ اور اس کی تمام تنگی دور ہوتی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس نفس کو جنت میں لے جا کر اس کی قیام گاہ دکھاؤ اور اس کو تمام وہ نعمتیں دکھاؤ جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں۔ اور پھر اسے زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں ان کو زمین سے پیدا کروں گا، زمین میں داخل کروں گا اور پھر زمین میں ہی لوٹاؤں گا۔ پس اب وہ روح زمین کی طرف جانے کو جسم سے نکلنے سے بھی زیادہ برا سمجھے گی اور پوچھے گی کہ کیا اب تم مجھ کو پھر اس جسم کی طرف لے چلے ہو جس سے میں نے چھٹکارا حاصل کیا ہے؟ فرشتے کہیں گے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے۔ وہ فرشتے اس روح کو اتنی دیر میں واپس لے آئیں گے جتنی دیر میں لوگ اس کے غسل وکفن سے فارغ ہوں گے۔ پھر اس روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کریں گے۔ [1]

خیال رہے کہ مومنین کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں رکھا جائے گا۔ البتہ روح کا تعلق قبر میں جسم سے ہوگا یا برزخی حالت میں جس کے ذرات جہاں کہیں بھی ہوں گے ان سے بھی روح کا تعلق ہوگا۔ جسم کی طرف زمین میں روح کے لوٹانے کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کا موت کے بعد کلام کرنا:

حضرت ربیع سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم چار بھائی تھے اور میرا بھائی ربیع ہم سے زیادہ روزہ اور نماز کا پابند تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا: [اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ] ہم لوگ اس کے ارد گرد تھے کہ اچانک اس نے کپڑا اٹھا کر کہا: السلام علیکم! ہم نے کہا: وعلیکم السلام، پھر ہم نے کہا: کیا موت کے بعد بھی سلام؟ یعنی ہمیں ان کے سلام پر تعجب ہوا کہ موت کے بعد سلام کیسے؟

1۔ ابن مردویہ، ابن مندہ بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ، ص 110

اس نے کہا: جی، ہاں! موت کے بعد سلام کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا: میں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی جو مجھ پر خوش اور راضی تھا تو اس نے مجھے اپنی رحمت سے نواز اور استبرق لباس زیب تن کرایا۔ سنو! ابوالقاسم (محمد ﷺ) نماز کے لئے میرے منتظر ہیں۔ جلدی کرو پھر وہ یہ کہہ کر حسب معمول خاموش ہو گئے۔

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری امت میں ایک شخص مرنے کے بعد بھی کلام کرے گا۔

ابو نعیم کہتے ہیں: یہ حدیث مشہور ہے، بیہقی نے اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ (1)

میت کے دفن کی تیاری جلدی کی جائے:

" ویسرع فی جھازہ لما رواہ ابو داؤد عنہ ﷺ لما عاد طلحۃ بن البراء و انصرف قال ما اری طلحۃ الا قد حدث الموت فاذا مات فاذنونی حتی اصلی علیہ و عجلوا بہ فانہ لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظھرانی اھلہ "

(فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین، ج1، ص630)

" میت کے کفن دفن کی تیاری جلدی کی جائے کیونکہ ابوداؤد شریف میں نبی کریم ﷺ سے حدیث شریف روایت کی گئی ہے کہ آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور واپس ہوتے ہوئے فرمایا: طلحہ کی وفات کا وقت اب قریب آ گیا ہے اس لئے جب یہ فوت ہو جائیں تو مجھے مطلع کرنا تا کہ میں انکی نماز جنازہ پڑھ سکوں اور ان کے کفن و دفن کی تیاری جلدی کرنا اس لئے کہ کسی مسلمان کی لاش کو اس کے اہل وعیال کے پاس زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں۔"

مسئلہ:

بعض اوقات انسان سکتہ وغیرہ کی مرض میں مبتلاء ہوتا ہے یا اس طرح بے ہوش ہوتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص فوت ہو چکا ہے حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے اس لئے کم از کم اتنی تاخیر ضرور کی جائے جس سے اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ (1)

نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر کیوں؟

رسول اللہ ﷺ کی وفات روز دوشنبہ (پیر کے دن) ہوئی اور روز سہ شنبہ (منگل کا دن) پورا گزر گیا اور آپ کا تخت

1۔ ابو نعیم بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص112

2۔ فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین، ج1، ص630 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

شریف آپ کے گھر میں رہا اور لوگ نماز (دعاء) پڑھتے رہے اور آپ کو شب چہار شنبہ (بدھ کی رات) کو دفن کیا گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دے دی تھی، لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا؟ فرمایا: میرے اہل بیت میں سے وہ جو میرے زیادہ قریب ہو گا۔ لوگوں نے دریافت کیا: کن کپڑوں میں ہم آپ کو کفن دیں گے؟ فرمایا: ان کپڑوں میں جو زیب تن کئے ہوئے ہوں، یا مصری کپڑوں میں یا یمانی چادروں یا سفید کپڑوں میں..................

(آپ کو یمنی دھاری دار چادروں میں کفن دیا گیا) سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لاہو مکھ تھیں مخطط بردِ یمن
من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن

اوہو مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن
جو حمراء وادی سن کریاں

یعنی اپنے چہرۂ مبارک سے دھاری دار یمنی چادر اتاریں، اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میری پسندیدہ جھلک دکھاؤ۔ (نورانی چہرہ کی زیارت کراؤ) وہی پیاری پیاری باتیں میرے میٹھے محبوب میرے ساتھ کرو جو مقامِ حمراء میں اپنے دیدار سے مشرف فرما کر آپ نے کی تھیں۔

..................مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو، پھر لوگوں نے دریافت کیا: آپ پر کون نماز پڑھے؟ یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو، جزع فزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے اور تمہارے گناہوں کو بخشے اور مجھے میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس سے باہر چلے جانا سب سے پہلے جو میری نمازِ جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبرئیل امین علیہ السلام ہوں گے۔ پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت عزرائیل علیہم السلام ملائکہ کے گروہ کے ساتھ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا میرا رب ہے اس کے بعد یہ فرشتے جن کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد تم فوج در فوج آنا اور نماز پڑھنا۔ اور مجھ پر فریاد اور نوحہ نہ کرنا اور نماز کی ابتداء میرے اہل بیت کریں۔ اس کے بعد اہل بیت کی عورتیں اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبر شریف میں آپ کو کون اتارے گا؟ فرمایا: میرے اہل بیت! فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو ان کو دیکھتے ہوں گے اور وہ انہیں نہ دیکھ سکیں گے۔ [1]

مسئلہ:

میت کو غسل دیا جائے پھر اس کے قریب قرآن پاک پڑھایا جائے۔ بہتر صورت یہی ہے، اگرچہ غسل نہ دینے کی

1۔ مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، جلد 2 ص 440

صورت میں بھی میت کے قریب قرآن پاک پڑھنے میں حرمت نہیں، تاہم بہتر نہیں۔ (1)

خیال رہے کہ یہ صورت نتیجتاً ذکر کی ہے کیونکہ فقہاء کرام کی اس میں طویل بحثیں ہیں۔

مسئلہ:

میت کی چارپائی جس طرح اس کی وفات کے قریب رکھنے کا حکم تھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی حکم ہوگا یعنی ہمارے ملک میں چارپائی شمالاً جنوباً رکھی جائے اور منہ قبلہ کی جانب کرلیا جائے۔ یا چارپائی شرقاً غرباً رکھی جائے۔ پاؤں قبلہ کی جانب ہوں اور منہ بھی قبلہ کی جانب ہوگا۔ اسی قیاس کے مطابق فرق کا اندازہ کرلیا جائے جہاں قبلہ شریف شمال وجنوب یا مشرق کی طرف ہے چونکہ ہمارے علاقہ میں مغرب کی جانب ہے، اس کا طریقہ بیان کردیا گیا۔

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا منع ہے لیکن دو صورتیں بیان کی جاچکی ہیں یعنی ایک وفات سے تھوڑا پہلے دوسری وفات کے بعد۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب مریض انسان بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو بلکہ اس نے لیٹ کر نماز ادا کرنی ہو تو پاؤں قبلہ کی طرف کرکے پیچھے سہارا لگا کر نماز ادا کرے تاکہ منہ قبلہ کی طرف رہے۔ (2)

والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے دو دن قبل چارپائی کا رخ تبدیل کرالیا:

بندہ ضعیف، سراپا تقصیر کا خاندان بفضلہ تعالیٰ علماء وصلحاء پر مشتمل رہا۔ میرے والد مکرم قاضی عبدالعزیز بھتر الوی حطاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیماری کے ایام میں وفات سے دو دن پہلے ارشاد فرمایا کہ میری چارپائی شمالاً جنوباً کردی جائے کیونکہ اس طرح دروازہ سامنے ہوگا، روشنی آئے گی۔ آپ جس کمرہ میں سوتے تھے، اس کا دروازہ مغربی جانب تھا۔ پہلے آپ کی چارپائی شرقاً غرباً تھی، آپ کا سر مغرب کی جانب اور پاؤں مشرق کی جانب ہوا کرتے تھے۔

وفات سے پہلے دن آپ نے دھلے ہوئے کپڑے پہن لئے۔ آپ کی وفات تین رمضان المبارک بروز جمعہ سحری کے وقت ہوئی۔ جب کہ آپ نے بدھ کے دن سے گاؤں کے ملاقات کرنے والے حضرات کو کہنا شروع کردیا:

"مجھے جمعہ کو ظہر کے وقت ضرور دفن کردینا، عبدالرزاق (راقم الحروف) کی انتظار نہ کرنا، وہ نہیں پہنچ سکے گا۔"

میں اس وقت لاہور حزب الاحناف میں پہلے سال کا مدرس تھا اور محلہ کرم نگر کھوکھر روڈ کی ایک مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ چونکہ ہمارے گاؤں سے راولپنڈی تک پہنچنے کے لئے اس وقت کئی گھنٹے صرف ہوتے تھے، اگرچہ سفر صرف بتیس میل ہے لیکن ذرائع آمدورفت مخدوش حالت میں تھے۔ سڑک کچی تھی، صرف دو بس تھی، کبھی سفران

1۔ درمختار، ج1، ص631 2۔ درمختار، باب صلوٰۃ المریض ج2، ص686

سے مکمل ہوتا اور کبھی راستہ میں خراب، کبھی راستہ میں کیچڑ میں پھنسی ہوئی ہیں۔

گاؤں کے لوگ سن کر حیران ہوتے تھے کہ استاذ جی (والدِ مکرم) ابھی تک ہشاش بشاش ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ "یہ جمعہ جو آرہا ہے اس کی ظہر کو مجھے دفن کرنا۔" یہ کہتے کیا ہیں؟ ایک دن درمیان میں ہے، ایسی بیماری ہے نہیں کہ ایک دن میں چل بسیں لیکن ایسے ہی ہوا کہ جمعہ کو ہی سحری کے وقت ہمارے پڑوسی راجہ محمد نواز (مرحوم) کو بلوالیا اور میری والدہ مکرمہ اور ہمشیرہ کو پردہ کرنے کی وجہ سے دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور کلمہ شریف از خود ہی پڑھ رہے تھے۔

والدِ مکرم سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ وفات سے چند لمحات پہلے چارپائی سے اٹھ کر پاؤں نیچے کر کے عرض کرنے لگے:

"میرے حضرت (پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) وہ آگئے۔ حضرت جی! آپ نے کیوں تکلیف کی؟ آپ وہا ں ہی کھڑے ہو جائیں، میں آپ کے قدموں میں آرہا ہوں۔"

یہی کہتے ہوئے پھر چارپائی پر پیچھے آگئے۔ کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ مقبول بندہ، صاحبِ علم وزہد وتقوی، اپنے پیر کا مرید خاص 'نیاز مند' اپنے بیٹے کو تازندگی روگ لگا کر 14 نومبر 1969 کو دنیا سے حیاتِ جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔

آپ کے ارشاد کے مطابق ہی گاؤں کے لوگوں نے آپ کو جمعہ کے دن ظہر کے وقت ہی نماز جنازہ ادا کر کے دفن کرد یا۔ اللہ تعالیٰ انتظام کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں ہفتہ کے دن صبح کی نماز گاؤں کے باہر ہی ادا کر کے گاؤں سے باہر ہی قبرستان میں قبر کی زیارت کر کے روتے ہوئے گھر پہنچا۔ بار بار خیال آرہا تھا: میں کتنا بدنصیب ہوں کہ اپنے والدِ مکرم کے جنازے میں نہیں شریک ہوسکا۔ میرا کسی نے انتظار کیوں نہیں کی؟ لیکن سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہی تھا۔ والدِ مکرم کی وصیت کے مطابق عمل ہو رہا تھا۔ شریعت مطہرہ کے مطابق تجہیز وتکفین جلدی ہوگئی۔

وفات کی خبر ملنے پر کیا کرے:

وفات کی خبر پر: [اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ] "تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اس کے لوٹنے والے ہیں) پڑھے۔" اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لئے بشارت دینے کا حکم فرمایا اور صابرین کی شان بیان کی کہ جب ان کو مصیبت پہنچے تو وہ انا للہ الخ پڑھتے ہیں یعنی وہ بجائے بے قراری اور ناشکری کے یہ کہتے ہیں: ہم خود اپنے جان و مال کے مالک نہیں بلکہ "انا للہ" اللہ تعالیٰ کی ملک اور اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہر چیز اسی کی ہے، اگر مالک اپنی چیز لے لے تو بندہ کو کیا شکایت، نیز اس کا مصیبت بھیجنا ہمارے حق میں مصلحت اور حکمت ہے جیسے مہربان طبیب بدہضمی میں کھانے سے روکتا اور پھر بہتر دوا دیتا ہے یا اولاً

کڑوی دوائیں پلاتا ہے جس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمارا رب اس کا اچھا بدلہ فرمائے گا، اگر چہ یہاں بدلہ نہ ملے تو کیا "وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ہم تو اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ جس میں راضی ہم بھی اس میں راضی، اس کی رضاء بہترین جزاء ہے.......... یا یہ کہ ہم آخرت میں وہاں پہنچیں گے جہاں کسی کا کھٹکا اور خطرہ نہ ہوگا اور بلاواسطہ ہر طرح اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ یقیناً جو کچھ صبر پر وعدے فرمائے گئے ہیں، وہاں سب ملیں گے اور وہاں کی بخشش کے مقابل یہاں کی مصیبت کی کوئی حقیقت نہیں۔

فائدہ نمبر ۱:

دنیا مصیبتوں کی جگہ ہے، یہاں آرام کی طلب بے کار ہے۔ ان مصیبتوں میں چند فائدے ہیں:

① ایک یہ کہ اگر مصیبتیں نہ ہوں تو انسان خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے۔ دیکھو! فرعون نے راحت پا کر دعویٰ خدائی کیا اور دریا کی مصیبت دیکھ کر آواز دی کہ میں رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتا ہوں۔

② دوسرے یہ کہ اس میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہے کہ کون نفس کا پجاری ہے اور کون رب کا۔ ہر حال میں راضی برضاء رہنے والا کھرا ہے اور دنیوی انقلابات سے پھسلنے والا کھوٹا۔

③ تیسرے یہ کہ بغیر بھٹی کی آگ اور کاریگر کے ہتھوڑے کے نہ تو میلا لوہا صاف ہو سکتا ہے اور نہ سونا سج دھج کر محبوب کے گلے میں آنے کے قابل، سونا اگر چہ خود قیمتی ہے اور ریشمی کپڑا اگر چہ خود نفیس مگر ان دونوں کو وصال تب ہوگا جب سنار کی بھٹی اور درزی کی مشین کی مصیبتیں برداشت کر لیں گے۔ ایسے ہی گناہ گار کی صفائی اور نیکوکار کی رب تعالیٰ تک رسائی بغیر مصائب ناممکن، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصیبت بقدر رتبہ ہوتی ہے۔

④ چوتھے یہ کہ آخرت میں نہ تو سب جنت کے قابل ہیں اور نہ تمام دوزخ کے لائق، پھر جنت بھی ایک درجہ نہیں۔ مصیبتوں ہی کے ذریعہ ہر شخص اپنے اپنے درجہ میں پہنچے گا۔

⑤ پانچویں یہ کہ مصیبتوں ہی کے ذریعہ کوئی بھی رب پر طرف داری کا الزام نہیں لگا سکتا۔ ورنہ کوئی گستاخ کہہ سکتا تھا ہم پر ظلم اور دوسروں کی طرف داری ہوئی۔

⑥ چھٹے یہ کہ مصیبتوں کی برکت سے دنیا سے دل سرد ہوتا ہے اور آخرت کی خواہش رب کی طلب، جنت کی قدر حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر ۲:

مصیبت کے وقت "انا للہ" ضرور پڑھنی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چراغ گل ہونے، نعلین کا تسمہ ٹوٹ جانے اور ہاتھ پر پھانس لگ جانے پر بھی انا للہ الخ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

عرض کیا: حضور یہ تو معمولی باتیں ہیں۔ فرمایا: کبھی معمولی بات بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ [1]

"اِنَّا لِلّٰہِ" پڑھنے کے فوائد:

"اِنَّا لِلّٰہِ" پڑھنے میں عقلی اور نقلی بہت فائدے ہیں:

﴿۱﴾ طبرانی اور بیہقی میں ہے کہ "اِنَّـا لِلّٰـهِ" ہماری ہی امت کو ملا۔ اس سے پہلے پیغمبروں کو بھی عطاء نہ ہوا۔ دیکھو! یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام غم میں "یا اسفی علی یوسف" (ہائے افسوس یوسف پر) تو فرمایا مگر "اِنَّا لِلّٰہِ" نہ کہا۔

﴿۲﴾ نیز بیہقی میں ہے کہ جس میں چار باتیں ہوں اس کا گھر جنت میں ہے۔ ایک یہ کہ ہر کلام میں رب سے التجا کرے، دوسرے یہ کہ مصیبت پر "اناللہ" پڑھے، تیسرے یہ کہ نعمت پر الحمدللہ پڑھے، چوتھے یہ کہ گناہ پر استغفراللہ پڑھے۔

﴿۳﴾ احمد اور بیہقی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب پرانی مصیبت یاد آئے تب بھی "اِنَّـا لِلّٰـهِ" پڑھے تو نئے صبر کا ثواب پائے گا۔

﴿۴﴾ جو شخص مصیبت پر انا للہ پڑھے تو رب تعالیٰ ثواب کے علاوہ یا تو کھوئی ہوئی نعمت واپس فرماتا ہے یا اس سے بہتر بدلہ۔

﴿۵﴾ "اِنَّـا لِلّٰـهِ" پڑھنے سے رب کی طرف دھیان ہو جاتا ہے جس سے اس کا غم غلط ہو جاتا ہے کیونکہ دھیان کا بٹنا بھی تکلیف کو ہلکا کر دیتا ہے۔

﴿۶﴾ "اِنَّـا لِلّٰـهِ" کا مضمون نہایت نفیس ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تفسیر سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر ہمارا فلاں قرابت دار مر گیا تو ہمیں بھی یہاں نہیں رہنا۔ ہم بھی اللہ کی ملک میں ہیں، جب چاہے بلائے اور اسی کی طرف جانے والے ہم بھی ہیں تو ہم دوسروں کو کیا روئیں، اپنی فکر کریں۔

ہم دیکھیں جگجات (جا رہا) ہے اور دیکھے ہم جائیں
ہم خود بیٹھ راہ پر اوروں کو پچھتائیں

یا یہ کہ ہم اور ساری چیزیں اللہ کی امانت ہیں۔ مالک اپنی امانت لے لے تو اس پر غم کیسا؟ یا یہ کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، وہ ہمارا رب کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ اس میں بھی صدہا حکمتیں ہو گی جیسے کہ کڑوی دوا کا انجام شفاء ہے اور پرہیز کا انجام صحت ہے۔ ایسے ہی اس مصیبت کا انجام بھی بہت عمدہ ہو گا۔ ان مضامین سے ان شاء اللہ غم ہلکا پڑ جائے گا۔

﴿۷﴾ "اِنَّـا لِلّٰـهِ" پڑھنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے اور اس کو وہاں سے بھاگنا ہی پڑتا ہے اور ہائے، وائے کہنے میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔

1۔ درمنثور، وتفسیر عزیزی، بحوالہ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج2، ص94

۸ "اِنَّا لِلّٰہِ" سن کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں اور صابرین کے دفتر میں نام لکھاتے ہیں۔

۹ جو زبان سے "اِنَّا لِلّٰہِ" کہتا ہے اس کے دل میں اچھا اعتقاد اور رضاء بالقضاء پیدا ہوتی ہے۔

۱۰ مصیبت سے انسان کا ہوش اڑ جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت میں کچھ غلطی کر بیٹھے "اِنَّا لِلّٰہِ" سے ہوش ٹھکانے آتے ہیں، حالت درست ہوتی ہے۔ (1)

بلبل کی حکایت:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے ہزار درہم میں ایک بلبل خریدی، جو بولتی تھی۔ ایک دن اس کے پنجرے پر طوطا کچھ بول کر اڑ گیا اور اس بلبل نے بولنا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے بلبل کا پنجرا منگوا کر اس سے خاموشی کا سبب پوچھا۔ وہ بولی: میں اپنے وطن اور اولاد کو یاد کر کے روتی تھی اور لوگ اسے گیت سمجھتے تھے۔ مجھے طوطے نے سمجھایا کہ تیری بے صبری ہی اس قید کا باعث ہے۔ اگر تو خاموش ہو جائے تو چھوٹ جائے، لہٰذا اب میں کبھی نہیں بولوں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے مالک سے کہا: تو اس کے بولنے سے نا امید ہو جا! وہ بولا: پھر مجھے اس کے پالنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو اس کے آواز کا عاشق تھا۔ یہ کہہ کر کر اس نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ یہ کہتی ہوئی اڑ گئی کہ پاک ہے وہ جس نے مجھے انڈے میں بنایا اور ہوا میں اڑایا اور پنجرے میں صبر دے کر وہاں سے چھڑایا۔

یہ ہی ہمارا حال ہے جب تک بے صبری ہے تب تک قید ہی قید اور دنیا کی خوشی ہزار مصیبتوں کا پیش خیمہ اور یہاں کی نامرادی، وہاں کی کامیابی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دانہ باشی مرغ گانت بر چند
غنچہ باشی کو دکانت بر کنند

ھر کہ کردار حسن خود را مزاد
صد قضائے بد سوئے اورو نھاد

یعنی اگر تم دانہ بنو گے تو پرندے چگ (کھا) جائیں گے، اگر پھول کی طرح ہنسو گے تو کہیں بچے تمہیں توڑ ڈالیں گے۔ جتنی اپنے میں خوبی پیدا کرو گے اتنی ہی مصیبتیں تم پر آئیں گی۔ لہٰذا بجائے راحت طلب کرنے کے یہاں سے چھوٹنے اور وطن چلنے کی فکر کرو۔ (2)

1۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ، ج2 ص94

2۔ تفسیر روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ ج1 ص327۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ ج2 ص94

مسئلہ:

اگر مرنے والے شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھ پر رونا، چلانا اور نوحہ کرنا............ یا............ ان کاموں سے باز رہنے کی وصیت نہ کی تو فوت ہونے والے کو زندہ لوگوں کے رونے چلانے، جزع وفزع کرنے سے عذاب ہوگا ورنہ اسے عذاب ان کے رونے سے نہیں ہوگا۔ البتہ صبر کا دامن چھوڑنے والے گناہگار رہوں گے۔ ❶

یعنی زندگی میں اپنے اہل وعیال واقرباء کو بتاتے رہنا کہ کوئی انسان فوت ہو جائے تو صبر کیا جائے، جزع وفزع نہ کیا جائے۔ یہی وصیت ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ عین موت کے وقت ہی وصیت ہو۔

میت پر ماتم کرنا، پیٹنا حرام ہے:

حدیث مبارکہ ہے:

"عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول ﷺ ليس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية"

(بخاری ومسلم مشکوۃ باب البکاء علی المیت، ص149)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم سے نہیں جس نے رخساروں پر ضرب لگائی، گریبان پھاڑے اور زمانہ جاہلیت کے الفاظ کا (بے صبری) میں استعمال کیا۔"

حدیث شریف میں "لیس منا" کا مطلب ہے کہ ہماری سنت اور طریقہ پر نہیں، وہ ہمارے ائمہ سے نہیں، وہ ہمارے دین پر نہیں۔ ان الفاظ میں وعید شدید (بہت زیادہ ڈرایا گیا ہے) اور نہایت سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

مصیبت کے وقت جس شخص نے بھی اپنے رخساروں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑا............ یا (طرح النعمامة و ضرب الرأس و قطع الشعر) پگڑی کو اتار کر پھینکا، اپنے سر کو دیوار پر مارا، بال کاٹ دیئے...... یا زمانہ جاہلیت کی طرح ہائے مصیبت ہائے ہلاکت اس طرح ہائے ہائے کرتے ہوئے سینہ کوبی کی، یہ سب دین سے دور ہونے کی علامت ہیں۔ ❷

"عن ابی بردة قال اغمى ابی موسی الاشعری فاقبلت امرأته ام عبد الله تصيح برنة ثم افاق فقال الم تعلمي و كان يحدثها ان رسول الله ﷺ قال انا بری ممن حلق و صلق و خرق" ❸

"حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوگئے آپ کی زوجہ ام عبداللہ نے زور زور سے رونا شروع کردیا یعنی چلانا، جزع وفزع شروع کردیا آپ کو جب افاقہ ہوا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں (میں نے

1۔ نووی شرح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ، ج1، ص301
2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص88
3۔ مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ المصابیح باب البکاء علی المیت وفی البخاری ہکذا ص149

جو حدیث تمہیں بتائی تھی) آپ ہمیشہ انہیں ایک حدیث پاک بیان فرماتے رہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے بال منڈاوئے، بلند آواز سے رویا، چلایا اور کپڑے پھاڑے۔

یعنی جس شخص نے مصیبت کے وقت سر کے اور داڑھی کے کل بال یا بعض کٹائے تو رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہوں گے یعنی اس سے ناراض ہوں گے اور خصوصی شفاعت اس کے لئے نہیں فرمائیں گے۔

اسی طرح جس شخص نے مصیبت کے وقت نوحہ کیا اور بلند آواز سے رویا، چلایا ایسے لفظ بولے جو زمانۂ جاہلیت کی طرح ہوں یا کپڑے پھاڑ دیئے، رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہوں گے۔[1]

"وعن ابی مالك الاشعری قال قال رسول الله ﷺ اربع فی امتی من امر الجاهلية لا يتركونهن: الفخر فی الاحساب والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنائحة اذا لم تتب قبل موتها يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب"

(مسلم، مشکوٰۃ، باب البکاء علی المیت ج۱ ص ۱۵۰)

"حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت کی چار رسمیں رہیں گی جن کو وہ کبھی چھوڑیں گے نہیں: حسب میں فخر کرنا، (غیروں کے) نسب میں طعن، ستاروں سے بارش کا حساب لگانا، نوحہ کرنا۔ نوحہ کرنے والی اگر موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اسے سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اور خارش زدہ کو پہنائی جانے والی کرتی پہنائے جائے گی۔"

حسب میں فخر کرنے سے مراد اپنے کمالات یعنی شجاعت وفصاحت وغیرہ بیان کرنا، اسی طرح اپنے آباؤ واجداد کے کمالات بیان کرنا۔ ابن سکیت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: حسب وکرم وہ کمالات ہیں جو انسان کی اپنی ذات میں پائے جائیں۔ مجد وشرف وہ کمالات ہیں جو اسکے آباؤ واجداد میں پائے جائیں۔ عمدہ یہی ہے کہ اس کی ذات میں کمالات بھی پائے جائیں اور آباء واجداد میں بھی۔ جس آدمی کا اپنا حسب نہ ہو اس کو آباء کے حسب کا کیا فائدہ، اپنے حسب کے ساتھ آباؤ کا حسب مفید ہوگا۔ اپنا اپنے آباؤ کا حسب بیان کرنے میں فخر بوجہ تکبر یا غیر کو حقیر سمجھنے کیلئے کرنا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ذکر کرنے کی غرض سے یا اس لئے کہ کوئی شخص میرے دینی کمالات سے فائدہ حاصل کرلے، اس غرض سے بیان کرنا جائز ہے۔

نسب میں طعن کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی کے آباؤ واجداد کو حقیر سمجھنا یا اپنے آباء کو غیر کے آباء پر فوقیت دینا، افضل سمجھنا ناجائز ہے لیکن اسلام کی وجہ سے کفار پر برتری بیان کرنا جائز ہے۔ ہاں! اگر اس میں بھی کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانی مقصود ہو تو ناجائز ہوگا جیسے کوئی شخص نومسلم کو کہے: میرے آباء مسلمان تھے، تمہارے آباء کافر تھے۔

ستاروں سے بارش حاصل کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کفار کا طریقہ تھا کہ اب ستارہ فلاں جگہ ہے، فلاں جگہ

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمۃ اللہ، باب البکاء المیت، ج1 ص150

ہوگا تو بارش ہوگی، یہ نا جائز ہے بلکہ یہ کہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے ہوتی ہے۔

نوحہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ محاسن بیان کر کے "بَیْن" کر کے رونا، ہائے شجاع، ہائے شیر، ہائے پہاڑ کی طرح مضبوط شخص وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا اور ہائے حسرت، ہائے مصیبت وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنا اور بے قراری، شور وغل وغیرہ، چلانا۔

نوحہ کرنے والی وہ عورت جو پیشہ ور ہو، جب موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس کو سب کے سامنے کھڑا کر کے ذلیل کیا جائے گا۔ یہ اس کی رسوائی جنتیوں، جہنمیوں تمام کے سامنے اس کے نوحہ کی سزا ہوگی۔ اسی طرح اس کے جسم پر رنگ سیاہ رنگ کا تیل اس طرح لگایا گیا ہوگا جیسے اس نے سیاہ قمیص پہنی ہو یا تو حقیقتاً اسے خارش اور جسم کے رگڑنے، کھرچنے کی مرض میں مبتلاء کر دیا جائے گا۔ اور اونٹوں کی طرح خارش والے جس پر تیل لگایا جائے گا یا اس کو سیاہ تیل لگا کر اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا کہ یہ دنیا میں اس طرح کا ماتمی لباس پہنتی تھی۔

سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اس کو کیوں پہنائی جائے گی؟

" وضعت ایضا سرابیل من قطران لانھا کانت تلبس الثیاب السود فی الماتم فالبسھا اللہ تعالی السرابیل لتذوق وبال امرھا" [1]

سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اس وجہ سے پہنائی جائے گی اسلئے کہ وہ دنیا میں مصیبت کے وقت سیاہ رنگ کا ماتمی لباس پہنتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسلئے سیاہ تیل کی قمیص پہنائے گا تا کہ یہ اپنے کیے ہوئے کا مزہ چکھے یعنی یہ اس کی سزا ہوگی۔

نتیجہ حدیث:

اس حدیث پاک سے ائمہ کرام نے یہ نتیجہ حاصل کیا: نوحہ کرنا حرام، میت کے کمالات گن گن کر بلند آواز سے آہ وبکا حرام ہے۔ رخسار پر طمانچے مارنا حرام، گریبان پھاڑنا حرام، بال بکھیرنا حرام، مصیبت کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے بال منڈانا یا بال اکھیڑنا حرام، چہرہ کو سیاہ کرنا حرام، چہرہ پر مٹی یا خاکستر ملنا حرام، عام عادت کے خلاف مصیبت میں علیحدہ لباس پہننا حرام۔ غرضیکہ ہر وہ کام جو اس کی بے صبری پر دلالت کرے وہ حرام ہوگا۔ ہاں! البتہ صبر کا دامن تھامتے ہوئے تین دنوں تک سوگ منانا جائز ہے۔

بغیر آواز کے رونا، آنسو بہانا جائز بلکہ رحمت ہے:

حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی نے آپ کے طرف پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا وفات

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص88

کے قریب ہے، آپ تشریف لائیں۔ نبی کریم ﷺ نے سلام کے ساتھ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ جو چیز عطا فرماتا ہے، وہ واپس بھی لئے لیتا ہے لہٰذا صبر کیا جائے اور ثواب کی امید کی جائے۔ آپ کی بیٹی نے پھر قسم دے کر پیغام بھیجا کہ آپ ضرور تشریف لاؤ۔

نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادۃ، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ حضرات بھی تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو بچے کو آپ کے سامنے لایا گیا، بچے کا سانس مضطرب تھا یعنی وفات کا وقت بہت قریب تھا کہ (آپ نے جب اس حالت کو دیکھا)

"ففاضت عيناه فقال سعد: يا رسول الله ما هذا؟ فقال هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده فانما يرحم الله من عباده الرحماء"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب البکاء علی المیت ج۱ ص ۱۵۰)

"تو آپ کی آنکھوں نے آنسوں بہانے شروع کر دیئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ کیا؟ (یعنی رونے کی وجہ کیا ہے) اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: یہ وہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر ہی رحم فرماتا ہے جو رحم کرنے والے ہوں۔"

حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کی جس بیٹی کا ذکر ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کے بیٹے جو قرب الوفات تھے، ان کا نام علی ابن ابی العاص ہے۔ جو نابالغ ہونے کے قریب عمر میں فوت ہوئے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ذکر ہے: [ان الله ما اخذ وله ما اعطى] "بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کیلئے ہی جو اس نے عطا کر دیا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو لینے کا ارادہ فرماتا ہے، یہ وہ ہی چیز ہے جو اس نے خود ہی عطا کی ہے۔ لہٰذا وہ اسی چیز کو لے رہا ہے جو اس کی اپنی ہے، پس جزع وفزع کرنا مناسب نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی ہی رکھی ہوئی امانت واپس لوٹا لے تو امین کو جزع وفزع کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اور حدیث شریف میں الفاظ مبارکہ ہیں: [وكل عنده باجل مسمى] "ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر ہے" عطا کرنے اور لینے کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح ہر ذی روح چیز کی موت وحیات کا وقت مقرر ہے۔

حدیث شریف میں الفاظ آتے ہیں: [فلتصبر ولتحسب] "یا پیغام لے جانے والے کو فرمایا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اجر طلب کرے۔ یا یہ فرمایا ہو کہ ان کو کہو کہ صبر کرو اور اجر طلب کرو۔

قرآن پاک کی ایک قرأت میں [فبذالك فليفرحوا] جس میں [فلتفرحوا] کو امر حاضر کیا گیا ہے۔ نحویوں کے اس ضابطہ کے مطابق یہ دونوں صیغے بھی امر حاضر کے ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث پاک کے ان الفاظ مبارک سے یہ مسئلہ حاصل ہوا کہ صبر کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور مصیبت کے وقت جزع وفزع سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث پاک تعزیت کے لئے کسی کے پاس جانے کے لئے ایک قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ تعزیت کا معنی ہے کسی شخص کو صبر دلانا، تسلی دینا۔ اس لفظ کو پیٹنے کے معنی میں لینا اور اس کا معنی جزع وفزع کرنا، حقیقت میں اس لفظ کے معنی سے بے خبری کی علامت ہے۔ اسی وجہ سے تعزیت کیلئے جانے والے شخص کو چاہیے کہ وہ وہاں جا کر پہلے سلام پیش کرے یعنی السلام علیکم کہے پھر "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر ان کو تسلی دے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی وفات پر نبی کریم ﷺ کا خط:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان، رحم کرنے والا ہے۔

"من محمد رسو ل اللہ ﷺ الی معاذ بن جبل سلام علیکم فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو اما بعد فاعظم اللہ لک الاجر والھمک الصبر و رزقنا و ایاک الشکر فان انفسنا و اموالنا و اھلنا واولادنا مواھب اللہ عزوجل الھنیئۃ و عواریہ المستودعۃ متع بھا الی اجل معدود و یقبضھا لوقت معلوم ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلی فکان ابنک من مواھب اللہ الھنیئۃ و عواریہ المستودعۃ متعک بہ فی غبطۃ و سرور و قبضہ منک باجر کثیر الصلاۃ و الرحمۃ و الھدی ان احتسب فاصبر ولا یحبط جزعک و اجرک فتندم واعلم ان الجزع لا یرد شیئا ولا یدفع حزنا و ما ھو نازل فکان" والسلام "(رواہ الحاکم مرقاۃ ج ۴، ص ۸۵)

(یہ خط) محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے معاذ بن جبل کی طرف، تم پر سلام ہو۔ بے شک میں تمہاری طرف اس ذات کی حمد پیش کر رہا ہوں جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں (حمد) کے بعد۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عظیم اجر عطا فرمائے اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ (صبر سے تمہاری غیبی امداد فرمائے) ہمیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ بے شک ہماری جانیں، مال، اہل وعیال سب اللہ تعالیٰ کی مبارک عطا سے ہیں۔ ہمارے پاس ایک وقت تک عاریۃ (بطور امانت) ہیں۔ ایک وقت مقرر تک اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں نفع عطا فرماتا ہے ہے اور پھر مقرر وقت پر ان کو واپس لے لیتا ہے۔ جب وہ ہمیں عطا کرے تو ہم پر شکر کرنا فرض اور اگر ہمیں آزمائش میں مبتلاء کرے تو ہمیں صبر کرنا لازم ہے۔ تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک عطا تھی اور تمہارے پاس عاریۃً (امانت) تھی۔ تمہیں اس سے ایک وقت مقرر تک قابل رشک خوشی عطا کر کے نفع پہنچایا۔ اب تم سے واپس لے کر تم کو کثیر صلوٰۃ ورحمت وہدایت پر اجر عطا کیا اگر اس نے احتساب کیا ہے تو صبر کرو اور جزع وفزع سے اپنے اجر کو ضائع نہ کرو (اس فعل پر) تمہیں ندامت ہوگی۔ یہ یقینی طور پر جان لو جزع وفزع کسی تقدیر کو ٹال نہیں سکتے اور نہ ہی کسی غم کو دور کر سکتے ہیں۔ جس چیز نے واقع ہونا ہے ہو کر رہے گی۔ والسلام۔"

سبحان اللہ!! حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کا کیسا پیارا خط؟ مختصر بھی، جامع بھی۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء، جسے خط لکھا اسے سلام بھی، اپنا اور اس کا تعارف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد، وہ بھی مطلق نہیں بلکہ فرمایا وہ حمد تمہاری طرف پیش کر رہا ہوں یعنی تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کر کے تمہیں رب کی وحدانیت اور قابلِ حمد ہونے کا تصور دلا رہا ہوں، پھر تعزیت نامہ لیکن حقیقی طور پر تعزیت کہ نصیحت بھی، صبر کی دعا بھی اور بتایا گیا کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، وہی دیتا ہے، وہی لیتا ہے۔

مالک اپنی امانت واپس لوٹائے تو اس پر واویلا کرنا سود مند نہیں بلکہ نقصان دہ لیکن رب تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ وہ امانت رکھے پھر نفع حاصل کرنے کی اجازت دے، صرف حفاظت کے لئے نہیں اور اپنی چیز واپس لیتے وقت بھی امن کو اپنی مہربانیوں اور رحمتوں سے نوازے کیونکہ انسان صبر پر عظیم اجر رحمت پاتا ہے۔ اگر اپنی ہی کوتاہیوں سے انسان رب تعالیٰ کے فیضان کو ضائع کر دے تو خود اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے خود ہی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور نوازشات کو ضائع کر دیا ہے۔ جب تقدیر ٹل نہیں سکتی اور جزع وفزع سے غم کم ہو نہیں سکتے تو چیخیں مار کر رونا پیٹنا، گریبان پھاڑنا، بال بکھرنا سیاہ کپڑے پہننا، چہرے پر طمانچے مارنا، زنجیریں مارنا اور آگ میں کودنے کی شعبدہ بازیاں کس مقصد کے لئے؟

خدارا!! انصاف کا دامن تھامتے ہوئے سید الانبیاء ﷺ کے اس خط کو مشعل راہ سمجھتے ہوئے، مصائب وآلام میں کسی کی موت وشہادت پر ایسا ہی عمل کریں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنی پند ونصائح سے عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کا اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر رونا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نزع کے عالم میں ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جانکنی میں ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا، پھر آپ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا: اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں۔ میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے، اس کے سوا کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے اللہ کی ناراضگی ہو۔ [1]

حضرت ابراہیم ستر ۷۰ دن کے تھے جیسا کہ ابوداؤد نے ذکر فرمایا کچھ اور روایات بھی ہیں۔ اتنی بات واضح ہے کہ ڈیڑھ سال سے زائد نہیں تھے۔ [2]

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2 ص 452

2۔ سنن ابی داؤد، امام سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ، ج 2 ص 101

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی روتے ہیں، آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عوف کے فرزند! جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا، یہ میت پر رحمت وشفقت کا اظہار ہے جو کہ ایسی حالت کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی وہ دو آوازوں کی بناء پر ہے: ایک وہ آواز جو گانے، لہو ولہب اور شیطانی مزامیر سے ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو۔ اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے، چہرہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے لیکن آنکھوں سے آنسو جاری ہونا رحم وشفقت کی وجہ سے ہے اور جو رحم و شفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں آیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے انہیں منع فرمایا، انہوں عرض کیا: یا سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تو آپ کو بھی روتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: [البکاء من الرحمة والصراح من الشیطان] (رونا آنسو بہانا) رحمت ہے اور چیخنا، چلانا شیطان عمل ہے۔ (1)

قبر میں نیک عمل فرشتے مکمل کراتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے فرزند ابرہیم (رضی اللہ عنہ) کی مدت رضاعت (دودھ پلانے کی مدت) پوری نہیں ہوئی تھی اس طرح وہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اس کے لئے دودھ پلانے والی دایہ مقرر کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں ہے تا کہ مدت رضاعت پوری کرے لیکن ممکن ہے کہ جنت سے مراد بھی برزخ ہی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قبر جنت کے باغوں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا۔ اس طرح نیک لوگوں کی قبر بھی جنت ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تفصیلی بحث قبر کے احوال میں آئے گی۔

بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ "مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے۔ ان کا تمسک اس حدیث کے ساتھ ہے جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ (یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔

یہ حدیث مبارکہ پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے اور سمجھنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی نعمتیں منکشف ومشہور ہوتی ہوں ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہوگی؟ (2)

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2 ص 453

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2 ص 454

فائدہ:

نبی کریم ﷺ کے یہ بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جن کا ذکر ہو رہا ہے، صرف یہ آپ کی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ کے بیٹے ہیں جن کی وجہ سے ان کی ماں کو ام ولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی کل اولاد تین بیٹے، چار بیٹیاں ہیں۔ بیٹے: قاسم، ابراہیم، عبداللہ۔ بیٹیاں: زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ (رضی اللہ عنہم) بیٹے تینوں بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہ کا ہی لقب طیب وطاہر ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا علی ابن ابی العاص جو قریب البلوغ ہو کر فوت ہوا اور ایک بیٹی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں آئیں، ان سے حضرت علی المرتضیٰ کے فرزند محمد اوسط پیدا ہوئے۔

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ پہلے حضرت رقیہ پھر ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ ان دونوں کی اولاد بھی زندہ نہ رہی۔ حضرت ام کلثوم کے دو فرزند پیدا ہوئے، جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ایک فرزند دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ان کی اولاد: امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہم ہے۔ ان میں سے محسن اور رقیہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک فرزند پیدا ہوا، اس کا نام زید تھا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات:

① ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
② ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا
③ ام المومنین سیدہ زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا
④ ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا
⑤ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا
⑥ ام المومنین سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا [2]
⑦ ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
⑧ ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا
⑨ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا
⑩ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا
⑪ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نبی کریم ﷺ کے چچا:

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص460

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص464

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے تیرہ یا بارہ لڑکے تھے۔ ایک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حضور کے والد مکرم ہیں۔ آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے۔ زمانہ فترت (عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان والا زمانہ) میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان تھا، بت پرست نہیں تھے۔ ہونا بھی یہی تھا جب کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا۔

حضرت عبدالمطلب کے باقی بیٹے: (حضرت عبداللہ والد حضور) حارث، ابوطالب ان کا نام عبد مناف ہے۔ زبیر، اس کی کنیت ابوالحارث تھی۔ حمزہ رضی اللہ عنہ، ابولہب اس کا نام عبدالعزیٰ، عیداق، مقوم، ضرار، عباس رضی اللہ عنہ، قثم، عبدالکعبہ، حجل۔

بعض نے کہا کہ گیارہ چچا ہیں، وہ مقوم کو ساقط کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں سے صرف دو حضرات حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں:

ام حکیم ان کا نام بیضاء ہے، برہ، عاتکہ۔ یہ ایک ماں سے ہیں، جن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران مخزوم ہے۔ صفیہ، یہ اور حمزہ، مقوم اور حجل ایک ماں سے ہیں جن نام ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ ہے۔

آپ کے پھوپھیوں میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بالاتفاق مسلمان ہوئیں اور ہجرت کرنے والی عورتوں میں ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ یہ غزوۂ خندق میں موجود تھیں۔ ان کو ایک یہودی نے شہید کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کیا، آپ کی پھوپھی عاتکہ کے ایمان لانے میں اختلاف ہے۔ امیمہ جو عبداللہ بن جحش، ام المؤمنین زینب جحش رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں۔

اس طرح آپ کی پھوپھی برہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد کی ماں ہے جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شوہر تھا۔ اور ایک پھوپھی کا نام ''اروی'' ہے۔ [2]

میت کی پیشانی کو چومنا:

''عن عائشة قالت ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قبل عثمان بن مظعون وهو ميت و هو يبكي حتى سال دموع النبي صلی اللہ علیہ وسلم علي وجه عثمان'' [3]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (کی پیشانی) کو ان کے فوت ہونے کے بعد چوما، ایسے حال میں

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص492

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص492

3۔ ترمذی شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب مایقال عند من حضرہ الموت ج1 ص140

کہ آپ رو رہے تھے یہاں تک نبی کریم ﷺ کے آنسو مبارک حضرت عثمان بن مظعون کے چہرہ پر گر رہے تھے۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں: ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے، زمانہ جاہلیت میں بھی انہوں نے اپنے آپ پر شراب حرام کیا ہوا تھا۔ ہجرت کے تیس ماہ بعد مہاجرین میں سے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں فوت ہونے والے یہی ہیں۔ آپ کو جب دفن کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نعم السلف هو لنا" "ہم سے پہلے جانے والا ہمارے لئے بہتری کا سبب ہے۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ عابد، مجتہد اور جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں۔ [1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کی پیشانی کو چومنا:

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: [اتاه من قِبَل رأسه فحدر فاه وقبّل جبهه] "نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کی وفات کے بعد حاضر ہوئے۔ آپ کے سر مبارک کی جانب سے آ کر اپنا منہ نیچے کر کے آپ کی پیشانی کو چوما۔ یہی عمل آپ نے تین مرتبہ کیا۔" [2]

ابن ابی شیبہ نے اس واقعہ کی روایت بیان کی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، وہ فرماتے ہیں:

[فوضع فاه علی جبین رسول الله ﷺ فجعل یقبّله ویقول بابی انت وامی طبت حیا و میتا]

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا منہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک پر رکھا اور چومنا شروع کیا اور آپ رو رہے تھے، یعنی فقط آنسو بہا رہے تھے۔ کوئی چلانا، واویلا کرنا نہیں تھا اور یہ کہہ رہے تھے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کی موت وحیات کیسی ہی پاکیزہ ہے؟" [3]

❁ ✱✱✱ ❁ ✱✱✱ ❁

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 16

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 414

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 17

غسلِ میت کا بیان

میت کو غسل دینے کے مسائل:

مسئلہ نمبر ۱:

غسل دیتے وقت میت کے کپڑے اتار دیئے جائیں۔ایک کپڑا اس کی عورت (تنگیز) پر رکھ دیا جائے یعنی گھٹنے سے ناف تک۔ (۱)

یہ کپڑا کیوں رکھا جائے،اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:[لا تنظر الی فخذ حی ولا میت] ”تم کسی زندہ یا مردہ کی ران کو نہ دیکھو۔“ اس کی وجہ ہے کہ موت سے انسان کا تنگیز ختم نہیں ہو جاتا بلکہ زندہ کی طرح ہی رہتا ہے غسل دیتے وقت کپڑوں کو اتارنا اس لئے ہوتا ہے کہ اچھے طریقہ سے اس انسان کو صاف ستھرا کیا جا سکے کیونکہ غسل سے اصل مقصد ہی پاک کرنا،صاف ستھرا کرنا ہے۔یہ مقصد کپڑوں کے ہوتے ہوئے حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو قمیص میں غسل دینا آپ کی خصوصیت ہے۔اس لئے آپ کو جب غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ کرام نے خیال کیا کہ کپڑوں میں غسل دیا جائے۔(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی سوچ تھے) کہ:

”فسمعوا من ناحیة البیت اغسلوا رسول الله ﷺ وعلیه ثیابه“ (۲) ”انہوں نے گھر کے ایک زاویہ (کونہ) سے غیبی آواز سنی کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں ہی غسل دو۔“

اس طرح آپ ﷺ کو قمیص پہننے کی حالت میں ہی غسل دیا گیا۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو صرف اس لئے غسل دیا گیا کہ امت کو صحابہ کرام کی سنت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی سنت کا ثواب بھی حاصل ہو۔

1۔ ہدایہ،امام ابوبکر فرغانی مرغینانی،ج1،ص154

2۔ حوالہ مذکورہ

اور آپ کو غسل پاک کرنے کے لئے دیا ہی نہیں گیا: [لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان طاھرا حیا و میتا] ''اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ۔'' (1)

مسئلہ نمبر ۲:

غسل دینے والا شخص اپنے ہاتھوں پر کپڑا چڑھالے کیونکہ جس طرح انسان کے بعض جسم کو دیکھنا منع ہے، اسی طرح اس حصہ کو ننگے ہاتھوں سے چھونا بھی منع ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میت کو پہلے استنجا کرایا جائے۔ خیال رہے کہ کپڑے اتارنے یا غسل کے وقت عورت کا بقیہ جسم عورت کو دیکھنا جائز ہوگا۔ البتہ ولادت کے وقت دایہ کو مقام استنجاء دیکھنا یا عذر کی وجہ سے چھونا یا طبیب کا چھونا جائز ہوگا۔ (2)

دیہاتوں میں عورتیں ایک دوسری عورتوں کے سامنے ننگے ہو کر کپڑے دھوتی رہتی ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورت کا عورت کے سامنے بھی جسم کا ننگا نہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر ۳:

غسل دیتے وقت سب سے پہلے وضو کرایا جائے، جیسے نماز میں وضوء کیا جاتا ہے۔ البتہ کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا مشکل ہے کیونکہ میت کی طاقت میں نہیں کہ وہ پانی باہر نکالے۔ البتہ جیسے عمل اس پر ہو رہا ہے وہی صورت بہتر ہے کہ کوئی کپڑا وغیرہ تر کر کے اس کے دانتوں اور ہونٹوں کے اندرونی حصہ پر ملا جائے، اسی طرح پانی سے تر کیا ہوا کپڑا ناک کے سوراخوں میں مل دیا جائے۔

وضو ہر میت کو کرایا جائے گا، خواہ وہ پاکیزہ گی کے حال میں فوت ہوا ہے یا جنابت کے حال میں۔ اسی طرح خواہ عقلمند تھا یا مجنون (پاگل) کیونکہ جس طرح میت کو پاکیزہ کرنے کے لئے غسل دیا جاتا ہے، اسی طرح میت کو غسل دینے اور کفن دفن کے انتظام کرنے میں میت کا زندہ پر حق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں غرق ہو کر فوت ہو گیا تو پھر بھی اسے غسل دیا جائے گا اس لئے کہ زندہ لوگ اپنا حق ادا کریں۔ (3)

مسئلہ نمبر ۴:

میت کو جس پانی سے غسل دیا جائے، مستحب یہ ہے کہ اس میں بیری کے پتے ڈال کر پانی کر جوش دیا جائے کیونکہ اس

1۔ فتاوی عالمگیری المعروف فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ فی الجنائز، ج1، ص158
2۔ فتاوی شامی، امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1، ص632
3۔ فتاوی شامی، امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1، ص631

سے میل اتارنے چمڑے کو نرم کرنے اور جسم کو کیڑے مکوڑے سے بچانے میں مدد ملتی ہے۔ اگر پتے آسانی سے دستیاب ہوں تو بہتر ورنہ خالص پانی ہی ابال لیا جائے۔ اسی طرح گل خطمی (عراق میں ایک پودا پایا جاتا ہے) اگر میسر ہو تو اس سے سر اور داڑھی کو دھویا جائے ورنہ صابن ہی استعمال کرنا کافی ہے۔ ❶

﴿ میت کو غسل دینے کا طریقہ ﴾

مسئلہ نمبر ۵:

میت کو غسل دیتے وقت اس طرح لٹایا جائے کہ میت کی بائیں جانب تختے کی طرف ہو اور دائیں جانب اوپر تاکہ غسل کی ابتداء دائیں جانب سے ہو سکے، یعنی وضوء کرانے اور سر پر پانی بہانے کے بعد دائیں جانب پانی ڈالا جائے کہ وہ پانی بائیں جانب نیچے تک پہنچ جائے۔ پھر دائیں جانب کو نیچے کیا جائے اور بائیں جانب کو اوپر۔ اب بائیں جانب پر اس طرح پانی بہائے کہ نیچے حصہ تک پانی پہنچے۔ دائیں یا بائیں جانب سے مراد پوری کروٹ پاؤں تک مراد ہے۔

دونوں جانبوں کو دھونے کے بعد میت کو سہارا دے کر سیدھا کیا جائے جیسے کسی کو بٹھایا جاتا ہے، پھر میت کو آہستہ آہستہ ملا جائے۔ اگر پیٹ سے کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھویا جائے، وضوء یا غسل لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کفن دینے کے بعد کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھونے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ میت کو وضوء اس لئے نہیں دیا جاتا کہ وہ بے وضوء ہے بلکہ اس کو نجاست سے پاک کرنے کے لئے وضوء اور غسل دیا جاتا ہے۔ ❷

لہٰذا میت کے وضوء کو زندہ کے وضوء کی طرح نہ سمجھا جائے۔ عام طور پر میت کے ناک وغیرہ سے خون نکل آئے تو کہا جاتا ہے کہ میت کا وضوء قائم نہیں رہا، یہ غلط ہے۔ میت کو ایک مرتبہ وضوء اور غسل دینا کافی ہے۔ اگر ناک یا منہ سے خون نکل آئے تو صاف کر لیا جائے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر ۶:

غسل دینے کے بعد میت کے جسم کو کسی رومال (تولیہ) وغیرہ سے صاف کر لے تاکہ کفن پانی سے تر نہ ہو۔ پھر میت کے سجدہ والے اندام پر خوشبو لگائی جائے یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں، دونوں پاؤں پر خوشبو لگائی جائے۔ البتہ زعفران اور ورس (ایک پودے کا نام) کو بطور خوشبو استعمال نہ کیا جائے کیونکہ ان میں خوشبو کے ساتھ ساتھ رنگ بھی ہوتا

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ فی الجنائز ج 1، ص 158

2۔ ہدایہ، امام ابوبکر فرغانی مرغینانی، ج 1، ص 255

ہے جو زیب و زینت پر دلالت کرتا ہے۔ میت کو زینت کی ضرورت نہیں، اسی وجہ سے کنگھی نہ کی جائے، ناخن نہ کاٹے جائیں، دبال نہ کاٹے جائیں۔

مسئلہ نمبر ۷:

اگر عورت فوت ہو جائے تو اسے غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو بلکہ ایسی جگہ اس کی وفات ہوئی ہو جہاں تمام مرد ہی ہیں تو دیکھا جائے اگر کوئی محرم مرد ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس عورت کو تیمم کرا دے۔ اور اگر اجنبی آدمی ہے تو وہ اپنے ہاتھوں پر کپڑا چڑھا لے اور تیمم کرا دے اور کلائیوں پر مسح کرتے وقت اپنی آنکھوں کو بند کر لے۔ یہی صورت ہو گی اگر مرد فوت ہو جائے وہاں کوئی مرد نہ ہو تو محرمہ عورت یا اجنبیہ عورت اسی مذکورہ صورت پر تیمم کرائے۔ ❶

مسئلہ نمبر ۸:

خاوند اپنی زوجہ کو نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ اسے چھو سکتا ہے کیونکہ زوجہ کی وفات سے خاوند کے حقوق زوجیت ختم ہو جاتے ہیں وہ اجنبی کی حیثیت سے ہو جاتا ہے جو حکم عام اجنبی مرد کا ہو گا، وہی خاوند کا ہو گا۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا؟

صحیح روایت تو یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دیا، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش بھی کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا ادب واحترام فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غسل، کفن و دفن کے انتظامات کئے تھے اس لئے آپ کی طرف غسل دینا منسوب ہو گیا۔

جیسے کسی بادشاہ کے متعلق کہا جائے یہ محل اس نے بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے اس نے حکم دیا ہے تعمیر راج حضرات نے کیا ہے۔ ایسے آپ نے حکم دیا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا لیکن اگر روایت غسل دینے والی ثابت ہو بھی جائے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہے کیونکہ اس روایت کے مطابق ہی جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ آپ نے غسل کیوں دیا؟ تو آپ نے جواب دیا:۔

"اما علمت ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فاطمة زوجتك في الدنيا والاٰخرة" ❸ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ تمہاری زوجہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

1۔ فتاویٰ شامی، امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج 1، ص 633 2۔ ایضاً

3۔ المعجم الکبیر، رقم: 2633 تا 2635 ...... وحدیث 11621 ...... کنز العمال رقم: 31914 .... السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، ج 7 ص 114 .... فتاویٰ شامی، امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج 1، ص 633

یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے باوجود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ختم نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کا نکاح باقی تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ [لقوله عليه السلام كل سبب و نسب ينقطع بالموت الا سببى و نسبى] ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر سبب ونسب موت سے ختم ہوجاتا ہے سوائے میرے سبب ونسب کے،یعنی تعلق سببی ونسبی کے۔ (1)

تعلق سببی سے مراد زوجیت کا تعلق اور مصاہرت کا تعلق، داماد کا تعلق سسرال سے اور سسرال کا تعلق داماد سے ''مصاہرت کا تعلق'' کہلاتا ہے۔

نسبی تعلق سے مراد خاندانی تعلق یعنی آباء واجداد سے تعلق۔اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق سببی قائم جائے جو منقطع نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ یہ مزید تعلق کے استحکام کے ارادہ سے کیا ورنہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سسر ہونے کا تعلق پہلے ہی حاصل تھا کہ کیونکہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیٹی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۹:

عورت کا خاوند فوت ہوجائے تو کوئی مرد غسل دینے والا نہیں تو زوجہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے،اس لئے کہ خاوند کے فوت ہونے کے بعد زوجہ چار مہینے دس دن تک حکم نکاح میں ہوتی ہے لیکن زوجہ کے فوت ہونے پر خاوند اجنبی کی حیثیت میں ہوجاتا ہے، جیسے پہلے مذکور ہوچکا ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر ۱۰:

اگر خاوند نے زوجہ کو طلاق بائن دے دی یا تین طلاقیں دیں،اس کے بعد خاوند فوت ہو تو اب اسے غسل نہیں دے سکتی، اس لئے کہ اسے تین طلاقوں یا طلاق بائن سے مکمل جدا کر دیا گیا تھا۔اب وفات کے بعد احکام نکاح جاری نہیں ہوں گے۔ (3)

مسئلہ نمبر ۱۱:

اگر جسم کا نصف حصہ بمع سر کے مل جائے تو غسل دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔اگر نصف سے کم حصہ جسم کا بمع سر حاصل ہوا یا بغیر سر کے جسم حاصل ہو تو غسل اور جنازہ نہیں ہوگا۔ (4)

1۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1،ص 633

2۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1،ص 634

3۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1،ص 634

4۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1،ص 634

فوائد متفرقہ:

① سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا، وہی سنت تا قیامت آپ کی مسلم اولاد میں جاری رہے گی۔ (1)

② اگر مسلمانوں کے ملک میں کوئی لاش ملے، اس کے متعلق معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے یا کافر تو اسے غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ مسلمانوں کے ملک میں پایا جانا دلالت کرتا ہے کہ غالب گمان اس کے مسلمان ہونے کا ہی ہے۔ اگر مسلمانوں کا ملک نہ ہو تو پھر نہیں کیونکہ اب غالب خیال یہی ہوگا کہ کافروں کا ملک ہے اسے لئے میت بھی کافر ہی ہوگا۔ (2)

③ اگر کفار اور مسلمانوں کی لاشیں ملک جل جائیں تو دیکھا جائے اگر مسلمانوں کی کوئی علامات پائی جائیں تو ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھایا جائے گا۔ اگر مسلمانوں والی نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ یہاں کتنے مسلمان تھے اور کتنے کافر؟ اور لاشوں سے پتہ چل گیا کہ ان میں مسلمان زیادہ ہیں تو ان کا جنازہ پڑھایا جائے گا۔ جنازہ چونکہ مسلمان کفار تمام کو سامنے رکھ کر پڑھایا جائے گا اسلئے نماز جنازہ اور دعا میں فقط مسلمانوں کی نیت کرے گا، کفار کی نہیں۔ (3)

④ جو شخص میت کو غسل دے بعد میں اسے خود غسل کرنا مستحب ہے یعنی غسل کرنے سے اسے ثواب ہوگا' اگر غسل نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ (4)

⑤ میت کو جنبی آدمی یا حیض والی عورت کا غسل دینا مکروہ ہے۔ (5)

⑥ میت کو غسل دینے والا میت کا قریبی رشتہ دار ہو تو بہتر ہے۔ (6)

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دیا۔ ایک آپ کے چچا زاد اور دوسرے چچا ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ غسل دیتے وقت آپ کے جسم اطہر سے کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جیسے کہ دوسرے لوگوں کے پیٹ وغیرہ سے خارج ہوتی ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور وفات میں بھی۔ (7)

مروی ہے کہ غسل کے وقت حضور اکرم کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشہ میں پانی جمع ہوگیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس

1- فتاویٰ ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1، ص158   2- حوالہ مذکورہ

3- حوالہ مذکورہ   4- حوالہ مذکورہ

5- فتاویٰ ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1، ص159   6- حوالہ مذکورہ

7- حوالہ مذکورہ

پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ اسکو میرے کفن میں لگانا کیونکہ یہ خوشبو رسول کی خوشبو سے بچائی ہوئی۔ [1]

⑦ میت کو غسل دیتے وقت اگر جسم کا وہ حصہ ننگا ہو جائے جس کو ڈھانپنا ضروری ہوتا ہے تو اس کو ڈھانپ دیا جائے۔ [2]

⑧ میت کے جسم پر کوئی عیب نظر آئے تو وہ لوگوں کے سامنے نہ بیان کیا جائے۔ [3]

⑨ اگر میت کا چہرا سیاہ ہو جائے لیکن وہ میت بدعتی ہونے میں، گناہوں میں مبتلاء ہونے میں، گستاخی اولیاء کرام، صحابہ کرام میں، گستاخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور نہیں تھا تو اس کا لوگوں کے سامنے تذکرہ نہ کر کیا جائے لیکن اگر وہ ان مذکورہ عیوب میں مشہور تھا، پھر اس کا موت کے وقت چہرا سیاہ ہو گیا ہو تو لوگوں کو بتانا چاہیے تا کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ [4]

اگر کسی گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موت پر اعلان کیا جائے کہ حضرت شیخ القرآن کے چہرہ کی زیارت کرائی جائے گی۔ پھر کہا جائے کہ جنازہ کے وقت زیارت کرائی جائے گی۔ پھر کہا جائے دفن کے وقت زیارت کرائی جائے گی لیکن کسی ایک وعدہ کو بھی پورا نہ کیا جائے بلکہ بغیر منہ دکھانے کے دفن کر دیا جائے تو اس کے متعلق لوگوں کو بتانا یہ بہتر ہے تا کہ دوسرے سبق حاصل کریں کہ ہاں! واقعی!!!

یہ میت ہے کسی گستاخ رسول کی   چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہے

⑩ اگر کوئی نیک آدمی فوت ہو تو اس کا چہرا چمک رہا ہو یا بوقت غسل وغیرہ بعد از موت چہرے پر تبسم ہو تو اس کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا جائے تا کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح عمل کریں۔ [5]

راقم الحروف (مصنف) لاہور محلہ کرم نگر بالمقابل بادامی باغ کھوکھر روڈ مسجد نورانی محمدیہ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ مسجد کے ساتھ ملحق مکان کے مالک میاں سراج صاحب جنہوں نے اپنا تعمیر شدہ مکان مسجد کی توسیع کے لئے دے کر اپنی ہی متصل زمین میں پچھلی جانب نیا مکان بنا لیا تھا۔ اسی مکان میں رہائش پذیر تھے، سحری جاگ کر بلند آواز

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص433

2۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1، ص159

3۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1، ص159

4۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1، ص159

5۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1، ص636

سے: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ'' پڑھتے تھے۔ گرمیوں میں وہ مسجد کے متصل اپنے مکان کی چھت پر سوتے تھے جب کہ میرا (مصنف کا) کمرہ بھی مسجد کے وضوء خانہ کے اوپر تھا آمنے سامنے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے جاگنے سے باخبر ہوتے تھے کبھی وہ پہلے جاگتے تو صبح کی نماز میں مسکراتے ہوئے فرماتے'' آج پچھے چھوڑ دتا نا جی'' (آج میں نے آپ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے)

ایک دن صبح کی آذان کے بعد اور نماز سے پہلے مجھے گھر بلایا گیا اور مجھے اس اللہ کے نیک بندے نے کہا کہ مولوی صاحب میرے پاس بیٹھ کر پڑھو۔ میں نے پڑھنے سے پہلے پوچھا: کیابات ہے؟ کوئی تکلیف ہے تو فرمایا: ہاں سینہ پر درد ہے' یہ کہہ کر پھر اپنے معمول کے مطابق .... ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یارسول اللہ'' ...... پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ درود شریف پڑھتے دوسری مرتبہ کہتے:

''مدینہ والی سوہنی سرکار میں بڑا گناہ گار آں میرے ولے (طرف) نظر کرم فرماؤ''

میں نے سورۃ یٰسین کی چند ابتدائی آیات مبارکہ پڑھیں تو دیکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ صحیح سچا اور پکا عاشق رسول درود پاک پڑھتے ہوئے ایک بلغمی قے سے خالق حقیقی سے جاملا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اللہ تعالیٰ اس شخص کے مدارج بلند فرمائے، مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اللہ میرے جیسے گناہ گار سیاہ کار کو بھی ایسا ہی مقام عطا فرمائے۔ اور دوسرے حضرات کو بھی اللہ تعالیٰ ایسے ہی اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

مردے کا غسل سے قبر تک حالات کا سننا اور جاننا:

''عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال: ان المیت یعرف من یغسله ومن یحمله ومن یکفنه ومن یدلیه فی حفرته'' (مسند احمد، طبرانی بحواله مرقاة باب المشی بالجنازة و الصلوة علیها ج۱ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی ۱٤٦)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت اپنے غسل دینے والے، اٹھانے والے، کفن دینے والے، اور قبر میں اتارنے والے کو پہچانتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت اپنے کفن دینے والے کو پہچانتا ہے اور اگر مرتے وقت اس کو روح وایمان کی بشارت دی گئی ہے تو اپنے اٹھانے والے سے جلدی چلنے کی گذارش کرتا ہے اور اگر جہنم رسید ہونے کی اسے اطلاع دی گئی ہے تو وہ اسے روک رکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ [1]

1۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ، بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 146

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میت ہر چیز کو پہچانتی ہے حتیٰ کہ اپنے غسل دینے والے سے کہتی ہے کہ آہستہ غسل دو۔ اور فرشتہ اس کو چار پائی پر کہتا ہے: تو لوگوں کی زبانی اپنی تعریف سن! (وہ تیرے متعلق کیا کہتے ہیں) ❶

حضرت عبید بن مرزوق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی............ جو مسجد کی صفائی کرتی تھی ....وہ فوت ہوگئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

ایک دن آپ اس کی قبر سے گذرے تو پوچھا: یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ام محجن رضی اللہ عنہا کی، آپ نے فرمایا: وہی جو مسجد کی صفائی کرتی رہتی تھی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے صف باندھ کر اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی.................. کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے افراد کے تمام ولیوں سے زیادہ قریبی ولی تھے۔ ولی کی اجازت کے بغیر اگر نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو ولی کو جنازہ لوٹانے کا اختیار ہے۔.................... آپ نے فرمایا: اے عورت!! تو نے کونسا عمل اچھا پایا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ سنتی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس زیادہ سننے والے نہیں۔ مروی ہے کہ اس نے جواب دیا سب اعمال سے اچھا عمل مسجد کی صفائی ہے۔ ❷

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں قیام فرماتے۔ چنانچہ بدر میں بھی آپ نے تین دن قیام فرمایا۔ تیسرے دن حکم فرمایا: آپ کی سواری لائی جائے۔ پھر آپ سوار ہوئے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شائد کسی کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ آپ اس کنویں پر تشریف لائے، جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں!! بعض روایتوں میں مزید وضاحت ہے کہ فرمایا: اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے ابوجہل بن ہشام، مثلاً اسی طرح کچھ نام لئے۔ فرمایا کہ تمہیں یہ خوش معلوم نہیں کہ تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے۔ اب جب کہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو، پھر فرمایا: بلاشبہ ہم نے اسے حق سے پالیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی اسے حق سے پالیا ہے؟ جو تم سے عذاب کی وعید فرمائی گئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے کنویں میں پڑے ہوئے لوگو!! تم بدخویش اور عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگ تصدیق کرتے ہیں۔

اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان جسموں کو مخاطب فرمارہے ہیں، جن میں روحیں

1۔ ابن ابی الدنیا بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 147

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، ج 1، ص 145.................شرح الصدور، امام سیوطی رحمہ اللہ، ص 147

نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں، جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں۔ وہ خوب سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ (1)

فائدہ: جاننا چاہیے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ (بخاری و مسلم کا اس پر اتفاق) ہے اور مردوں کے سننے اور ان کو علم وشعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے کیونکہ جو کچھ حضور ﷺ نے خطاب فرمایا، ان کا علم ان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح صحیح مسلم حدیث میں ہے کہ دفنانے والے جب مردہ کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان کو سلام کرو اور اس میں ان کو خطاب کرو اور کہو: اے رہنے والو! تم پر سلام ہو۔ اے مسلمانو! تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور انشاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔ (مزید بحث زیارت قبور کی بحث میں آئے گی۔) (2)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنازے کو لوگ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے: جلدی چلو!! اور اگر برا ہوتا ہے تو کہتا ہے: افسوس!! کہاں لئے جاتے ہو؟ انسان کے علاوہ ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (3)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت کو اس کے تخت پر رکھ کر تین قدم چلا جاتا ہے، وہ بات کرتی ہے۔ انسان و جن کے سوا جو چاہے اس کے کلام کو سن سکتا ہے۔ مردہ کہتا ہے: اے میرے بھائیو! اے میرے نعش کو اٹھانے والو!! دنیا تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے جیسے مجھ کو ڈالا اور زمانہ تم سے کھیل نہ کرے جیسے مجھ سے کیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا، وارثوں کے لئے چھوڑ دیا اور قرض دینے والے قیامت کے دن مجھ سے جھگڑا کریں گے اور حساب کریں گے اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ (4)

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور تاریخ ابن نجار میں ابو محمد بن نجار سے (یہ مروزی کے ساتھیوں میں تھے بلکہ خلال ان کو مروزی سے افضل کہتے ہیں) مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ایک مردہ کو غسل دیا۔ میں غسل دے رہا تھا کہ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: اے ابو محمد! اس دن کے لئے اچھی تیاری کر لو، واللہ اعلم۔ (5)

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 147
2۔ مدارج النبوت، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 2، ص 95
3۔ بخاری و مسلم بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 148
4۔ ابن ابی الدنیا بحوالہ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 148
5۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 149

فصل ششم

میت کے کفن کا بیان

مرد کا کفن:

مرد کا کفن تین کپڑے ہیں: (۱) قمیص (۲) لفافہ (۳) عمامہ

ازار اگرچہ کمر میں باندھنے والی چادر کو کہتے ہیں۔ جیسے عام طور پر دیہاتوں میں شلوار کی جگہ چادر استعمال ہوتی ہے، وہ ازار ہے لیکن میت کے کفن میں استعمال ہونے والی ازار وہ چادر ہے جو انسان کے سر سے لے کر قدم تک ہو۔

قمیص: یہ گردن سے لے کر قدم تک ہوتی ہے۔ اس میں آستین اور طرفوں میں عام قمیص کی طرح سلائی نہیں ہوتی۔

لفافہ: یہ چادر ہے جو انسان سے بڑی ہوتی ہے یعنی پاؤں اور سر کی جانب سے تھوڑی زائد ہونی چاہیے تاکہ میت کو صحیح لپیٹا جاسکے اور اوپر نیچے سے باندھا جاسکے۔ (۱)

عمامہ: یعنی پگڑی کا استعمال مکروہ ہے، اگرچہ متاخرین فقہاء کرام نے علماء و اشراف کے لئے پگڑی کا استعمال جائز ہے قرار دیا ہے، تاہم تین کپڑوں میں کفن دینے پر اکتفاء کرنا بہتر ہے لیکن علماء، بزرگانِ دین، دین داری میں جاہ و جلال رکھنے والوں کو اگر پگڑی باندھ دی جائے کسی حد تک جواز ملتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱:

اگر میت نے وصیت کی ہو کہ مجھے صرف دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ سنت کے مطابق اسے تین کپڑوں میں ہی کفن دیا جائے گا۔ ہاں اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھے چار کپڑوں میں کفن دینا یعنی مجھے پگڑی بھی باندھنا تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے واقد رضی اللہ عنہ کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا۔ تین چادریں ایک قمیص اور ایک پگڑی۔ آپ کی ٹھوڑی کے نیچے کو گھما کر لپیٹا گیا۔ (۲)

1۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج 1، ص 637

2۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج 1، ص 637

کفن سفید، صاف ستھرا ہو:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اذا کفن احد کم اخاه فلیحسن کفنه] ''جو تم اپنے بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو۔

ایک اور روایت میں ہے، ابن عدی رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں: [احسنوا اکفان موتاکم فانهم یتزاورون فی قبورهم] ''اپنے مردوں کو اچھا کفن پہناؤ کیونکہ وہ قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

لیکن ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' [لا تغالوا فی الکفن فانه یسلب سلبا سریعا] ''میت کو بہت مہنگا کفن نہ پہناؤ کیونکہ یہ جلدی ہی ضائع ہو جانے والی چیز ہے۔''

اب ان دونوں حدیثوں کا اتفاقی مضمون اس طرح ہوگا کہ کفن سفید ہو، صاف ستھرا ہو، مقدار کے مطابق ہو کیونکہ مردے قبروں میں جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں تو اپنے اچھے کفنوں پر فخر کرتے ہیں لیکن بہت قیمتی کفن نہ خریدا جائے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے اس پر چرچا کیلئے کہ فلاں نے اتنا مہنگا کفن اپنے مردہ کو پہنایا ہے، اس طرح کی حرکات سے اجتناب کیا جائے۔ بعض فقہاء کرام نے ذکر فرمایا: مرد کو ایسا کفن پہنایا جائے جیسے کپڑے وہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں استعمال کرتا تھا اور عورت کو ایسا کفن پہنایا جائے جیسے وہ والدین کی زیارت کے لئے کپڑے پہنا کرتی تھی۔ (1)

عورت کا کفن:

عورت کا کفن پانچ کپڑے ہیں:

(1) ازار (2) قمیص (3) لفافہ (4) خمار (5) خرقہ

پہلے تین کپڑوں کی وضاحت مرد کے کفن ہو چکی ہے۔ عورت کے وہ تین کپڑے بھی اسی طرح ہوں گے۔

خمار: دوپٹہ جس کی مقدار تین ذراع (ڈیڑھ میٹر) جس کو سر پر اور چہرہ پر رکھا جائے گا لپیٹا نہیں گا۔

خرقہ: اس کو سینہ بند کہا جاتا ہے یہ سینہ سے لیکر رانوں تک ہوگا۔ جو لپیٹ دیا جائے گا۔

تنبیہ:

یہاں تک مرد اور عورت کا کفن جو بیان کیا گیا ہے وہ کفن سنت ہے یعنی کفن کی تین قسمیں ہیں:

(1) کفن سنت (2) کفن کفایہ (3) کفن ضرورۃ (2)

1۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ج 1 ص 636 .... مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3 ص 346

2۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ج 1 ص 637

کفن سنت کا ذکر ہو چکا ہے، مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کیلئے پانچ ہیں۔ کفن کفایہ یہ ہے کہ کپڑا میسر ہونے کے باوجود مقدار کم کی جائے یہ سنت کے خلاف ہوگا لیکن جائز ہوگا۔

مرد کا کفن کفایہ دو کپڑے ہیں یعنی ازار اور لفافہ (دونوں چادریں) اور عورت کا کفن کفایہ تین کپڑے ہیں دو چادریں اور ایک دوپٹہ۔

بغیر کسی مجبوری کے مرد اور عورت دونوں کا کفن اس سے کم کرنا مکروہ ہوگا۔ اتنی مقدار میں یعنی مرد کو دو چادروں کا کفن پہنانا اور عورت کو دو چادروں اور دوپٹہ کا کفن پہنانا جائز ہوگا لیکن سنت کے خلاف ہوگا۔ (1)

کفنِ ضرورۃ:

خواہ مرد ہو یا عورت ہو کپڑا میسر نہ ہو تو جتنی مقدار میں جتنا بھی کپڑا مل جائے وہ استعمال کرایا جائے۔ اس مجبوری اور عذر کے پیش نظر یہ کفن جائز ہوگا، مکروہ نہیں ہوگا، سنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ (2)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس افطار کے لئے طعام لایا گیا کہ آپ روزہ دار تھے۔ اس وقت آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ مجھ سے بہتر تھے کہ حالت فقر میں ان کو شہادت نصیب ہوئی۔.................. یہ آپ نے عاجزی وانکساری کے طور پر کہا کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور عشرہ مبشرہ دوسروں سے افضل ہیں۔.................. آپ نے ان کی شہادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں فرمایا کہ ان کو جب شہید کیا گیا:

"کفن فی بردۃ ان غطی رأسہ بدت رجلاہ و ان غطی رجلاہ بدا رأسہ ...."

(مشکوۃ، باب الغسل المیت و تکفینہ)

"ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا وہ بھی جب چادر کو پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر ننگا ہو جاتا اور جب سر کی طرف کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے آخر کار چادر سے سر کو ڈھانپ دیا گیا اور اذخر (ایک گھاس کا نام) کو پاؤں پر ڈالا گیا۔"

اسی طرح حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی جب میدان احد میں شہید کر دیا گیا تو آپ کو بھی ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا۔ جیسا کہ روایت میں مذکور ہے: لما روی ان حمزۃ رضی اللہ عنہ کفن فی ثوب واحد" (3)

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری کتاب الصلوۃ فی الجنائز، ج1، ص160

2۔ ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، ج3، ص115

3۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ج2، ص251

کفن پہنانے کا طریقہ:

چار پائی پر پہلے بڑی چادر بچھائی جائے، پھر چھوٹی چادر۔ اس کے بعد قمیص کو اس طرح رکھا جائے کہ نیچے والا حصہ چادر پر ہو اور اوپر والا حصہ چار پائی کے سرہانے کی طرف کر دیا جائے، پھر میت کو چار پائی پر لٹایا جائے۔ قمیص کو پھاڑ کر جو حصہ گلا بنایا گیا تھا، اس سے میت کے سر کو گذار دیا جائے۔ پھر قمیص کی ایک طرف جو سرہانے کی جانب کی تھی، وہ میت کے سینہ اور پیٹ وغیرہ پر کر دی جائے۔ پھر چادروں کو پہلے بائیں جانب سے لپیٹا جائے، پھر دائیں جانب سے تاکہ کفن کی دائیں جانب لپیٹ میں اوپر رہے۔

عورت کو تین کپڑے پہناتے وقت تو اسی طرح رکھے جائیں۔ البتہ جب قمیص پہنائی جائے تو اس کے اوپر عورت کے بال دو حصے کر کے ان کی مینڈھیاں بنا کر ایک حصہ کے طرف اور دوسرا حصہ دوسری طرف کیا جائے۔ پھر دوپٹہ بالوں کے اوپر کر دیا جائے۔ سینے بند قمیص اور چھوٹی چادر کے اوپر کیا جائے اور بڑی چادر کے نیچے کیا جائے۔ (1)

مسئلہ نمبر۲:

اگر کفن کے کھلنے کا خطرہ ہو تو اسے گرہ لگا دی جائیں۔ جیسے عام طور پر میت کے وسط میں کپڑے کے ایک دھاگے سے باندھ دیا جاتا ہے لیکن دفن کے وقت درمیان والے بند کو کھول دیا جائے۔ (2)

مسئلہ نمبر۳:

مرد اور عورت دونوں کا کفن سفید ہونا چاہیے۔ تاہم عورت کا اگر رنگدار ہو جائے کوئی حرج نہیں۔ (3)

جنازہ اٹھانے کا بیان:

میت کی چار پائی کو چار آدمی اٹھائیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر آدمی چالیس قدم اٹھائے۔ یعنی پہلے اپنے دائیں کندھے کو میت کے سر کی جانب رکھ کر دس قدم چلے پھر اسی جانب پاؤں کی طرف آ جائے۔ پھر دوسری جانب سر کی طرف آئے جائے پھر اسی جانب پاؤں کی طرف آ جائے اس طرح دس دس قدم چلے تو چالیس قدم مکمل ہو جائیں گے۔ (4)

1۔ فتاوی ھندیہ، المعروف عالمگیری، کتاب الصلوۃ فی الجنائز، ج1 ص161

2۔ حوالہ مذکورہ

3۔ فتاوی شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج1 ص636

4۔ طحطاوی علی المراقی الفلاح، ج2 ص250-251

مسئلہ نمبر ۴:

جنازہ اٹھا کر لے جانے والے جلدی جلدی چلیں لیکن دوڑیں نہیں، کیونکہ دوڑنے میں ایک میت کو اضطراب ہوگا اور دوسرا دوڑنے میں میت کی حقارت نظر آئے گی۔ ❶

جلدی چلنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسرعوا بالجنازة فان تك صالحة فخير تقدمونها اليه وان تك دون ذالك فشر تضعونه عن رقابكم"

"جنازہ کو جلدی لے کر چلو!! اگر وہ نیک ہے تو اس کے بہتر ثواب اور اعلیٰ مقام کی طرف اسے پہنچا دو اور اگر وہ اس کے سواء ہے تو اس کی جزا شر ہے وہ خود بھی شر ہے، اسے جلدی اپنے کندھوں سے اتار دو۔"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا، ج1 ص144)

مسئلہ نمبر ۵:

مرنے والا چھوٹا بچہ ہو یا اس طرح چھوٹی بچی ہو تو ان کے جنازے کو ہاتھوں میں ہی اٹھا لیا جائے۔ ❷

مسئلہ نمبر ۶:

جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنا اس طرح افضل ہے جس طرح فرائض کو نوافل پر فضیلت حاصل ہے۔ ❸

جب یہی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سے مبعوث فرمایا: بے شک جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے والے پر ایسے فضیلت حاصل ہے جیسے فرائض کو نوافل پر فضیلت حاصل ہے۔ تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ آپ اپنی رائے سے بیان فرما رہے ہیں یا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ تو آپ نے غصہ میں آکر فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے حضور سے سنا ہے، ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ نہیں۔ اس طرح آپ نے سات مرتبہ تک گنا یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ سنا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مدارج بلند فرمائے۔ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے جیسے میں نے سنا ہے۔ [وانهما والله لخير هذه الامة] "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک وہ دونوں اس امت کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔" انہوں نے لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے راستہ کو کشادہ کرنے کی غرض سے آگے چلنا شروع کیا تھا۔ ❹

1۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح، شرح نور الایضاح، ج2، ص252
2۔ فتاوی ہندیہ، ج1، ص162
3۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2، ص19
4۔ مشکوۃ المصابیح، ج1، ص146

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے پتہ چلا کہ اگر اس قسم کا کوئی عذر ہو تو جنازہ کے آگے چلنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۷:

جنازہ کے پیچھے سوار ہو کر چلنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ اس کی سواری سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ مستحب یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ والے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں اور موت کی فکر کریں اور یہ سوچیں کہ دنیا میں رہنے والوں کی انتہاء ہے۔ بے مقصد باتوں سے انسان کو اجتناب کرنا چاہیے۔ جب یہ وقت ذکر و فکر کا ہے تو اس میں غافل رہنا بہت ہی بری بات ہے، لہٰذا جنازہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سبحان اللہ اور کلمہ طیبہ کا ورد کرے۔ دنیاوی کلام نہ کرے، غافل رہ کر ادھر ادھر نہ دیکھے کیونکہ اس حال سے دل سخت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہتا ہے۔ (۱)

مسئلہ نمبر ۸:

جنازہ کے ساتھ عورتوں کا چلنا منع ہے۔

ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے کچھ عورتوں کو بھی جنازہ کے ساتھ دیکھا تو آپ نے فرمایا: [اتحملنه، قلن: لا، قال ا تدفنه، قلن: لا، قال: فارجعن] "کیا تم جنازہ کو اٹھاؤ گی؟ عورتوں نے عرض کیا: نہیں، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اسے دفن کرو گی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: لوٹ جاؤ! تمہارے ساتھ چلنے سے تمہارے لئے گناہ ہے، ثواب نہیں۔" (۲)

عورتوں کا جنازہ میں شرکت کرنا اس لئے منع ہے کہ:

(۱) وہ جزع و فزع زیادہ کرتی ہیں، صبر نہیں کرتیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کے سامنے بغیر پردہ کے جانا منع ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت کا ساتھ جانا فتنہ سے خالی نہیں۔

ہاں!! اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جنازہ کے ساتھ سارے محرم مرد ہوں ان عورتوں کے، اور صبر کے ساتھ عورتیں جا سکیں تو منع نہیں ہو گا لیکن ایسی صورت کا پایا جانا کہیں نظر آتا۔

❀ ✶ ✶ ✶ ❀ ✶ ✶ ✶ ❀

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج 1، ص 292

2۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ج 2، ص 251

نمازِ جنازہ کا بیان

جنازہ میں چار تکبیریں ہیں: پہلی میں نیت، دوسری میں ثناء، تیسری میں درود شریف اور چوتھی میں دعاء۔

نیت:

نیت کرتا ہوں نمازِ جنازہ کی چار تکبیر نمازِ جنازہ، فرض کفایہ، ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی کریم ﷺ کے، دعاء واسطے اس حاضر میت کے، پیچھے امام صاحب کے، منہ کیا کعبہ شریف کی طرف: اللہ اکبر

ثناء:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ" (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

درود شریف:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ سَلَّمْتَ وَ بَارَكْتَ وَ رَحِمْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

دعاء:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ" (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

نابالغ بچے کے لئے دعاء:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَ اجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَ ذُخْرًا وَ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا" (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

نابالغہ بچی کے لئے دعاء

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَ اجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَ ذُخْرًا وَ اجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَ مُشَفَّعَةً" (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)

مسئلہ نمبرا:

چوتھی تکبیر کے فوراً بعد دونوں ہاتھ کھول دے پھر سلام کہے۔ خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵ میں ہے: [فالصحیح انه یحل الیدین ثم یسلم بتسلیمتین ھکذا فی الذخیرة (۱)]

نماز جنازہ کے بعد دعاء:

قرآن کریم اور احادیث شریفہ و اجماع امت سے بالخصوص بلا کسی قید زمانی و مکانی و تعدادی کے ثابت ہے کہ دعائے احیائے اموات مؤمنین (زندہ کی دعاء مردہ مؤمنین) کے لئے نفع مند اور مفید ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور تمام ایمان والوں کا عمل اس پر رہا اور یہ تسلیم شدہ دستور ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قد نقل غیر واحد الاجماع علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیله من القرآن قوله تعالی و الذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان"

(شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص ۱۲۷، مطبوعہ مصر)

یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے پیچھے (یعنی مہاجرین وانصار کے بعد) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے بخش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔"

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس پر اجماع و دلیل بیان فرماتے ہیں۔ (تذکرۃ الموتی مطبوعہ مجتبائی ص ۳۵)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [ان دعاء الاحیاء للاموات نفع لھم] "بے شک زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے نفع مند ہیں" (۲)

اس عبارت سے کچھ آگے اس طرح بیان فرمایا: [وقد توارثه و جمع علیه الخلف] "یعنی اگلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے۔"

پھر آیات کثیرہ و احادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں: [اتفق اھل السنة ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء] "یعنی اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعاء و استغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں۔"

1۔ خلاصۃ الفتاوی، ص 225 بحوالہ فتاوی نوریہ، مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ، ج 1 ص 495

2۔ شرح فقہ اکبر، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ص 119-118 طبع مصر

اور یوں ہی "عقائد نسفیہ وشرح تفتازانی" طبع مجیدیہ ص ۱۳۲ اور "تکمیل الایمان" تصنیف حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۷۶ ۔ ۱۷۷ مطبع مجتبائی میں ہے، بلکہ ابن قیم جوزیہ کی "کتاب الروح" طبع حیدرآباد ۱۸۸ اور نواب صدیق حسن خان بہادر بھوپالی کی "ثمار التنکیف" طبع بھوپال ص ۱۰۰ میں ہے:

" مجمع علیھا بین اھل السنة من الفقھاء و اھل الحدیث والتفسیر احدھما ما تسبب الیه المیت فی حیاته والثانی دعاء المسلمین له و استغفارھم "

"یعنی تمام گروہ اہل سنت و جماعت فقہاء، محدثین ومفسرین اس پر متفق ہیں کہ میت کو دو چیزوں کا فائدہ ہوگا: ایک وہ اعمال جو اس نے اپنے حیات میں کئے ہوں جیسے مسجد، سرائے کنواں وغیرہ بنائے ہوں جو اس کی طرف منسوب ہوں وہ بعد از فات بھی اس کے لئے نفع مند ہیں اور دوسرا مسلمانوں کی دعاء اور استغفار سے مردے نفع اٹھاتے ہیں"۔

نیز ابن قیم کی اسی کتاب کے ص ۱۹۱ میں:

" دعاء النبی ﷺ للاموات فعلا و تعلیما و دعاء الصحابة و التابعین و المسلمین عصرا بعد عصر اکثر من ان یذکر و اشھر من ان ینکر "

"یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی دعاء مُردوں کے لئے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہل اسلام کا زمانہ بعد از زمانہ اموات کے لئے دعاء کرتے رہنا اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جاسکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جاسکے۔

یہ دونوں صاحب (ابن قیم اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی) معترضین کے مسلمہ امام ہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حضرت امام شعرانی "کشف الغمہ" طبع مصر ص ۱۷۴ جلد اول میں حضرت ابن عباس سے روایت بیان کرتے ہیں:

" کان رسول الله ﷺ یحث علی الدعاء و الصدقة و القرب المھدات للاموات من اقاربھم و اخوانھم ویقول ان ذالك ینفعھم "

"یعنی رسول اللہ ﷺ شوق دلایا کرتے تھے کہ ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لئے ان کے لئے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطور تحفہ بھیجی جائیں، فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے"۔

" وقد صرح الشعرانی بتصحیح جمیع الاحادیث المذکورة فی کتابه: ص ۵ - ۹ "

"اور استدلال بعموم واطلاق نصوص طریقہ ائمہ قدیم وحدیث بالاتفاق ہے اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مذکورہ احادیث کو صحیح

قرار دیا۔ لہٰذا اب ان احادیث کو ضعیف کہنا ہی قول ضعیف ہوگا۔"

[واذا مما لا ینکر من رأی کلماتھم العالیۃ] اس دعاء کے مسئلہ میں ان لوگوں کا اتفاق ہے جن کے ارشادات و ملفوظات عالیہ کو بطور سند پیش کیا جاتا ہو، ایسے حضرات کی رائے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ معترضین کے مسلم امام نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ "حل سوالات مشکلہ" مطبوعہ نظامی کے ص ۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں:

"مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً یعنی نماز کے بعد دعا کی نفی بھی نہیں کہ منع کیا گیا ہو یا ثابت کیا گیا ہو۔

(یہ بھوپالی کے نزدیک ہے ورنہ فرائض کے بعد دعا کرنا ثابت ہے)

"پس عموم ادلہ و مطلقات آں شامل فریضہ خواہد بود تا آنکہ دلیل بر تخصیص وے قائم شود" "یعنی ان دلائل جواز کا عموم و اطلاق دعاء بعد از نماز فرض کو بھی شامل ہوگا دلیل پر تخصیص ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں"

ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں: بلا دلیلِ تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہے لہٰذا بعد نماز فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز ان کے ہی مسلم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہو گیا اور جوازِ شرعی واضح ہوا۔ مگر اطمینان سائلاں کیلئے اور توضیح کی جاتی ہے۔ بالخصوص دعاء بعد از نمازِ جنازہ کی تصریح بھی بلاشبہ ثابت ہے۔

سنن ابوداؤد مطبوعہ مجیدی جلد ۲ ص ۱۰۰، سنن بیہقی طبع حیدر آباد ص ۴۰، سنن ابن ماجہ اصح المطابع ص ۱۰۹ میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ [اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء] "یعنی جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔"

مرقاۃ المفاتیح (۵۹ درست کرنا ہے) جلد ۲ میں ہے" [قال ابن حجر و صححہ ابن حبان] "یعنی ابن حجر فرماتے ہیں: ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔

بدائع وصنائع جلد اول ص ۳۱۱ مطبوعہ مصر میں ہے: حضور پر نور ﷺ ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی۔ دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الصلوۃ علی الجنازۃ لاتعاد ولکن ادع للمیت و استغفر لہ" "یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی ابھی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے) دعاء اور استغفار کر لو۔"

"وھذا انص فی الباب کما قال ملک العلماء" "اس دعاء کے مسئلہ میں یہ بہت واضح حدیث ہے جیسا کہ

ملک العلماء نے بیان فرمایا ہے"

نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر جلد ۲ ص ۶۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازے پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازے پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کی۔ نیز ان دونوں کتابوں کے ان صفحات میں ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے:

" ان سبقتمونی بالصلوۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له " "آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کر لی ہے تو ان کیلئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔"

اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد از نماز جنازہ دعاء کیا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز طبع ملتان ص ۱۳۲ میں ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پر چار تکبیر کہیں:

" ثم مشی حتی اتاہ وقال اللھم عبدك وابن عبدك نزل بك الیوم فاغفر له ذنبه و وسع مدخله فانا لا نعلم منه الا خیرات و انت اعلم به " "یعنی بعد از نماز جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہو کر یہ دعاء فرمائی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا، آج تیری خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ اس کے گناہوں کی مغفرت فرما اور اس کی قبر کو کشادہ فرما، بے شک ہم تو صرف اس کی نیکیوں کو ہی ہے جانتے ہیں اور اللہ تو سب سے بہتر جانتا ہے۔"

شرح الصدور ص ۵۳ میں بحوالہ بزاز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن شخص قرآن کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں: [ثم تستغفر له الی یوم یبعث] "پھر اس کے لئے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔"

اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء ایسی عبادت ہے جو فرشتے اس کے لئے کرتے رہتے ہیں اور یہ استغفار عموم آیات مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (سورۃ زمر 6:24) "یعنی وہ فرشتے جو حاملین عرش ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمان داروں کے لئے۔"

" وَالْمَلٰٓئِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ " "فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔"

میت تو پھر میت ہے اور محتاج بھی ہے۔ میت پر احسان کرنے والے پر بھی بعد از نماز جنازہ دعاء فرمائی حدیث طویل مرفوع سے ثابت ہے۔ سنن دار قطنی ص ۳۰۸ طبع دہلی، کشف الغمہ ص ۲۱ جلد ۲، عمدۃ القاری علی البخاری ص ۶۶۵۔۶۶۶ جلد ۵، فتح الباری ص ۳۶۹ جلد ۴ مطبوعات مصر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھائی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے یہ دعاء فرمائی: [جزاك الله خيرا فكّ الله رهانك كما فككت رهان اخيك] "اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے اور تمہیں اس طرح (گناہوں سے) آزاد فرمائے جس طرح تم نے اپنے بھائی کو قرض سے آزاد کیا۔"

چونکہ دعاء میں بظاہر الفاظ کا ترجمہ تمہیں گروی [رہن رہنے سے آزاد فرمائے] اس لئے اس دعاء کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا اس حالت میں مرے کہ اس پر رہن (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دین کے بدلے رہن (گروی) ہی رکھا ہوتا ہے پھر ہر اس شخص کے لئے جو میت کے دین کو ادا کر کے اسے رھن (گروی) سے آزاد کرائے یہ دعاء کرے۔ [ومن فك رهان ميت فك الله رهانه يوم القيامة] "جو شخص میت کے رہن کو چھڑائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے رہن کو چھوڑائے۔"

تو آفتاب نیم روز وماہ (دوپہر کے روشن سورج اور چودھویں کے چاند) کی طرح واضح ہوا کہ بعد از نماز جنازہ دعاء جائز ہے۔ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر آخر نماز جنازہ میں کھڑے ہو کر ہی دعاء کیا کرتے ہیں اور کسی آیت یا حدیث بلکہ کسی امام معتمد کی تصریح کسی کتاب مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نماز جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر دعائیں ناجائز ہیں۔

ہاں!! یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے رہیں اور دفن میں دیر کر دیں۔ یوں کھڑے رہنا تو بلا دعاء بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے، فوری دعاء جس سے دیر نہ ہو، دلائل مذکورہ بالا کی روشنی میں یقیناً جائز ہے۔

ازالہ شبہ:

اور بعض لوگ جو یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب جنازہ میں دعاء ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اٹھ گیا۔ نیز کثرت وتکرار دعاء یقیناً جائز ومستحب ہے۔ جب کہ نماز میں دعاء پہلے ہی ہو جاتی ہے لیکن نماز کے بعد پھر دعاء کرنا مستحب ہے اور وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ نماز میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ میں دعاء کی پھر نماز کے آخر میں دعاء کی لیکن پھر فرض نماز کے بعد دعا کرنے کا ارشاد گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنئے!! مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے:

"عن ابی امامة قال قيل يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الآخر و دبر الصلوات المكتوبات" "حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو دعاء رات کے

آخری حصہ (سحری کے وقت) میں کی جائے اور فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔" (جامع ترمذی بحوالہ مشکوۃ شریف)

اب یہاں سے واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے، اگر چہ نمازوں کے اندر بھی دو مرتبہ واضح طور پر دعاء اور تیسری مرتبہ" السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین "ضمن میں دعاء پائی گئی۔

اسی طرح نمازِ جنازہ کے بعد دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے کیونکہ نمازِ جنازہ بھی فرض نماز ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقط فرض نمازوں کا ذکر فرمایا جس میں فرض عین یا فرض کفایہ کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ اپنی طرف سے فرض کفایہ کی نفی کرنا اور فرض عین کی قید لگانا حدیث پاک پر زیادتی ہے۔ حدیث پاک پر اپنی طرف سے زیادتی ناجائز ہے۔ (1)

نمازِ جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون؟

نمازِ جنازہ کی امامت کا سب سے پہلا حق بادشاہ کا ہے، پھر اس کے نائب کا۔ نائب سے مراد صوبائی حاکم یا ضلعی حاکم پھر قاضی لیکن ہر امام کیلئے امامت کرانے کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ باشرع ہو فاسق و فاجر نہ ہو، ضروریات دین کے مسائل سے باخبر ہو۔ (2)

موجودہ زمانہ میں حکام سے کوئی امامت کے قابل ہو جائے تو غنیمت ہوگی ورنہ اکثر طور پر نااہل ہی نظر آئیں گے۔ خواہ نماز کی امامت ہو یا ملک کی امامت (حاکمیت) ہو اس کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔ اگر چہ کوئی جاہل مولوی عورت کی حاکمیت کو برداشت کر لے تو اس سے عورت کی سربراہی یا نماز کی امامت جائز نہیں ہو جائے گی۔ ہاں! البتہ حاکم اگر امامت کا اہل ہے تو اس کا حق مقدم ہوگا جیسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ کا امام حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا کیونکہ وہ والی مدینہ (حاکمِ مدینہ) تھے، اور ان کو امام بناتے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ایسا کرنا سنت نہ ہوتا تو میں تمہیں امام نہ بناتا۔

پھر امامت کا حق امام الحی کا ہے یعنی محلّہ کی مسجد کا امام ہے۔ اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مرنے والا شخص اس امام کی امامت پر راضی تھا۔ اگر وہ اس امام کی امامت پر راضی نہیں تھا، اس کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کرتا تھا تو یہ امام حقدار نہیں ہوگا۔ ہاں! البتہ میت کا ولی اسی امام کو اجازت دے دے تو یہی حقدار ہو جائے گا۔ (3)

محلّہ کے امام کو ولی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیونکہ اس کو حق ولی سے زیادہ ہے، اگر چہ درمختار نے نیک ولی کا حق محلّہ کے امام سے مقدم ذکر کیا ہے لیکن عام فقہائے کرام نے مطلقاً محلّہ کے امام کا حق پہلے ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد

1۔ فتاوی نوریہ، مولانا مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ ج 1، ص 505 بتصرف

2۔ درمختار، علامہ ابن عابدین شامی، ج 3، ص 131 مطبوعہ بیروت 3۔ المرجع السابق

میت کے ولی کا حق ہوگا۔ ولی سے مراد وہ ولی ہے جس کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کرنے کی ولایت حاصل ہو، عورتوں کو ولایت حاصل نہیں۔ عورت کے خاوند کو ولایت حاصل نہیں کیونکہ وہ زوجہ کی وفات کے بعد اجنبی ہو گیا۔ وہ ولی کو حق حاصل ہوگا جو بنسبت اس کے دور ہے۔ (1)

مسئلہ نمبر ۱:

ایک میت کا باپ بھی اور بیٹا بھی ہو تو اس صورت میں باپ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کا پہلے حق حاصل ہوگا۔ اگر یہی صورت نکاح میں ہوتی جیسے مجنونہ عورت کا نکاح کرنا ہو تو عورت کا باپ بھی ہو اور بیٹا بھی کسی پہلے خاوند سے ہے تو بیٹے کو نکاح کا حق باپ سے زیادہ حاصل ہوگا کیونکہ معاملہ میں شفقت کو مدنظر رکھا جائے گا جو باپ میں زیادہ ہے بنسبت بیٹے کے۔ البتہ باپ اگر جاہل ہو اور بیٹا عالم ہو تو اس صورت میں میت کے بیٹے کو میت کے باپ پر پہلے سمجھا جائے گا۔ (2)

مسئلہ نمبر ۲:

اگر عورت فوت ہو جائے اس کا اور کوئی ولی نہ ہو تو زوج کو حق حاصل ہوگا۔ یعنی ایسی صورت میں خاوند اوروں سے بہتر ہوگا، اگرچہ یہ بھی ایک عام آدمی کی حیثیت میں ہے اور اگر کوئی بھی ولی نہ ہو تو پڑوسیوں کو حق ہوگا۔ (3)

مسئلہ نمبر ۳:

ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ خود جنازہ پڑھائے یا کسی کو اجازت دے لیکن جن کا حق ولی سے بھی پہلے ہو ان کا حق پہلے ہی رہے گا، ان کو چھوڑ کر دوسرے کو امامت کے لئے اگر ولی کہے تو جائز نہیں ہوگا۔ (4)

مسئلہ نمبر ۴:

جن حضرات کا حق ولی سے مقدم ہے ان کے بغیر کسی اور نے ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھادی تو ولی کو دوبارہ پڑھانے کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر ولی خود نماز جنازہ میں شریک ہو بظاہر الفاظ سے اس نے نہ اجازت دی اور نہ ہی اس سے اجازت طلب کی گئی ہو تو اس صورت میں دوبارہ ادائیگی نہیں ہوگی۔

یہاں ہی سے یہ بات سمجھ آئی کہ اگر ولی نے اجازت دے دی کہ تم نماز جنازہ ادا کرلو، میں بعد میں دوسری جگہ نماز جنازہ ادا کروں گا تو اس صورت میں نماز جنازہ پہلی ہی ہوگی کیونکہ اس میں ولی کی اجازت پائی گئی، دوسری نہیں ہوگی۔ (اسی

1۔ درمختار، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ ج 3، ص 131 مطبوعہ بیروت 2۔ حوالہ مذکورہ
3۔ حوالہ مذکورہ 4۔ درمختار، علامہ شامی رحمۃ اللہ ج 3 ص 132

طرح ولی نے نمازِ جنازہ میں شرکت کرلی تو پھر بھی دوسری نمازِ جنازہ نہیں)۔

خیال رہے کہ تمام ولیوں کی علیحدہ علیحدہ اجازت ضروری نہیں ہوگی بلکہ ان سے جو قریبی ہوگا، اس کا حق پہلے ہوگا۔ اگر ایک جیسا مرتبہ ہو جیسے دونوں بھائی ہوں تو بڑے کا حق پہلے ہوگا۔ اگر چھوٹا عالم ہے تو اس کا حق پہلے ہوگا۔ لہٰذا ولیوں کی موجودگی میں کئی بار جنازہ پڑھنا ایک رسم ہی ہے حقیقتاً جنازہ نہیں۔

مسئلہ نمبر ۵:

اگر بغیر نمازِ جنازہ کے کسی کو دفن کر دیا گیا ہو یا بغیر غسل دینے کے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا ہو یا ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی نے نمازِ جنازہ پڑھائی جس کو ولی سے پہل حاصل نہیں تھی اور اس ولی کے بغیر کوئی اور ولی بھی شریک نہیں تھا اس طرح اس کو دفن بھی کر دیا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہو کہ میت سوجا اور پھٹا نہیں ہوگا۔ اگر غالب گمان اس کے خلاف ہو تو قبر پر نمازِ جنازہ ادا نہیں ہوگی۔ (1)

سوجنے یا پھٹنے کا اندازہ گرمی اور سردی کے موسم میں مختلف ہوگا۔ اسی طرح میت کے موٹے ہونے اور پتلے ہونے میں بھی فرق پڑے گا۔ موسم اور میت کے اعتدال کی صورت عام طور پر تین دنوں کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ تین دنوں تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جاسکے گی۔

نمازِ جنازہ سے متعلق دیگر مسائل

مسئلہ نمبر ۶:

نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اگر کوئی شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔ اگر بعض لوگوں نے ادا کر دیا تو کوئی بھی گناہ گار نہیں ہوگا، اگرچہ ثواب ان لوگوں کو ہی ہوگا جو ادا کریں گے۔ (2)

مسئلہ نمبر ۷:

جنازہ کا اعلان کیا جائے جتنے زیادہ آدمی ہوں گے اسی قدر بہتر ہوگا۔ (3)

حضرت کریب سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیٹا مقام قُدَیْد یا عسفان میں انتقال کر گیا۔ آپ نے مجھے کہا: دیکھو! کیا لوگ جنازہ کے لئے جمع ہو گئے ہیں؟ یہ کہتے ہیں: میں نے دیکھ کر بتایا کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ آپ نے

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ فی الجنائز ج1، ص159

2۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ فی الجنائز ج1، ص159

3۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ فی الجنائز ج1، ص159

پوچھا: کیا چالیس کی مقدار ہو چکے ہوں گئے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ اب جنازہ نکال لو کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں:

"ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لا یشرکون بالله شیئا الا شفعهم الله فیه" (1)

"جس مسلمان شخص کی نمازِ جنازہ میں چالیس مؤمن یعنی جو اللہ تعالیٰ سے شریک نہ ٹھہراتے ہوں شریک ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔"

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ما من میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه" (2)

"جس مسلمان میت کی نمازِ جنازہ ایک سو مسلمان آدمی ادا کریں اور اس کیلئے شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔"

مسئلہ نمبر ۸:

شہید کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی لیکن غسل نہیں دیا جائے گا اور جو کپڑے اس نے پہنے ہوئے تھے وہی بطور کفن رہیں گے۔ اگر کپڑے کم تھے تو پورے کر لئے جائیں گے اور اگر زیادہ تھے تو پھر کم کر کے پورے کیے جائیں گے۔ (3)

شہید وہ ہے جو میدانِ جنگ میں شہید ہو جائے۔ اگر زخمی ہونے کے بعد دوا حاصل کی، نماز کا وقت گذر گیا، اس طرح کچھ منافع حاصل کیے تو شہید کو مرتبہ تو حاصل رہے گا لیکن فقہ کی رو سے اس پر احکام شہید جاری نہیں ہوں گے بلکہ اس کو غسل وکفن دیا جائے گا۔ (4)

اسی طرح جس شخص کو باغی قتل کر دیں یا مسلمان تیز دھار آلہ سے ظلماً قتل کر دیں اسے بھی غسل نہیں دیا جائے اور پہنے ہوئے کپڑوں کو ہی کفن بنایا جائے گا۔ (5)

مسئلہ نمبر ۹:

نمازِ جنازہ کے فرضِ کفایہ ہونے کی چھ شرطیں ہیں: میت کا مسلمان ہونا، میت کا طاہر ہونا یعنی غسل دیا ہوا ہونا، میت کا

1۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الجنائز ج 1 ص 147
2۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الجنائز ج 1 ص 147
3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3 ص 355
4۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3 ص 356
5۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3 ص 357

تکبیر ڈھانپا ہوا ہونا، غائب نہ ہونا اور زمین پر یا ہاتھوں پر رکھا ہوا ہونا۔ نمازیوں کے آگے ہونا، پیچھے نہ ہونا۔ (۱)

میت مسلمان ہو، کافر نہ ہو کیونکہ کافر کی نمازِ جنازہ ادا کرنا منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ (سورۃ التوبہ 16:10)

''اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے منکر ہو گئے اور فسق ہی میں مر گئے۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن اور زیارت کیلئے کھڑا ہونا بھی ممنوع ہے اور فسق سے مراد کفر ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ بھی فسق بمعنی کفر استعمال ہوا ہے جیسے کہ آیت [اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا] میں (کیا مومن، کفار برابر ہیں؟)

مسئلہ نمبر ۱۰:

کافر نہ ہو بلکہ صرف فاسق ہو تو اس کی نمازِ جنازہ جائز ہے، اس پر صحابہ کرام اور تابعین کا اجماع ہے اور اسی پر علمائے صالحین کا عمل اور یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ (۲)

مسئلہ نمبر ۱۱:

جب کوئی کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو اسے وہ غسل دے لیکن صرف اس طرح جیسے کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے، سنت کے مطابق کفن نہ دیا جائے، نماز جنازہ نہ ادا کی جائے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے بلکہ عام گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا جائے۔ جیسے کسی مردہ چیز کو بدبو سے بچنے کے لئے دفن کر دیا جائے۔ (۳)

نبی کریم ﷺ نے ''عبداللہ ابن ابی منافق'' کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی؟

عبداللہ بن ابی سلول منافقوں کا سردار تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے جن کا نام بھی ''عبداللہ'' ہی ہے، وہ مسلمان صالح، مخلص صحابی اور کثیر العبادت (بہت زیادہ عبادت کرنے والے) تھے۔ انہوں نے یہ خواہش کی کہ سید عالم ﷺ ان کے باپ عبداللہ بن ابی سلول کو کفن کے لئے اپنی قمیص مبارک عطا فرما دیں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیں۔ اسی خواہش کا اظہار خود ابن ابی نے بھی نبی کریم ﷺ سے کیا تھا؟ جب آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے تھے۔

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج 1 ص 165
2۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت ۸۴ پ ۱۰ ع ۱۶
3۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت ۸۴ پ ۱۰ ع ۱۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی لیکن چونکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین کی نمازِ جنازہ ادا کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع نہیں فرمایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ آپ کے اس فعل سے ایک ہزار آدمی ایمان لائیں گے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص بھی عطاء فرمادی اور جنازہ میں بھی شرکت فرمائی۔

خیال رہے کہ آپ نے اس دن دو قمیص پہن رکھی تھیں، اوپر والی قمیص عطا فرمائی تھی، اور قمیص دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو بدر میں اسیر (قیدی) ہو کر آئے تھے تو عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ انہیں پہنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بدلہ دینا بھی منظور تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازے میں شرکت نہیں فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مصلحت بھی پوری ہوئی۔

چنانچہ جب کفار نے دیکھا کہ ایسا شدید العداوت شخص جب وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے عقیدہ میں بھی آپ اللہ کے حبیب اور سچے رسول ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسے سچے دل سے قبول کرنا نصیب نہ ہوا۔ یہ سوچ کر ایک ہزار کافر مسلمان ہو گئے۔ یہ ہی سب سے عظیم مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے منافقوں کی نمازِ جنازہ سے روکا نہیں تو کیوں نہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے تاکہ آپ کی اس شانِ رحیمی اور رئیس المنافقین کی بھی آپ کی احتیاجی کو دیکھ کر کئی کافر مسلمان ہو جائیں، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (1)

غائبانہ نمازِ جنازہ ناجائز ہے:

ہمارے دور میں غائبانہ نمازِ جنازہ کا رواج ہو گیا لیکن "فقہ حنفی" کی رو سے نمازِ جنازہ غائبانہ مشروع (جائز) نہیں۔ اور سراج امت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ فروعی ہے مگر حقیقت یہ کہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت ہی مضبوط و مستحکم ہے، اس لئے مسئلہ کے دلائل یہ ہیں:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازۂ مسلمین میں شرکت کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ نے صحابہ کو ہدایت فرمادی تھی کہ جب بھی کسی مسلمان کو انتقال ہو تو مجھے ہر حال میں اطلاع دی جائے۔ آپ نے فرمایا: میتِ مسلم پر میرا نمازِ جنازہ پڑھنا رحمت و برکت ہے، میں ان کی قبروں کو نماز پڑھا کر روشن و منور فرما دیتا ہوں۔ (2)

مگر بایں کمال اہتمام ہم دیکھتے ہیں کہ زمانۂ نبوت میں صدہا صحابہ کرام مدینہ شریف کے علاوہ دیگر مقامات پر انتقال کر گئے، مگر کسی صریح و صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہو، حتی کہ واقعہ بئر معونہ میں ستر جلیل

1۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ .... مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج 2 ص 375

2۔ سنن ابن ماجہ، ج 1 ص 110

القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار نے دھوکہ سے شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو ان کی شہادت کا اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ آپ نے پورے ایک ماہ خاص نماز کے اندر ان کفار کے لئے بد دعاء کی اور لعنت فرمائی۔ [1]

مگر ان تمام وجوہ کے باوجود یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان ستر صحابہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہو۔ نبی کریم ﷺ کا بلا غرض بالمقصد ان تمام صحابہ کا غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھنا اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ غائب کا جنازہ پڑھنا امر شرعی و مشروع نہ تھا۔ نیز حضور اقدس ﷺ نے بھی کسی صریح و صحیح حدیث میں نماز جنازہ غائبانہ کا حکم نہیں دیا۔

غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواز کی تین دلیلیں اور ان کا رد:

نمازِ جنازہ غائبانہ کے جواز کے لئے تین واقعوں سے استدلال کیا جاتا ہے:

پہلی دلیل:

نبی کریم ﷺ نے نجاشی کا نماز جنازہ پڑھا حالانکہ ان کی وفات حبشہ میں ہوئی تھی۔ [2]

اس استدلال کے متعدد جواب ہیں:

① ایک جواب یہ ہے: صحیح ابن ابوعوانہ میں ہے کہ نجاشی کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کیلئے ظاہر کر دیا گیا تھا، لہٰذا یہ جنازہ حاضر پر ہے، غائب پر نہیں۔ [3]

اسی طرح البحر الرائق میں ہے کہ حضرت نجاشی کی حضور ﷺ نے جو نماز جنازہ پڑھائی تو ابن ہمام نے فرمایا: یہ نماز جنازہ غائبانہ......نہ تھی بلکہ حضور کے لئے اس کی میت ظاہر کر دی گئی تھی۔ اگر میت سامنے حاضر ہو اور مقتدیوں کو نظر نہ آئے تو جواز میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا۔ [4]

② دوسرا جواب یہ ہے کہ صلوۃ کا معنی دعائے مغفرت بھی ہے اس لئے ممکن ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے نجاشی کیلئے دعائے مغفرت کی۔

③: اس کے علاوہ غیر مقلد اہل حدیث ابن قیم جوزی نے لکھا ہے:

"اہل اسلام میں سے خلق کثیر کی وفات ہوئی مگر نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص45

2۔ صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ ج1، ص178

3۔ عینی شرح صحیح بخاری، امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ، ج4 ص25 و فتح الباری شرح بخاری، علامہ ابن حجر، ج3، ص243

4۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الجنائز ج2 ص179

پڑھی اور نجاشی کی جو نمازِ جنازہ غائبانہ آپ نے ادا فرمائی اس میں تین اختلافی اقوال ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی روشنی میں ہر غائب کی نمازِ جنازہ ہے۔ اصحاب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ چونکہ آپ کی خصوصیت ہے، اس لئے دوسروں کیلئے جائز نہیں۔ اور خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو۔ اور آپ نے "حاضر میت" کے طور پر نمازِ جنازہ پڑھی ہو۔ اس صورت میں صحابہ کے نہ دیکھنے کا عذر نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ نمازِ جنازہ میں آپ کے تابع تھے۔ لہٰذا امام کا دیکھنا کافی تھا۔ اگرچہ انہوں نے نہ دیکھا ہو اور چونکہ کسی اور کے لئے اتنی مسافت سے ایسا مشاہدہ نہیں ہوسکتا، اسلئے وہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے علاوہ دیگر غائبین (دوسرے غائب لوگوں) کے لئے نمازِ جنازہ آپ سے منقول نہیں۔ اور حضرت نجاشی کے علاوہ حضرت معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کے غائبانہ نماز جنازہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔" (1)

دوسری دلیل:

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی یہ ہے کہ معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ اور حضور نے ان کی نمازِ جنازہ تبوک میں پڑھی۔ (2)

دلیل کا جواب:

ان کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں کیونکہ ائمہ حدیث عقیلی، ابن حبان، بیہقی، ابوعمر ابن عبد البر، ابن الجوزی، علامہ ذہبی اور نووی رحمہم اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہیں ہوتے، اگرچہ فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور ائمہ حدیث نے اس کے راویوں کو مجہول، کذاب، ضعیف، منکر الحدیث اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ علامہ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس روایت کی سب سندیں ضعیف ہیں اور احکام کے بارے میں حجت نہیں۔ (3)

تیسری دلیل:

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی یہ ہے کہ جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور حضرت

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 45

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 46

3۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج 6 ص 387

عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگر شہید ہوئے ہیں، یہ تینوں اسلامی فوج کے کمانڈر تھے۔ پہلے زید بن حارثہ ان کی شہادت کے بعد جعفر طیار، ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ، ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید کی زیرِ قیادت فتح ہوئی۔ بہر حال ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ جنگ موتہ میں شہید ہونے والے قائدین کی نمازِ جنازہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ادا کی۔ (1)

دلیل کا جواب:

ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہے اور دونوں طرق سے مرسل ہے اور دوسری وجہ سے یہ ہے کہ اس کے راوی واقدی ہیں اور امام ذہبی نے بیان کیا ہے کہ واقدی کے متروک (سند میں اعتبار نہ کرنا) ہونے میں اجماع ہے اور یہ ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ صرف دعائے مغفرت کی معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث کے قرائن سے واضح ہے۔

ہم نے یہاں بہت ہی مختصر اور مبہم گفتگو صرف اظہارِ مسئلہ کے لئے کی ہے، تفصیلی بحث کے لئے فیوض الباری شرح بخاری کی جلد سوم ملاحظہ فرمایئے۔ (وما علینا الا البلاغ) (2)

غائبانہ نمازِ جنازہ میں ابن تیمیہ کا قول:

ابن تیمیہ کے نزدیک صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کسی غائب کی کفار کے علاقہ میں وفات ہوئی اور وہاں اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو ایسے شخص کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی جائے گی لیکن جس کی وفات ایسی جگہ ہوئی کہ وہاں اس پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہاں لوگوں کے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا ہے۔ (3)

اہلِ حدیث مسلک کے مشہور عالم "عبدالقادر روپڑی" کا فتویٰ:

روپڑی صاحب نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ:

"جنازہ غائبانہ کی بابت بہت اختلاف ہے، حنفیہ وغیرہ کے علاوہ کئی اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کافر تھے۔ ظاہری یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص46

2۔ ماہنامہ رضوان، ماہ اکتوبر، انجمن حزب الاحناف لاہور

3۔ زاد المعاد، علامہ ابن قیم ج1 ص145 ملخصاً

میں پڑھا۔ خطابی نے اور ابوداؤد نے اس پر باب باندھا ہے۔ غرضیکہ جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلاف ہیں۔ میری کسی طرح تسلی نہیں اس لئے میں خود جنازہ غائب نہیں پڑھا کرتا'' [1]

نوٹ:

غائبانہ نماز جنازہ پر یہ مذکورہ بالا مضمون شارح بخاری مولانا محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کا ہے جو ''ماہنامہ رضوان'' اکتوبر میں شائع ہوا، جس کو میں نے کچھ تصرفات کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے۔

اہم وضاحت:

بریلوی اور دیوبندی دونوں حنفی ہیں۔ حنفی مسلک میں غائبانہ نماز جنازہ کا کوئی وجود نہیں، اس لئے ان دونوں مکاتب فکر کے علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے اور اہلحدیث غیر مقلد معتبر علماء کے فتاوی سے بھی واضح ہوا کہ وہ بھی جواز کے قائل نہیں۔

پاکستان میں اب صرف غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے والے بے ضمیر علمائے سوء، سیاسی شعبدہ باز، بکاؤ مال، منافقین ہیں جو اپنی مجالس میں اور منبر رسول پر بیٹھ کر کسی کو گالی دیتے ہیں، کافر کہتے ہیں۔ پھر ان کی محافل میں پیسے بٹورنے کے لئے شریک بھی نظر آتے ہیں، بس صرف یہ ان لوگوں کا کام رہ گیا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ جہاں ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں علمائے ربانیین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے دین متین کے علمبردار ہیں۔ تقویٰ ان کا شیوہ ہے، سچ بولنا ان کا وطیرہ ہے، رزقِ حلال حاصل کرنا ان کا خاصہ ہے۔ اگر کسی کو از روئے شریعت فی الوقع حقیقتاً کافر سمجھ کر کافر کہا تو اس پر قائم رہنا ان کا نشانِ امتیاز ہے۔ وہاں چند مٹھی بھر جھوٹے، فریبی، حرام خور، بکاؤ مال، منافق، شعبدہ باز بھی ہیں جنہوں نے عام علماء کرام کی عزت کو خاک میں ملایا ہوا ہے۔ ان کا کام صرف مال جمع کرنا ہے۔ خواہ کافر سے ملے یا مسلمان سے ملے یا نصرانی سے ملے، ہندو سے ملے یا سکھ سے۔

بس یہی لوگ ''قیامِ پاکستان'' کے بھی مخالف تھے اور اب ''بقائے پاکستان'' کے بھی مخالف ہیں۔ کلاشنکوف کلچر علماء کا شیوہ ہی نہیں بلکہ یہ لوگ جہلا ہیں جو علماء کے لباس میں نظر آتے ہیں۔ اشقیاء ہیں جو صلحاء کی شکل میں میں نظر آتے ہیں۔ یہ حرام خور ہیں جو ہاتھوں میں تسبیح لئے ہیں۔ پیشاب پینے، سور کھانے کو حرام تو سمجھتے ہیں لیکن اسے برداشت کر کے ہڑپ کر جاتے ہیں۔

حضرات محترم!! خدارا، اپنے ازلی دشمنوں کو پہچانئے!!!!

- وہ کون تھے جو بحیثیت جماعت کانگرس کے پٹھو تھے؟

1۔ تنظیم اہل حدیث 11 جون 1965 بحوالہ ماہنامہ رضوان

- گاندھی کو "منبرِ رسول ﷺ" پر بیٹھانے والے کون تھے؟
- قائداعظم کو "کافراعظم" کہنے والے کون تھے؟
- "ہزار جینا (جناح) نہرو کے جوتے کی نوک پہ قربان" یہ کہنے والے کون تھے؟

یقیناً وہی آج پاکستان کو توڑنے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ قیام پاکستان کے وقت جس طرح انگریز کے آلۂ کار تھے۔ آج بھی انگریز کا پیسہ لے رہے ہیں۔ یہ بھی ان کا کہنا غلط ہے کہ اگرچہ پاکستان بننے کے مخالف تھے، آج بھی ہمارے وہ نظریات نہیں، ہم نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان کو تسلیم کرلیا ہے۔ کون سا عمل ان کا اس پر دلیل ہے آج تک وہ چالبازیاں، ملک میں تخریب کاری کے اڈے قائم کیے ہوئے ہیں۔ اپنے ملک کے باشندوں کو قتل کررہے ہیں۔ یہ کونسا دین ہے؟ کیسی ملک کی خدمت ہے؟ کچھ نہیں صرف اسلام سے لوگوں کو دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

آج کے دور میں انسان ایسے چند فریب کار ملاؤں سے نفرت کرتے ہوئے ہر مولوی کو یہی سمجھ رہا ہے اور اسلام سے دور ہو رہا ہے لیکن خدارا!! پاکستان کے عقلمند عوام، غیور مسلمانو! کھرے کھوٹے میں تمیز کیجئے۔ حق و باطل کو سمجھئے، شریف و شر کا فرق کیجئے۔ چند بدمعاشوں کی وجہ سے تمام علمائے کرام کو ایک جیسا نہ سمجھئے۔

مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنا منع ہے:

مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مطلقاً منع ہے۔ موطا امام محمد میں [لا یصلی علی جنازة فی المسجد] "نماز جنازہ ادا کرنا مطلقاً منع ہے۔" [1] اس کو مطلق ذکر کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنازہ مسجد کے اندر رکھا جائے یا جنازہ باہر ہو لیکن نمازی مسجد کے اندر ہوں، حکم ایک ہی ہوگا۔ امام طحاوی نے بیان کیا ہے کہ پہلے جواز تھا لیکن بعد میں منسوخ کردیا گیا۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ کی حدیث میں مطلقاً اس طرح مذکور ہے: [من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة له] "جس شخص نے مسجد میں میت پر نماز جنازہ ادا کی نماز (کامل) ادا نہیں ہوئی۔" [2]

اسی طرح ابوداؤد اور مسند احمد میں ہے "فلا شیء له" اور ابن ماجہ میں ہے "فلیس له شیء"۔ دونوں قسم کے الفاظ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت پر مسجد میں نماز ادا کرے گا اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ تمام صورت اس وقت ہے جب تک کوئی عذر نہ ہو۔ اگر عذر ہو تو مسجد میں جنازہ جائز ہوگا جیسے بارش ہو یا ولی میت مسجد میں معتکف ہو یا وہ شخص جس کا حق مقدم ہے۔ (جیسے بادشاہ، بادشاہ کا نائب، قاضی وغیرہ) مسجد میں اعتکاف میں ہو۔ ان

1۔ مؤطا امام محمد، امام محمد رحمہ اللہ، ص 169

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3، ص 243 دارالفکر بیروت

صورتوں میں بغیر کسی کراہت کے مسجد میں جنازہ جائز ہوگا۔

قبر اور دفن کے متعلق مسائل:

میت کے قد کے مطابق قبر کا طول ہو اور میت کے نصف قد کے برابر عرض (چوڑائی) ہو اور نصف قد کے برابر ہی گہرائی ہو لیکن عورت کی قبر کی گہرائی اس کے سینہ کے برابر ہو۔ اسی طرح مرد کی قبر کا قبر گہرا ہونا بھی مستحب ہے، تاہم آج کل بمشکل قد کے نصف برابر مرد اور عورت کی قبر بنائی جاتی ہے بلکہ اس سے کم ہی رکھی جاتی ہیں۔ جواز ہے، تاہم استحباب کے خلاف ہے۔ (1)

مسئلہ نمبر ۱۲:

قبر کا "لحد" بنانا مستحب ہے، قبر "شق" نہ بنائی جائے۔ "لحد" اس قبر کو کہتے ہیں جس کے ایک کنارے پر کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جاتی ہے جس کو عام طور پر "بغلی قبر" کہا جاتا ہے۔ "شق" اس قبر کو کہتے ہیں جس کے درمیان میں کھود کر اس میں رکھا جاتا ہے جس کو عام طور پر "چیر وین" قبر کہتے ہیں۔ (2)

مسئلہ نمبر ۱۳:

اگر زمین نرم ہو وہاں "لحد" نہ بن سکے تو "شق" نہ بنائی جائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ لحد بنانا بہتر ہے، واجب نہیں۔ اگر ایسی زمین ہو جہاں لحد بن سکتی ہے لیکن پھر بھی شق بنائی جائے تو جائز ہے، اگرچہ بہتر نہیں۔ (3)

لحد بنانی چونکہ مشکل ہے، اس لئے آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے شہروں میں عام طور پر شق ہی بنائی جارہی ہیں۔ تاہم دیہاتوں میں ابھی تک اس مستحب طریقہ پر بفضلہ تعالیٰ عمل ہو رہا ہے یعنی دیہاتوں میں قبر لحد بنائی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی قبر "لحد" بنائی گئی:

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ ایک حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جو بطریق شق (جسے سامی یا چیر وین قبر کہتے ہیں) قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خدا! اپنے حبیب کیلئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو اور آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کیلئے اور دوسرے کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لئے اور فرمایا: جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے۔ حضرت ابو

1۔ ردالمحتار، علامہ شامی رحمہ اللہ، ج3، ص164 مطبوعہ بیروت

2۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2، ص193

3۔ حوالہ مذکورہ

عبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آ گئے، اس لئے بطریق لحد قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [اللحد لنا و الشق لغیرنا] "لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے۔" حدیث میں "لنا" سے مراد مدینہ طیبہ والے اور "لغیرنا" سے مراد اہل مدینہ کے غیر ہیں یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔

اس کی توجیہ میں علماء فرماتے ہیں: مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے اور وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے اور چونکہ مسنون بھی بلکہ اپنی اپنی پسند کا معاملہ ہے۔ اس کے باوجود یہ یقینی بات ہے کہ افضل وہ کام ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا۔

بعض علماء کے نزدیک اگر زمین سخت ہو، جہاں لحد بن سکے، وہاں لحد افضل ہے اور جہاں زمین نرم ہو، لحد نہ بن سکے، قبر کے گرنے کا خطرہ ہو، وہاں شق افضل ہے اور بعض علماء کرام نے "لنا" سے مراد ملت اسلامیہ کے لوگ لیا ہیں کہ ہم مسلمانوں لوگوں کے لئے قبر لحد ہے اور "لغیرنا" سے مراد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں کہ شق ہمارے غیروں کے لئے ہے۔ تاہم مسئلہ بہتری کا ہے، وجوب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴:

جہاں نرم زمین ہو، وہاں تابوت بنانے میں کوئی حرج نہیں، تابوت پتھر کا ہو یا لوہے کا لیکن اگر نرم زمین نہ ہو تو بلا وجہ تابوت میں دفن کرنا درست نہیں۔ البتہ بعض علمائے کرام نے عورت کے لئے ہر حال میں تابوت بنانے اور اس میں دفن کرنا پسند کیا ہے کہ اس میں عورت کا پردہ زیادہ ہے اور قبر میں اتارنا بھی اس طرح آسان ہوگا کہ اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگیں گے۔ [2]

خیال رہے کہ اب جس طرح بیرون ممالک سے نعشیں آتی ہیں، لکڑی کے تابوت میں بند ہوتی ہیں۔ ان میں کیمیائی اجزاء ملے ہوتے ہیں جن سے جسم صحیح رہتا ہے اور باہر نکالنے سے جسم کے خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، ان کو اسی لکڑی کے تابوت میں دفن کر دیا جائے، اگرچہ عام حالات میں لکڑی کا استعمال درست نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۵:

اگر سمندر میں کہیں کشتی میں کوئی آدمی فوت ہو جائے، کشتی کے کنارے پر پہنچنے میں کئی دن درکار ہیں۔ اتنی دیر میں میت کے جسم کے خراب ہونے کا خطرہ ہو تو میت کو غسل و کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیا جائے۔ [3]

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص441
2۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج2، ص193
3۔ حوالہ مذکورہ

مسئلہ نمبر ۱۶:

جس گھر میں آدمی فوت ہو جائے بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، وہاں ہی دفن نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے لئے دعا کرتے رہیں۔ جس جگہ فوت ہو اسی جگہ دفن کرنا یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا: ہر نبی کو وہاں ہی دفن کیا گیا جہاں اس کی روح کو قبض کیا گیا۔ (1)

دفن کرتے وقت یہ دعائیں پڑھی جائیں:

- قبر میں دفن کرنے والا پڑھے۔ [بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم]
- یا اس طرح پڑھے: [بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْنَاكَ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم] (2)
- بزاز نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ جب جنازہ قبر پر پہنچ جائے اور لوگ بیٹھ جائیں تو تم نہ بیٹھو، بلکہ اس قبر کے کنارے کھڑے ہو جاؤ۔ جب مردے کو قبر میں اتارا جائے تو پڑھو:

[بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ نَزَلَ بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مُنْزُولٍ بِهٖ خَلَفَ الدُّنْيَا ظَهْرَهٗ مَا جَعَلَ مَا قَدَّمَ عَلَيْهِ خَيْرًا فَمَا خَلَفَ فَاِنَّكَ قُلْتَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ] (3)

- ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی کہ وہ دفن کے وقت پڑھتے تھے:

[بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهٖ]

- "ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ بزرگان دین مردہ کو قبر میں اتارتے وقت پڑھتے تھے:

[بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ] (4)

چند مسائل گذشتہ سے پیوستہ

مسئلہ نمبر ۱۷:

جو آدمی بعد میں آئے تکبیر کی انتظار کرے۔ امام جب تکبیر کہے اس کے ساتھ اس وقت ملے۔ جو تکبیریں چھوٹ گئی

1۔ ردالمختار، علامہ شامی رحمہ اللہ، کتاب الصلوۃ فی الجنائز، ج3، ص166

2۔ البحرالرائق شرح کنزالدقائق، ج2، ص193

3۔ درمختار، علامہ شامی رحمہ اللہ، کتاب الصلوۃ فی الجنائز، ج3، ص166

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج3، ص239

تھیں وہ بعد میں ادا کر لے لیکن شرط یہ ہے کہ میت کو اٹھا نہ لیں۔

مسئلہ نمبر ۱۸:

درج ذیل لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی:

﴿۱﴾: باغیوں کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ باغی اسے کہتے ہیں جو خلیفہ حق کی ناحق طور پر مخالفت کریں، اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں اور قتل ہو جائے۔ باغی جب دوران بغاوت قتل ہو جائے تو یہ حکم اس وقت ہے، اگر وہ طبعی موت مرے تو پھر حکم نہیں ہوگا۔ اسی طرح باغی کو کسی اور نے قتل کر دیا ہے بغاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ایسے ہی ظالم پر امداد کرنے والا جب اس کے ظلم کی امداد کرتے ہوئے قتل ہو جائے اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی وہ بھی باغی کے حکم میں ہے۔

﴿۲﴾: ڈاکو ہتھیار لے کر لوگوں کا راستہ روکے ہوئے مال لوٹ رہا ہو، لوگوں کو قتل کر رہا ہو یا وہ شہر میں ہتھیار لے کر لوگوں کی مال و جان و عزت کا لٹیرا بنا ہوا ہے، اس دوران وہ ڈاکو قتل ہو گیا تو اس کے نماز جنازہ بھی نہیں ادا کی جائے گی۔ اس طرح لوگوں کے گلے گھونٹ کر مارنے کا عادی ہو، ایسا فعل جب اس سے دو مرتبہ ثابت ہو جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا کہ وہ اپنے اس فعل پر عمل کرتے ہوئے کسی کی گرفت میں آ کر قتل ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی۔
خیال رہے یہاں تین شخصوں کا ذکر ہوا شہر سے باہر ڈاکہ مارنے والا اس کو فقہائے کرام ''قاطع الطریق'' کہتے ہیں۔ شہر کے اندر ڈاکہ مارنے والا، اس کو ''مکابر'' کہتے ہیں۔ گلا گھونٹ کر مارنے والا اس کو ''خناق'' کہتے ہیں۔

﴿۳﴾: اپنے ماں باپ کا قاتل.......... جب قاضی اسے قصاصاً قتل کرا دے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اس کے غلط فعل کی وجہ سے یہ اس کی توہین و تذلیل کی جائے گی۔ ہاں! اگر یہی خود مر جائے تو نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔[1]

مسئلہ نمبر ۱۹:

خودکشی کرنے والے کا جنازہ ادا کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فاسق ہوا ہے، فاسق کا جنازہ ادا کیا جاتا ہے یعنی یہ صرف فاسق ہے، باقی روئے زمین پر اس کا فساد نہیں پایا گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ اپنی ذات پر ہی باغی ہے جیسے دوسرے فاسق تمام بھی اپنی ذاتوں پر بغاوت کرنے والے ہیں، لیکن فاسقوں کا جنازہ ادا کرنے پر اجماع امت ہے۔[2]

مسئلہ نمبر ۲۰:

جب کئی جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھنا افضل ہے۔ اگر تمام پر ایک مرتبہ ہی جنازہ ادا

1۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج1 ص163

2۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری، ج3 ص127

کریں تو پھر بھی صحیح ہے اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جوان سے افضل ہو وہ امام کے قریب ہو، اس کا سینہ امام کے سامنے اور اس کے دوسرے مرتبے والا اس کے آگے، اسی طرح تیسرا آگے۔ جتنے جنازے بھی ہوں تمام کو اسی ترتیب سے امام کے آگے رکھا جائے گا، تمام کی چارپائیاں یا بغیر چارپائیوں کے جنازے زمین پر ہوں وہ عرضاً ہوں، طولاً نہیں۔

یہی حکم دفن کا بھی ہے، سب کو علیحدہ علیحدہ دفن کرنا بہتر ہے۔ اگر ایک ہی قبر میں دفن کرنا پڑے تو اس صورت میں ترتیب جنازے کی ترتیب کے الٹ ہوگی جو افضل ہوگا وہ قبلہ کی طرف ہوگا پھر پیچھے ہوتے چلے آئیں گے۔ (1)

مسئلہ:

بغیر عذر کے نماز جنازہ بیٹھ کر جائز نہیں، کھڑا ہونا ضروری ہے۔ نماز جنازہ میں قرأت اور تشہد نہیں۔ (2)

مسئلہ:

میت کو دفن کرنے کے لئے قبر کی قبلہ کی جانب رکھا جائے، پھر آہستہ آہستہ بغیر ضرر پہنچانے کے قبر میں اتارا جائے۔ میت کا منہ قبلہ کی جانب کیا جائے۔ اگر میت کا منہ قبلہ کی جانب نہیں کیا گیا تھا اسی طرح دفن کر دیا گیا تو اسی حال پر رہنے دیا جائے۔ قبر کو دوبارہ کھول کر منہ قبلہ کی طرف کرنا جائز نہیں۔ (3)

مسئلہ:

لحد میں یا شق میں قبر کے اندر پختہ اینٹیں یا لکڑی استعمال نہ کی جائے کیونکہ اینٹیں آگ میں پک کر آئی ہیں اور لکڑی اکثر اوقات بطور ایندھن استعمال ہوتی ہے اسلئے یہ نیک ارادہ محفوظ رکھ۔ لیکن جہاں زمین نرم یا تابوت میں دفن کرنے کی مجبوری ہو وہاں بخار کے مشائخ نے کہا ہے کہ ہمارے شہروں میں پختہ اینٹوں کا استعمال جائز ہوگا۔

"وقال مشائخ بخارا لا یکرہ الآجر فی بلدتنا للحاجۃ لضعف الاراضی" (شامی)

"بخارا کے مشائخ نے کہا ہے: ہمارے شہروں میں پختہ اینٹوں کا استعمال جائز ہے کیونکہ مجبوری درپیش ہے اس لئے کہ اس علاقہ کی زمینیں نرم ہیں۔"

مسئلہ:

دفن کرتے وقت عورت کی قبر پردہ کیا جائے یعنی چادر وغیرہ تان لی جائے جتنا ممکن ہوا تنا عورت کے پردہ کا لحاظ کیا

1۔ درمختار، علامہ ابن عابدین شامی ج3، ص138

2۔ درمختار، علامہ ابن عابدین شامی ج3، ص130

3۔ البحرالرائق شرح کنزالدقائق، ج2، ص193

جائے لیکن مرد کی قبر کو ڈھانپنا ضروری نہیں۔ (1)

مسئلہ:

دفن کے وقت جتنے لوگ موجود ہوں تمام کا دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالنا مستحب ہے۔ (2)

1۔ درمختار، کتاب الصلوۃ فی الجنائز ج 3، ص 168

2۔ فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوۃ فی الجنائز ج 1، ص 166

فصل ہشتم

قبر و دفن کا بیان

مسئلہ:

قبر اونٹ کے کوہان کی طرف بنائی جائے یعنی اوپر سے گول ہو، چوڑائی میں نہ ہو۔ اگر قبر چوڑائی میں بنا ہی دی گئی تو گناہ نہیں۔ گولائی میں بنانا مستحب ہے، اسی پر زیادہ فقہائے کرام ہیں۔ یعنی بعض حضرات نے اگرچہ یہ بھی کہا ہے کہ کوہان کی طرح بنانا واجب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مستحب ہے، مستحب کے چھوڑنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔ (1)

قبر پر پانی چھڑکا جائے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "رش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر پانی چھڑکا گیا۔ آپ کی قبر شریف پر پانی چھڑکنے والے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایک مشکیزہ سے پانی چھڑکا" بدأ من قِبَلِ رأسه حتی انتهی الی رجلیه" آپ کے سرانور کی جانب سے قبر پر پانی چھڑکنے کی ابتداء کی، یہاں تک پاؤں مبارک کی جانب انتہاء کی۔ (2)

پانی چھڑکنے کی حکمت کیا ہے؟ اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ فرماتے ہیں:

"قال الطیبی لعل ذالک اشارة الی استنزال الرحمة الالهیة والعواطف الربانیة" (مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج1 ص77)

"علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانی چھڑکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی رحمت اور رب تعالیٰ کی مہربانیوں کے نزول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔"

جیسا کہ قبر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے: [اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَاہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ] "اے

1۔ فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ فی الجنائز، ج1 ص166

2۔ بیہقی شریف بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح خطیب تبریزی رحمہ اللہ باب دفن المیت ج1 ص149

اللہ! اس کے گناہوں کو پانی اور برف اور ژالہ (اولے) سے دھودے۔"

اسی طرح بزرگان دین، علمائے شرح متین یہ دعاء کرتے چلے آئے ہیں: [سَقَى اللّٰهُ ثَرَاهُ وَ بَرَّدَ مَضْجَعَهُ] "اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو سیراب کرے اور اس کے لیٹنے کے مقام (قبر) کو ٹھنڈا کرے۔"

بعض حضرات نے پانی کے چھڑکنے کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ پانی اس لئے چھڑکا جاتا ہے کہ قبر زیادہ دیر پا باقی رہتی ہے، مٹی پختہ ہو جاتی ہے، قبر کا نشان جلدی مٹتا نہیں لیکن اس کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" هذا الامر ظاهر حسي لا يحتاج الى نقل وهو ماخوذ من العبارة و اما ما ذكره الطيبي من الاشارة فهو في غايته اللطافة و نهاية من الشرافة "

"یہ تو ایک ظاہر بات ہے جو واضح طور پر محسوس ہو رہی ہے، یہ نقل کی محتاج نہیں البتہ جو طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا وہ انتہائی لطافت و شرافت کی حامل ہے۔"

حدیث پاک سے یہی اشارہ مل رہا ہے اسی مسئلہ پر تائید کے لئے ایک واقعہ مرقاہ میں تحریر کیا گیا کہ بعض اوقات نیت ایک چیز کی ہوتی ہے دوسری چیز خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے یہاں نیت پانی کے چھڑکنے سے قبر کو ٹھنڈا کرنے کی دعاء ہے اور قبر کی مٹی کا پانی سے منجمد ہونا خود ہی حاصل ہو جائے گا۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ کسی بزرگ کے مرید نے ایک گھر تعمیر کیا پھر اپنے شیخ کامل کو اس مکان میں مدعو کیا یعنی ان کی دعوت کی جب وہ بزرگ تشریف لائے، تو انہوں نے پوچھا: مکان میں تم نے کھڑکیاں اور روشن دان کیوں رکھے ہیں؟ تو آپ کے مرید نے جواب دیا: اس لئے تا کہ ان سے ہوا اور روشنی آسکے۔ بزرگ فرمانے لگے: یہ تو ایک ظاہری بات ہے، ان چیزوں نے تو حاصل ہونا ہی ہے: [لكن كان ينبغي ان تقصد بالاصالة سماع الاذان و يكون بالباقي تبعه] "لیکن مناسب یہ تھا کہ تم اصل میں ان کھڑکیوں کے بناتے وقت یہ ارادہ کرتے کہ ان سے آذان کی آواز سنائی دے گی تو اس سے تمہیں ثواب حاصل ہوتا، روشنی اور ہوا خود بخود اس کے تابع ہو کر حاصل ہو جاتیں۔" [1]

قبر پر نشان کے لئے پتھر لگا دیا جائے:

حضرت عبدالمطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ان کا جنازہ اٹھایا گیا اور انہیں جب دفن کر دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم فرمایا: وہ پتھر اٹھا کر لاؤ، لیکن اس صحابی سے وہ پتھر نہ اٹھایا جا سکا ۔[فقام اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم و حسر عن ذراعيه] "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہو کھڑے ہوئے، آپ نے اپنے بازو چڑھائے۔"

مطلب کہتے ہیں: مجھے جس نے خبر دی انہوں نے فرمایا کہ میں گویا کہ آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیوں کی سفیدی کو

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص77

دیکھ رہا ہوں، جب آپ نے بازو چڑھائے ہوئے تھے۔

"ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها قبر اخی و ادفن الیه من مات من اهلی"

(رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ باب دفن المیت، ج ا ص 149)

"پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی وہ پتھر اٹھایا اور قبر کے سرہانے کے پاس آکر لگا دیا اور فرمایا: مجھے اس کے ذریعے اپنی بھائی کی قبر کا علم ہوتا رہے گا اور اگر میرے اہل وعیال سے کوئی فوت ہوا تو میں اس کے قریب دفن کروں گا۔"

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: حدیث پاک سے واضح طور پر حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر قبر پر علامت کے لئے طلب کیا۔

②: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری کا پتہ چلا کہ جو پتھر صحابی سے نہ اٹھایا جاسکا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا۔

③: اور یہ بھی واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت خود اپنے ہاتھ مبارک سے کام کیا، کسی کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھا۔

ان علماء کے لئے مقام عبرت ہے جو اپنا کام خود نہیں کرتے کیونکہ وہ عار محسوس کرتے ہیں کہ میرے ہاتھوں میں دو چار چھٹانک کا وزن ہو، میں نے تھیلا اٹھایا ہوا ہو تو اچھا نہیں لگے گا بلکہ یہ طالب علم کو دوں، وہی چھوڑ کر آئے۔ کاش! یہ سمجھ آئے وہ بھی انسان ہے ہوسکتا ہے میرے خاندان جیسے یا اس سے بھی اعلیٰ خاندان کا فرد ہو۔

④: حدیث پاک سے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کسی کام کے لئے بازو چڑھانا کہ قمیص کی آستینیں میلی نہ ہو جائیں یا کام میں رکاوٹ نہ بنیں جائز ہے۔ نہ ہی مکروہ ہے اور نہ ہی ادب کے خلاف ہے، بیشک لوگوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ادب اور شریعت کا لحاظ کون کرے گا؟ ہاں! یہ خیال رہے کہ یہ حکم مرد کیلئے ہے عورت کے لئے نہیں وہ غیر محرم مردوں کے سامنے بازو ننگے نہیں کر سکتی۔

⑤: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو بھائی کہا کیونکہ وہ آپ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی ہیں اور اہل صفہ سے ہیں اور مہاجرین سے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے اور پہلے پہلے ہجرت کرنے والوں سے ہیں۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔

⑥: حدیث پاک سے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ خاندان کے افراد کو ایک جگہ دفن کرنا مستحب ہے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے اہل وعیال کو ان کے ساتھ دفن کروں گا آپ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو انکے ساتھ ہی دفن فرمایا کیوں کہ آپ کے خاندان سے سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون کے بعد فوت ہونے والے یہ ہی تھے۔[1]

1- مرقاۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4، ص 77

قبر میں مٹی ڈالنے والے کی حکایت:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ قبر پر مٹی ڈالنا مستحب ہے، اسی طرح مستحب یہ ہے کہ تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالے کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ مٹی ڈالی جب کہ میت کو دفن کیا جارہا تھا۔ کسی شخص کو خواب میں دیکھا گیا، دیکھنے والے نے اس سے پوچھا: مرنے کے بعد تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: میری نیکیوں کا وزن کیا گیا تو میرے گناہ میری نیکیوں پر بھاری ہوگئے لیکن میری نیکیوں کے پلڑے میں ایک ہتھیلی کو ڈال دیا گیا جس سے میری نیکیاں بڑھ گئیں۔ جب ہتھیلی کو کھولا گیا تو اس میں وہ مٹی تھی جو میں اپنے ایک مسلمان بھائی کے دفن کے وقت اس کی قبر پر ڈالی تھی۔

یعنی اس واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی کے دفن کے وقت قبر پر مٹی ڈالنا مستحب ہے یا باعث ثواب ورحمت ہے، بخشش کا ذریعہ، نیکیوں کے بڑھانے کا سبب ہے۔ [1]

قبر پر نام لکھنا مستحب ہے:

"ویسن کتابة اسم المیت لا سیما الصالح لیعرف عند تقادم الزمان لان النهی عن الکتابة منسوخ"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص78)

"قبر پر میت کا نام لکھنا مسنون ہے۔ خصوصاً اگر نیک آدمی ہو تو اس کا نام لکھنا اسلئے بہتر ہے کہ اس کا نام یاد رہے گا، کیونکہ وقت گذرنے سے کہیں اس کا نام مٹ نہ جائے لوگوں کو قبر کا علم ہی نہ رہے جن روایات میں لکھنے سے منع کیا گیا ہے، وہ منسوخ ہیں۔"

اب اگر انسان عناد وبغض اور حسد، ضد، ہٹ دھرمی کی عینک کو اتار کر مرقاۃ کے ان الفاظ: [لیعرف عند تقادم الزمان] پر غور کرے تو سمجھنا مشکل نہیں رہے گا کہ نیک آدمی کی قبر پر لکھنا خصوصی طور پر مستحب کیوں ہے؟ تا کہ وہ وقت کے گذرنے پر بھی وقت پہچانا جائے۔ تبرک حاصل کیا جائے ورنہ اگر صرف یہ مقصود ہو کہ قبر کی پہچان رہے تا کہ آنے والے لوگ اس کے لئے دعاء مغفرت کریں تو اس دعا کا تو گناہ گار بنسبت نیک کے زیادہ محتاج ہے۔

مٹی ڈالتے وقت اور دفن کے بعد دعائیں:

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ ادا کی اور پھر قبر کے سرہانے کی جانب تین مرتبہ مٹی ڈالی۔ جوہرہ میں ذکر ہے پہلی مرتبہ مٹی ڈالتے ہوئے پڑھے [منها خلقنا کم] اور دوسری مرتبہ مٹی ڈالتے وقت پڑھے [وفیها نعید کم] اور تیسری مرتبہ مٹی ڈالتے ہوئے پڑھے [ومنها نخرجکم تارة اخری]۔

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص78

اور بعض فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ پہلی مرتبہ یہ دعا پڑھے: [اَللّٰھُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَیْہِ] اور دوسری مرتبہ یہ پڑھے [اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَبْوَابَ السَّمَآءِ لِرُوْحِہٖ] اور تیسری مرتبہ پڑھے [اَللّٰھُمَّ زَوِّجْہُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ] یہ تیسری مرتبہ والی دعاء مرد کے لئے ہے۔ اور عورت کیلئے تیسری دفعہ اس طرح پڑھے [اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْھَا الْجَنَّۃَ بِرَحْمَتِکَ] [1]

خیال رہے کہ تینوں مرتبہ دونوں دونوں دعائیں پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔

دفن کے بعد:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے کہ تم میں سے جب بھی کوئی فوت ہوجائے تو اس کے دفن میں دیر نہ کرو (یعنی بغیر عذر کے بہت تاخیر نہ کی جائے) اس کو جلدی قبر کی طرف لے جاؤ۔ [ولیقرأ عند راسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ] "(دفن کے بعد) اس کے سر کے قریب سورۃ بقرۃ کی ابتدائی آیات مبارکہ اور اس کے پاؤں کی طرف سورۃ بقرۃ کی آخری آیات پڑھی جائیں۔" [2]

تلقین بعد از دفن:

[لقنوا موتاکم بلا الہ الا اللہ محمول علی حقیقتہ] "میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اپنے فوت شدہ کو تلقین کرو، اس کا ظاہری، حقیقی معنی ہی معتبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قبر میں زندگی عطا فرماتا ہے اور وہ سنتا ہے۔

حدیث شریف میں واضح طور پر دفن کے بعد تلقین کا ذکر ہے:

"و قد روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ"

"تحقیق نبی کریم ﷺ سے آپ کا ارشاد گرامی روایت کیا گیا ہے کہ آپ دفن کے بعد تلقین کا حکم فرماتے تھے۔ دفن کے بعد یہ کہے: اے فلاں بن فلاں! تم اپنے دین کو یاد کرو جس پر تم قائم تھے۔"

"من شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وان الجنۃ حق و النار حق و ان البعث حق و ان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا و ان اللہ یبعث من فی القبور و انک رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد ﷺ نبیا و بالقرآن اماما و بالکعبہ قبلۃ و بالمؤمنین اخوانا"

"وہ دین جس پر قائم تھے وہ یہ تھا کہ اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور بے شک جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، اور بے شک قیامت حق ہے اور بے شک قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک کا مقام نہیں۔ جو بھی قبروں میں ہیں

1۔ فتاوی شامی، ج1، ص658

2۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب دفن المیت، ص148

بے شک اللہ تعالیٰ کو ضرور زندہ کرے گا اور بے شک تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے امام ہونے پر اور کعبہ کے قبلہ ہو پر اور مومنوں کے بھائی ہونے پر راضی رہا۔" ❶

ابو داؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دفن سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرماتے تھے [استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ له التثبیت فانه الآن یسئل] اپنے بھائی کے لئے بخشش طلب کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعاء کرو کیونکہ اس سے اب سوال کئے جائیں گے۔ ❷

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے قریب اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ ہو اور آگ نہ ہو۔ جب تم مجھے دفن کر لو اور قبر پر مٹی ڈال لو۔

"ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی"

"پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ میں تم سے انس پکڑ سکوں اور مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے منکر و نکیر کا کیا جواب دینا ہے۔"

(رواہ مسلم، مشکوۃ، باب الدفن، ج1 ص148)

نوحہ کرنے والی عورت کو ساتھ لے جانے سے منع کیا کیونکہ اسکے چلا چلا کر رونے اور پکار پکار کر بین کرنے سے مردہ اور زندہ کو تکلیف ہوتی ہے، موت کی یاد اور دنیا کے فناء ہونے کی یاد سے لوگ غافل ہوتے ہیں، آخرت کے حالات اور درپیش آنے والے معاملات کی فکر سے انسان غافل ہو جاتا ہے حالانکہ میت کو دفن کرتے وقت کی فکر و سوچ صرف اخروی معاملات پر ہونی چاہیے۔

آگ کو ساتھ لے جانے سے اسی لئے منع کیا کہ زمانہ جاہلیت میں آگ کا ساتھ لے جانا فخر اور ریاء کاری کا سبب تھا اس لئے منع کیا۔ ❸

خیال رہے کہ بعض دیہاتوں میں جنگلی جانوروں یعنی بجو وغیرہ کا قبر کو نقصان پہنچانے کا خطرہ ہوتا ہے، ان کے بچاؤ کے لئے قبر پر کانٹے دار جھاڑیوں کی شاخوں کو رکھا جاتا ہے اور چند دن تک شام کو آگ جلائی جاتی ہے کہ اس کے دھوئیں اور کانٹوں سے ڈر کر وہ موذی جانور قبر کو نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ صورت جائز ہے کیونکہ یہ ایک خاص عذر ہے زمانہ جاہلیت کی رسم نہیں۔

اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت کی تقسیم تک ٹھہرنے کی وجہ یہ ہے:

1۔ ردالمختار، ج3، ص94 مطبوعہ بیروت

2۔ سنن ابی داؤد، علامہ سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ، ج2، ص105

3۔ مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص74

"استانس بکم ای بدعائکم و اذکارکم وقراء تکم واستغفارکم"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص86)

"کہ تم وہاں ٹھہر کر دعا کرو گے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گے، قرآن پاک پڑھو گے، بخشش طلب کرو گے تو اس طرح مجھے تم سے انس حاصل ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے سوالوں کے جواب دینے میں آسانی ہو گی۔"

اور اس سے پہلے ابوداؤد شریف کی حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی شخص کے دفن سے فارغ ہو جاؤ تو وہاں ٹھہر کر اپنے مسلمان بھائی کے لئے استغفار کرو یعنی اس کی بخشش کی دعا کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس شخص سے اس وقت سوال کئے جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وبهذا الخبر وقول عمر اعتضد حديث التلقين المشهور فمن ثم عملوا به"

"اس حدیث پاک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے تلقین والی مشہور حدیث کو تائید ملتی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر آج تک فقہائے کرام کا عمل جاری و ساری ہے۔"

حضرت محمد بن احمد مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

"اذا دخلتم المقابر فاقرءوا بفاتحة الكتاب والمعوذتين و قل هو الله احد و اجعلوا ثواب ذالك لاهل المقابر فانه يصل اليهم والمقصود من زيارة القبور للزائر الاعتبار والمزور الانتفاع بدعائه"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص81)

"جب تم قبرستان میں جاؤ تو قرآن پاک سے سورۂ فاتحہ اور سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھو اس کا ثواب قبرستان والوں کو پہنچاؤ کیونکہ قرآن پڑھنے کا ثواب ان کو پہنچتا ہے اور قبروں کی زیارت کا مقصد ہی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا عبرت پکڑے کہ میں نے بھی ایک دن مرنا ہے، موت کو یاد کرے، گناہوں سے بچے، نیک کام کرے اور جس کی قبر کی زیارت کی جائے اسے زیارت کرنے والے کی دعا سے فائدہ حاصل ہو۔

حضرت خلال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں "شعبی" سے نقل فرمایا کہ: [كانت الانصار اذا مات لهم الميت اختلفوا الى قبره يقرءون القران] "مدینہ طیبہ کے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ ان کا کوئی شخص بھی جب فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر اکثر طور پر آتے جاتے تھے۔ قرآن پاک پڑھتے یعنی اس کو ثواب صاحب قبر کو پہنچاتے۔"

ابو محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ "قل ھو اللہ احد" کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں:

"من مرّ علی المقابر و قرأ قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص81)

"جو شخص بھی قبرستان سے گزرے اور قل ھو اللہ احد (سورۂ اخلاص) گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچائے تو جتنے فوت شدہ حضرات وہاں ہوں گے، ان تمام کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بھی اجر عطا فرمائے گا۔"

ابو القاسم سعد بن علی زنجانی "قل ھو اللہ احد" کے فوائد بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب و قل ھو اللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص81)

"جو شخص قبرستان میں داخل ہوا پھر اس نے قرآن پاک کی سورۃ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد (سورۂ اخلاص) اور الھکم التکاثر (پوری سورۃ) پڑھیں، اس نے کہا: (اے اللہ!) میں نے تیرے کلام پاک سے جو کچھ بھی پڑھا ہے اس کو ثواب میں اس قبرستان کے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو پہنچاتا ہوں تو تمام فوت شدہ حضرات قیامت کے دن اس شخص کی شفاعت کریں گے۔

قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ عبید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں:

"قال حماد المکی خرجت لیلۃ الی مقابر مکۃ فوضعت رأسی علی قبر فنمت فرأیت اھل المقابر حلقۃ، فقلت: قامت القیامۃ؟ قالوا: لا ولکن رجل من اخو اننا قرأ قل ھو اللہ احد و جعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمہ منذ سنۃ"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص82)

"حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک رات کو مکہ مکرمہ کے قبرستان میں چلا گیا۔ وہاں میں نے قبر پر سر رکھا تو سو گیا۔ پس اسی حال میں قبرستان والوں کو میں نے مختلف حلقے بنائے ہوئے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا: کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں (یعنی قیامت تو قائم نہیں ہوئی) لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں میں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد (سورۂ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں پہنچایا ہے، ہم وہ ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من دخل المقابر فقرأ سورة يسين خفف الله عنهم و كان له بعدد من فيها حسنات"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4 ص83)

"جس شخص نے قبرستان میں داخل ہو کر سورۃ یٰسین پڑھی اللہ تعالیٰ ان قبرستان والوں سے (عذاب میں) تخفیف فرمائے گا جتنی تعداد میں وہاں فوت شدہ حضرات ہوں گے ان کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بھی نیکیاں عطا فرمائے گا۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث پاک "اقرء وا علی موتا کم یسین" میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ شخص فوت ہونے کے قریب ہو اس کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی جائے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اس کی قبر کے قریب پڑھی جائے۔ [1]

ایصالِ ثواب کی بحث اس کتاب میں نہیں آسکی۔ اس موضوع پر میں نے ایک مستقل رسالہ بنام "ایصالِ ثواب مستحب امر ہے" لکھا ہے جس میں میت کو ثواب پہنچانے کے مسائل و دلائل کو بیان کیا ہے۔

قبر پر چراغ جلانے کا حکم:

اصل میں ہر چیز مباح اور جائز ہے۔ اگر شرعی دلیل سے کسی چیز کو منع کیا جائے تو وہ ناجائز ہو گی۔ حقیقت میں حکم کی دار مدار نیت پر ہے، چراغ جلانے والے کی نیت اگر صاحبِ قبر کو معبود سمجھنا ہے تو یقیناً حرام اور کوئی فاسد غرض ہو تو اسی کے مطابق ممانعت کا حکم بھی ہو گا۔ اور اگر اس چراغ سے لوگوں کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو جائز ہو گا۔ جیسا کہ مجمع البحار میں مذکور ہے:

"وان كان ثم مسجدا وغيره ينتفع فيه للتلاوة والذكر فلا باس بالسراج فيه"

(مجمع البحار جلد 3 ص104)

"اگر قبر کے نزدیک مسجد ہو کہ قبر کے چراغ سے اس میں تلاوت قرآن پاک اور ذکر کرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو ایسی حالت میں حالت میں چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں"

اس طرح "وغیرہ" کے لفظ سے یہ سمجھ آرہا ہے کہ کسی طرح بھی وہ چراغ فائدہ پہنچائے تو جائز ہو گا ورنہ نہیں۔ جیسے قبر کے قریب سے راستہ گزر رہا ہو، اس چراغ سے راہ گزر کو فائدہ ہو یا وہ قبر گاؤں کے قریب ہو اس کا چراغ گاؤں کا پتہ دے رہا ہو تو یقیناً اس کو فائدہ لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ دیہاتوں میں رات کو چلنے والے مسافر اکثر طور پر بھٹک جاتے ہیں، کسی گاؤں کے چراغ سے وہ اپنی راہ متعین کرتے ہیں۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص81

رات کو تدفین کیلیے چراغ لے جانا جائز ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

" ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج فاخذ من قبل القبلة وقال رحمك الله ان كنت لاواها تلاء القرآن "

جامع ترمذی، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، باب دفن المیت، ج1 ص148

" نبی کریم ﷺ ایک رات ایک قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ چراغ بھی تھا، قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں اتار اور فرمایا: بے شک تم اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔"

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

① نبی کریم ﷺ رات کو قبر پر میت کو دفن کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے اسی فعل سے یہ بھی فائدہ حاصل ہو گیا کہ رات کو دفن کرنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

② اسی طرح دوسرا مسئلہ یہ حاصل ہوا کہ میت کی چارپائی کو قبلہ کی جانب رکھا جائے پھر اس کو قبر میں اتارا جائے" وقال رحمك الله " کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میت کے حق میں دعاءِ رحمت فرمائی۔

③ حدیث شریف میں " اِنْ كنت "میں لفظ اِنْ اصل میں اِنَّ ہے یعنی "مخففة من الثقيلة" ہے۔ جس کا معنی ہے بے شک تم تھے۔ اسی طرح آپ کے الفاظ مبارکہ "لاَوَّاها " کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زیادہ اُوہ اُوہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے زیادہ عجز کا اظہار کرنا، اللہ تعالیٰ کے خوف سے زیادہ رونا، اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کرنے کی زیادہ دعاء کرنا اس لئے کہ عربی میں "الاوّاہ" اور "المتاوّہ" کے معانی عاجزی کرنا، زیادہ رونا، زیادہ دعاء کرنا کے آئے ہوئے ہیں۔

④ آپ کے ارشاد گرامی میں لفظ "تلّاء" استعمال ہے، اس کے لام پر شد ہے۔ اس کے دو معنی آتے ہیں: زیادہ تلاوت کرنا اور زیادہ تابعداری کرنا۔ یہاں دونوں معنی ممکن ہیں کہ تم زیادہ قرآن پاک پڑھتے رہے، یا تم زیادہ قرآن پاک کی تابعداری کرتے رہے، اس کے مطابق عمل کرتے رہے۔[1]

نبی کریم ﷺ کی دعاء کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہارے لئے رحمت کی دعاء کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے رحمتِ کاملہ اور اس کی عام مغفرت کی قوی امید کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمہیں ایسے اعمال کی توفیق دے رکھی تھی جو اس کی رحمت ومغفرت کا ذریعہ ہیں کیونکہ بے شک تم اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آہ زاری کرتے رہے اور اس کی محبت کی وجہ عاجزی کرتے رہے اور اس کے خوف کی وجہ سے بہت ہی روتے رہے اور اس سے رحمت کی طلب کی بہت دعائیں کرتے

1۔ مرقاۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج4، ص74

رہے اور بہت ہی زیادہ قرآن پاک تلاوت کرتے رہے اور قرآن پاک کے احکام کے مطابق عمل کرتے رہے۔ یقیناً یہ اعمال اس کی رحمت ومغفرت کا ذریعہ ہیں، ہم بھی اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے تمہارے لئے دعا کررہے ہیں۔

میت کے گھر کھانا بھیجا جائے:

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی (یعنی جب آپ کی شہادت کی خبر مدینہ طیبہ میں پہنچی کیونکہ آپ جنگ موتہ میں شہید ہوگئے تھے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اصنعوا لاهل جعفر طعاما فانه قد جاء هم ما یشغلهم] "اہل جعفر کے لئے طعام تیار کرو (یعنی طعام تیار کرکے ان کے گھر بھیجو) اس لئے کہ ان کے پاس وہ خبر آچکی ہے جس نے ان کو (پریشانی میں) مشغول کردیا ہے۔ (1)

اس حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: [وفی الحدیث دلیل انه یستحب للجیران والا قارب تهیة طعام لاهل المیت] حدیث پاک میں یہ دلیل ہے کہ پڑوسیوں اور قریبی رشتہ داروں کا میت کے گھر والوں کے لئے کھانا بھیجنا مستحب ہے۔ (2)

خیال رہے کہ بعض رسم ورواج شریعت کے مخالف ہیں، ان سے علماء کرام کا کوئی تعلق نہیں۔ تمام مسلک کے علماء کرام ان سے منع فرماتے ہیں۔ ان رسوم سے ہی ایک رسم یہ ہے کہ میت کے دفن سے پہلے ہی بیل وغیرہ ذبح کردیئے جاتے ہیں، عام دعوت کا اعلان ہوتا ہے تمام گاؤں والے لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے۔ اگر جنازہ میں شرکت کے لئے کوئی شخص قریبی گاؤں سے ہی کیوں نہ آئے اسے بھی دعوت میں شریک کیا جاتا ہے۔

یہ صورت حال سراسر شریعت کے مخالف ہے لیکن اس کے برخلاف اگر دور و دراز سے مہمان آئے ہوئے ہیں، ان کو کھانا کھلانا ایک عذر ہے۔ اس میں بھی بہتر تو یہ ہے کہ رشتہ دار تین دن تک یا سات دن تک کھانے کا اہتمام کریں، لیکن عام یہی ہے کہ پڑوسی یا رشتہ دار اتنا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اب میت کے اہل وعیال مجبور ہوتے ہیں کہ مہمان کے لئے وہ خود ہی کھانا تیار کریں۔

مجبوری کی صورت میں تو عذر کو قبول کرنا عقل کا تقاضا ہے لیکن بغیر کسی مجبوری کے دعوت عام جہاں شریعت کے مخالف ہے، وہاں عقل کے بھی منافی ہے۔ البتہ صدقہ وثواب کی غرض سے کھانے کا اہتمام کرنا جائز ہوگا۔ جیسا کہ میں نے "ایصال ثواب" کے رسالہ میں واضح کیا ہے۔ تاہم ایسی صورت میں جب کہ اہتمام ترکہ سے کیا جارہا ہو حدود وقیود کا خیال رکھا جائے۔

1۔ جامع ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، کتاب الجنائز، ج1 ص119

2۔ لمعات، شرح مشکوٰۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ، ج1، ص706

پختہ قبر بنانے اور ان پر روضہ بنانے کا حکم:

پختہ قبر بنانے اور روضہ بنانے کا حکم نیت پر موقوف ہے۔ اگر نیت اسی صاحب قبر کو معبود بنانے کی ہے یا فخر کے طور پہ ظاہر کرنے کے لئے کہ لوگ دیکھیں: اس صاحب قبر کے اہل وعیال کتنے مالدار ہیں اور ان کو صاحب قبر سے کتنا تعلق ہے یا قبرستان کی جگہ وقف ہو اور اسیطرح صاحب قبر کی طرف سے قبر کو پختہ بنانا منع کیا گیا ہے، اس قسم کی کوئی بھی فاسد غرض ہو تو منع ہے۔

اگر نیت یہ ہو کہ قبر کا نشان باقی رہے، قبر بھول نہ جائے، قبر کے نشان مٹ نہ جائیں، یہاں لوگ قرآن پاک پڑھیں گے، ان کے سایہ حاصل کرنے اور دھوپ سے بچنے کیلئے روضہ تیار کیا گیا تو جائز ہوگا۔ اسلئے کہ نیت پاک صاف ہے، غرض نیک ہے، مقصد عظیم ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک حدیث پاک دوسری حدیث پاک کا بیان ہوتی ہے۔ جب ایک حدیث میں ایک کام سے منع کیا گیا ہو اور دوسری میں اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہو تو وہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہوگا۔

ایک حدیث پاک ہے: [نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر و ان يبنى عليه و ان يقعد عليه] ”نبی کریم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، چونہ گچ کرنا اور ان پر تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔“ (1)

اور دوسری حدیث پاک میں ہے: [الا و ان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبياء هم و صالحيهم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انى انهاكم عن ذالك] ”خبردار بے شک جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں (عبادت گاہیں) بنایا کرتے تھے۔ آگاہ ہو جاؤ!! پس تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“ (2)

قبر کی مٹی کو پختہ کرنے کے لئے پانی چھڑکنا، نشان کو باقی رکھنے کے لئے ان پر کنکریاں ڈالنا اور سر کی جانب بڑے پتھر لگانا، یہ سب کام نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں تو یقیناً جائز بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے افعال ہی تو شریعت ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کے روضۂ مطہرہ پر آج تک علماء کرام، صلحاء کبار، اولیاء عظام، فقہاء ذی وقار میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرہ شریف نبی کریم ﷺ کو کچی اینٹوں سے تعمیر کرایا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے اسے شہید کر کے منقش پتھروں سے تعمیر کرایا۔ جذ

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج 1 ص 148

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج 1 ص 69

ب القلوب کی اصل عبارت جس کا ترجمہ بیان کیا گیا یہ ہے:

"وبعد ازاں کہ امیر المؤمنین عمر در مسجد زیارت کرد حجرہ را از خشت خام بناء کرد و تا زمان حدوث عمارت ولید این حجرہ ظاہر بود عمر بن عبد العزیز بحکم ولید بن عبد الملک آن را ہدم کرد و بحجارہ منقوشہ بر آورد و بر ظاہر آن حطیرہ دیگر بناء کرد" [1]

مشکوۃ شریف ص ۱۵۲ میں بخاری شریف سے ہے۔ جب حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو آپ کی زوجہ شریفہ نے آپ کی قبر پر "قبہ" (گنبد) بنایا اور ایک سال تک رکھا اور بعد ازاں اٹھایا۔ حدیث شریف کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں:

"وعن البخاری تعلیقا قال لما مات الحسن بن علی رضی اللہ عنہ ضربت امراتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ ثم رفعت" [2]

تو مائی صاحبہ تابعیہ ہیں، اہل بیت کرام سے ہیں اور آپ نے تابعین کے زمانہ میں یہ کام کیا، آپ کو کسی نے منع نہیں کیا۔ صرف ایک دو دن نہیں بلکہ ایک سال تک اسے رکھا۔ معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض، درست مقصد کے لئے بنایا گیا تھا۔ جب تک اس مقصد کا حصول رہا، قبہ بھی موجود رہا۔ جب غرض موجود نہ رہی، قبہ بھی ہٹا لیا گیا۔ اتنی لمبی مدت یقیناً میں وہ کسی سے اوجھل تو نہیں رہا اور نہ ہی کسی نے ہٹانے کے لئے کہا۔

غرضیکہ جب تک مناسب سمجھا کہ لوگ بیٹھتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، اس وقت تک قبہ موجود رہا۔ جب لوگوں نے معمول ترک کر دیا تو قبہ کی ضرورت خود بخود ختم ہوئی، اس صورت میں قبہ کو اٹھا لیا گیا۔

اسی طرح جذب القلوب ص ۱۸۰ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"قبور ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالی عنہن نیز قریب دار عقیل است کہ چون عقیل بن ابی طالب چاہی در دار خود حفر کرد ازانجا سنگے بر آمد در وے نوشتہ اند "قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب" عقیل آن چاہ را بانباشت و عمارتے بر بالا قبر بنا کرد"

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی قبریں تھیں۔ عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کنواں کھودنا شروع کیا تو ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا "ام حبیبہ بنت صخر بن حرب کی قبر" حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں کھودنا بند کر دیا اور اس کے اوپر ایک عمارت تعمیر کرا دی۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ، مومنوں کی ماں کی قبر کے سرہانے پتھر لگا ہوا تھا اور اسی پر ان کا نام تحریر تھا۔ اور صحابہ کرام اور تابعین سے روضے بنانا بھی ثابت ہو گیا۔ لہٰذا اب اس میں کوئی خدشہ باقی نہ رہا کہ انسان تردد میں

1۔ جذب القلوب، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ص 121
2۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج 1 ص 152

رہے کہ جائز ہے یا جائز نہیں؟ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر شریعت کا پاسدار کون ہو سکتا ہے؟

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے:

صحیح حدیث ہے: [إنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ] ''اعمال کی دارومدار نیتوں پر ہے۔'' بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی کہ اگر ایک کام نیک نیت سے پایا جائے تو وہ کام نیک ہو جائے گا اور اگر بری نیت سے پایا جائے تو برا ہو جائے گا۔

مثلاً ایک مثال کی طرف توجہ کریں کہ اگر کسی کو ملتے وقت رکوع کی حد تک انسان اس لئے جھکے کہ یہ شخص معبود ہے تو یہی کام شرک اور حرام ہوگا۔ اگر صرف تعظیم کی خاطر جھکے تو مکروہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص معذور ہو اور محتاج ہو کہ کوئی اس کے اٹھانے میں امداد کرے تو اس غرض سے اس کو ملتے وقت اسے اٹھانا بھی مقصود ہو تو جھکنا واجب ہوگا۔

اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے مقصود ہوں، ارادہ صرف ہاتھ پاؤں چومنے کا تھا لیکن ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکنا پڑا تو ایسا جھکنا جائز، مستحسن ہے کیونکہ ارادہ ہاتھ، پاؤں چومنے کا تھا کیونکہ ہاتھ پاؤں کا چومنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''الادب المفرد'' ص ۳۳۹ میں وازع بن عامر سے روایت بیان فرماتے ہیں:

'' قال قدمنا فقيل ذاك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاخذنا بيديه و رجليه نقبلها''

'' کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یہ ان کی پہلی ملاقات تھی) تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں پکڑ کر چومے۔''

اب اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ہاتھ، پاؤں کو چومنا جائز ہے۔ اگر جائز نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے۔ آپ کا منع نہ فرمانا، جائز ہونے پر بہت بڑی قوی دلیل ہے کہ یہ کام یقیناً جائز ہے۔ اب ہر انسان جو عقل و دانش کا مالک ہو، صاحب شعور ہو، معمولی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو تو وہ سمجھے گا کہ ہاتھ پاؤں کے چومتے وقت جھکنا بھی پایا جاتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل منع فرمایا ہی نہیں۔ یہاں تک بھی نہیں فرمایا کہ اگرچہ ہاتھ پاؤں کا چومنا تو جائز ہے لیکن اس میں جھکنا پڑتا ہے، جھکنا تو ناجائز ہے۔ لہٰذا اس فعل سے بچنا ضروری ہے۔ اب مسئلہ نکھر کر سامنے آ گیا کہ ارادہ صرف ہاتھ پاؤں کے چومنے کا ہو تو جھکنا جائز ہے۔

ایک اور حدیث شریف کی طرف توجہ کیجیے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [رأيت عليا يقبل يد العباس و رجليه] ''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں چومتے ہوئے دیکھا۔''[1]

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2 ص............ فتاوی نوریہ، مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ، ج1، ص452

اب ان احادیث سے واضح ہوا کہ قبروں پر روضے بنانے میں جب نیت نیک ہوگی تو روضے بنانے جائز ہوں گے۔

ایک اور حدیث پاک کی طرف غور کریں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: [ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن] "جس کام کو مسلمان اچھا، نیک سمجھیں وہ اللہ کو بھی پسند ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا اور نیک ہوگا۔"

اب مسئلہ کو سمجھنا مشکل نہ رہا کہ نیک لوگوں کے روضے مسلمان اس لئے بناتے ہیں کہ یہ کام اچھا اور مستحسن ہے تو یقیناً اللہ کو بھی پسند ہوگا کہ یہ کام مستحسن ہے کیونکہ روضے بنانے والوں کی نیت نیک ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ جلد اول ص ۴۲۰ میں فرماتے ہیں:

"ودر مطالب المؤمنین گفته اند که مباح داشته اند سلف که بناء کرده شود بر قبور مشائخ و علماء مشهور تا زیارت کنند ایشاں را مردم واستراحت یابند دراں و نشینند در سایه آں نقل کرده است آں را از مفاتیح شرح مصابیح"

"مطالب المومنین میں بیان کیا گیا ہے کہ سلف صالحین نے مشہور مشائخ عظام اور علماء کرام کی قبروں پر روضے بنانا جائز سمجھا ہے کیونکہ ان کو دیکھ کر لوگ ان کی زیارت کریں گی (دعا کریں گے، ان سے فیضان حاصل کریں گے) وہاں بیٹھنے میں راحت محسوس کریں گے، روضے کے سایہ میں بیٹھیں گے مفاتیح شرح مصابیح سے اسے نقل کیا گیا ہے۔"

اسی طرح "اسواط العذاب" کے آخر میں حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری سے منقول ہے:

"ضرب الفسطاط ان کان الغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت فقد جاز"

"قبر پر خیمہ لگانا یا کوئی تعمیر کرنا میت کو سایہ پہنچانے کی غرض سے نہ ہو بلکہ اس نیک ارادہ سے ہو کہ یہاں زندہ لوگ آکر سایہ حاصل کریں گے تو جائز ہے۔"

کیونکہ قرآن پاک پڑھنے کی غرض سے دعاء اور ذکر کی غرض سے بیٹھنے کے لئے آرام میسر ہوا تو وہ انسان دیر تک بیٹھ سکے گا۔ اگر زمین گرم ہوئی، کانٹے اور سنگریزے ہوئے، وہ جلدی وہاں سے چلا آئے گا۔ دل جمعی سے نہ دعاء کر سکے گا نہ قرآن پڑھ سکے گا۔

اسی طرح اصحاب قبور کو حقارت سے بچانے کے لئے روضے تعمیر کرنا جائز ہے "اسواط العذاب" کے آخر میں تفسیر روح البیان سے منقول ہے:

"بناء القباب علی قبور العلماء و الاولیاء و الصلحاء امر جائز اذا قصد بذالك التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر" ❶

"علمائے کرام، اولیائے عظام، بزرگانِ دین نیک لوگوں کی قبروں پر روضے بنانا جائز ہے جب کہ نیت یہ ہو کہ لوگ ان کی قبروں کو گھٹیا نہ سمجھیں بلکہ یہ عوام الناس کی نظروں میں معظم نظر آئیں۔"

ایک صاحب کشف کا دلچسپ واقعہ:

حضرت قبلہ عالم سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ڈیرہ غازی خان میں ایک فقیر سے ملاقات ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ فقیر بڑا صاحبِ کشف تھا اور واقعات کونیہ (آنے والے واقعات) کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا تھا۔ میرے متعلق اس نے کئی پیشن گوئیاں کیں جو پوری ہو رہی ہیں اور اس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔

ڈیرہ غازی خان سے ملتان آتے وقت وہ میرے ساتھ ہولیا۔ غازی گھاٹ سے ہم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دودھ کا برتن لئے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لحہ کے لئے ادھر ہو گئی اور خیال آیا کہ وہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاً (اسی وقت) وہ فقیر تالی بجا کر کہنے لگا:............وہ تار ٹوٹ گئی، وہ تار ٹوٹ گئی............یعنی تمہاری توجہ ذکر الٰہی کے شغل سے ہٹ کر اس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وہ جہاز میں کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بگھی میں لے جائیں گے اور مجھے پیدل چلائیں گے، بابا اس کے لاڈلے جو ہوئے۔ تاہم ریل گاڑی میں اکٹھا سفر کریں گے۔ میں نے کہا: نہیں دونوں اکھٹے بگھی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے۔ وہ بولا: پیسے تو میرے پاس بھی ہیں، مگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جہاز سے اتر کر میں نے ایک اچھا سا تانگہ دیکھا اور اس میں سوار ہو کر اس فقیر سے کہا: میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ! میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آ کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ جگہ روک لی، وہ پچھلی سیٹ کی طرف پلٹا تو دو اور آدمی لپک کر اس سے پہلے سوار ہو کر بیٹھ گئے اور تانگہ میں سواریاں پوری ہو گئیں، پھر وہ جس تانگے یا بگھی کی طرف جاتا ہے اس کے پہنچے سے پہلے ہی تانگہ سواریوں سے بھر جاتا اور چونکہ اس روز وہاں تحصیلدار آیا ہوا تھا، اس لئے کوچوان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہیں بٹھا رہے تھے۔ چنانچہ اس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا۔

جب کئی میل سفر طے کرنے کے بعد یہ تانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اور وہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گزرا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے کوئی دو گھنٹہ بعد وہ فقیر ریلوے اسٹیشن پہنچا

1۔ فتاویٰ نوریہ، مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ، ج 1 ص 453

اور سید حامیرے ڈبہ میں چلا آیا اور جیسے ہی اس گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی (اس طرح اس کی وہ بات سچی ثابت ہوگئی کہ میں پیدل چلوں گا لیکن گاڑی میں اکھٹا سفر کریں گے)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ میں نے اس سے پوچھا: یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے جواب دیا: میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی گرفتار شدہ ملزم کو حراست میں لئے جارہے تھے اثنائے راہ (دورانِ راہ) ایک قبرستان آیا، جہاں ایک شکستہ سی قبر (کچی، ٹوٹی پھوٹی قبر) پر وہ ملزم دعا مانگنے کے لئے رُکا۔ میں نے کہا: جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہوگی۔ کیوں وقت ضائع کررہے، جلدی چلو! رات کو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص نظر آئے اور مجھے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اور میرے لئے دعا کرائی، پھر مجھ سے کہا: کہ میاں ہماری قبر تو ٹوٹی پھوٹی سہی مگر تمہارا کام تو بنا دیا۔ صبح کے وقت جب جاگا تو صاحبِ کشف تھا، ملازمت سے استعفیٰ دے کر آزاد ہوگیا۔

مولانا محبّ النبی سابق مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف راقم الحروف (مؤلف) کے استاذِ محتشم ہیں............ اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج بلند فرمائے............ کہتے ہیں: حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے ایک روز سبق پڑھانے کے دوران اس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہوئے کہا تھا: اس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ شریف آکر آپ سے ملوں گا۔ ابھی تک وہ نہیں آیا۔ اس وقت میری عمر ستر سال سے اوپر ہے، معلوم ہوتا ہے وہ ابھی تک زندہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ میں نے اس کی کوئی بات غلط نہیں پائی۔

مولانا فرماتے ہیں: اس روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں آخری سبق پڑھایا تھا اور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالم استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس فقیر کے کئی اور مکاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے، جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ [1]

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے مکاشفات:

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک تھا کہ اپنے حال یا مکاشفات عالیہ کو پردۂ اخفاء (چھپا کر) میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق (کرامات) کا ظہور ہوا لیکن آپ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا، جن کے لئے کوئی شرعی حجت یا اشد ضروری وجہِ اظہار ہوتی۔ مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفی ارشاد کی وجہ یہ ہی تھی (جو کہ آپ کی اپنی تحریر میں فارسی میں ہے جس کا ترجمہ صرف نقل کیا جارہا ہے، فارسی تحریر مہر منیر کے ۲۰۳ میں دیکھی جائے)

1۔ مہر منیر، ص 113 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف اسلام آباد

''جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، اس نعمتِ عظمی کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے حجرہ میں بحالتِ بیداری (جاگتے ہوئے) آنکھیں بند کئے ہوئے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ''قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں'' اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں باادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے۔ اور ''غلام احمد'' اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کئے اور آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رویئت (دیکھنے) کے بعد بمع احباب لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (بمثل انکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔'' [1]

اسی طرح مرزا قادیانی کے تکبر کو رد کرنے کے لئے آپ کا ایک اور ارشاد گرامی بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ مہر منیر ص ۲۳۷ میں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس موقع پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی، جو بہت مشہور ہوئی اور مدت تک اس کا چرچا رہا ہے۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور ان کی فصیح عربی اور زور نویسی (جلدی لکھنے) کی تعلّی (تکبر و شیخی) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''علمائے اسلام کا اصل مقصود تحقیق حق اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ امت میں اس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے۔''

ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا۔ چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم مکاشفہ میں جانب نبی کریم ﷺ کے جمال با کمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتا۔ نیز فرمایا:

کُٹی کِلّے دی زور تے کُدّ دِی اے (یعنی کٹیا کھونٹے کے بل پر ہی زور دیتی ہے) [2]

سنت رسول ﷺ کا لحاظ:

ایک اور واقعہ سنتوں کی ادائیگی کے متعلق بیان کرنا مقصود تھا' جس کو ضمن میں حضرت سے اپنی اس ملاقات کا ذکر بھی ہو گیا جو آپ کو نبی کریم ﷺ سے ہوئی۔ حضرت کے قلمی تحریر بمع عکس اور اصل فارسی تحریر مہر منیر کے ص ۱۳۰ کے بعد موجود ہے یہاں صرف ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے جو مہر منیر کے ص ۱۳۲ میں ہے۔ (آپ فرماتے ہیں)

1۔ مہر منیر، حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ ص 203

2۔ مہر منیر، حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ ص 237

"چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادیٔ حمراڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) میں شغل تعلیم و تدریس حسنِ ظن کی بناء پر بغرضِ خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ان رفقاء کی معیت میں قافلہ کے ایک طرف سوگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لاکراپنے جمال باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالت مراقبہ دوزانو بیٹھا ہوں۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ وفغاں (آہ وزاری) کرتے ہوئے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کہنا شروع کیا اور عالم مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی: حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آلِ رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے، تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یارسول اللہ سے منع نہیں فرمارہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔اس حسن وجمال باکمال کے متعلق کیا کہوں، اس ذوق ومستی و فیضان کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریک لنگ۔" (1)

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں کلام فرمانا:

آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزندارجمند پیر غلام محی الدین المعروف بابوجی رحمۃ اللہ علیہ نے خدام وحاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مرقد پاک بھی مسجد کے متصل بائیں طرف ہو۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے باغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا۔ جب روضہ شریف کی تعمیر کیلئے باغ کا یہ حصہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرت نے جواب میں بعض متوسلین سے فرمایا کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا۔اس پر انجینئر مہتمم تعمیر بابو محمد صاحب چغتائی سابق اسسٹنٹ آرکیٹکٹ گورنمنٹ پنجاب نے.......... جنہیں حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل تھا.......... مشورہ دیا کہ تابوت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو، جو دہ صورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ (2)

1۔ مہر منیر، سوانح حیات پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ، ص 132

2۔ مہر منیر، سوانح حیات پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ، ص 354

تابوت شریف کی برآمدگی:

چنانچہ یہ مبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام کو تابوت مبارک کو نکال کر حضرت آجی صاحب (یعنی حضرت کے والد محترم) کے مزار مقدس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر، دوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی روز صبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو لیکن تابوت مبارک کی برآمدگی سے فضاء اس قدر معطر ہوئی کی قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مرد وزن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرت کے جنازہ کے ہجوم کی سی شان پیدا ہو گئی پھر باطنی فضائیں کچھ اس قدر منور ہوئیں کہ جب اگلی صبح بسال شریف سے حضرت مولانا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ از راہِ تعجب دریافت فرمایا: آپ کو پچاس میل دور کیسے خبر ہو گئی؟ تو عرض کیا: میں تہجد کے لئے بیدار ہوا تو اس طرف سے ایسی خوشبو دار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔ (1)

ایک بزرگ کی قبر میں پانی کا آنا اور ان کا بتانا:

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت صالح بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا کہ آپ فرما رہے ہیں: [حولوني عن قبري فقد آذاني الماء] "مجھے میری قبر سے منتقل کر لو مجھے پانی تکلیف دے رہا ہے۔" آپ نے تین مرتبہ اس طرح فرمایا۔ جب دیکھا گیا تو واقعی آپ کی قبر میں پانی پہنچ چکا تھا اور آپ کی ایک جانب پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اس کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہاں! ان کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ اس طرح آپ کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ (2)

حضرت ثابت بن قیس کا اپنی چوری شدہ زرہ کی نشاندہی کرنا:

کتاب الروح لابن القیم کے ص ۲۱ اور تفسیر خازن اور تفسیر جمل میں اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے، جسے استاذی المکرم رئیس المحققین حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث سیال شریف نے اپنی کتاب "جلاء الصدور" کے ص ۱۱۱ پر نقل فرمایا، جس کی مکمل عربی عبارت "جلاء الصدور" میں ہی دیکھی جائے۔ یہاں ترجمہ یا کوئی ضروری جملہ عربی کا تحریر ہوگا۔

حضرت عطاء خراسانی سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے بیان کیا کہ جنگ

1۔ مہر منیر، سوانح پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ، ص 354

2۔ طحطاوی، کتاب الجنائز، ج 2، ص 197

یمامہ (جو کہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لڑی گئی تھی) کا دن تھا۔ میرے والد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کذاب کی طرف نکلے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے، ثابت بن قیس بن شماس اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس طرح جنگ نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر ہر ایک نے اپنے لئے گڑھا کھودلیا اور اس میں کھڑے ہو کر دونوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ دونوں شہید ہو گئے اور اس دن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک نفیس زرہ تھی۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا تو اس نے زرہ کو اتار لیا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خواب میں ایک مسلمان کو ملے، جب کہ وہ سویا ہوا تھا۔ فرمایا: میں تجھے وصیت کرتا ہوں اور تو اس خیال سے دور نہیں رہنا کہ اسے خواب وخیال سمجھ کر ضائع کر دے۔ فرمایا: میں جب گذشتہ دن شہید ہو گیا تو میرے پاس سے ایک مسلمان گزرا تو اس نے زرہ کو اتار لیا، زرہ اتارنے والے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا:

"ومنزله في اقصى الناس وعند خبائه فرس يستن في طوله وقد كفا على الدرع برمة وفوق البرمة رحل"

"اس کا ٹھکانہ سب لوگوں کے ٹھکانوں کے آخر میں ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا اپنی لمبی رسی کے ساتھ بندھا ہوا چر رہا ہے۔ اس شخص نے زرہ کے اوپر ہنڈیا کو الٹا رکھا ہوا ہے اور ہنڈیا کے اوپر پالان رکھا ہوا ہے۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیجیے کہ میری زرہ کے لئے آدمی بھیج کر اسے وصول فرمالیں، نیز جب تو مدینہ شریف میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو تو ان سے عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا قرض ہے، اسے بھی اتارا جائے اور میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔ میری اس وصیت کو نافذ کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا جائے۔

وہ شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا۔ [فبعث الى الدرع فاتى بها] تو آپ نے آدمی بھیجے (جو نشانات حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب میں بتائے تھے ان کے مطابق ہی زرہ مل گئی) جو زرہ لے آئے۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے ان کی وصیت کو نافذ فرما دیا۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: موت کے بعد کی ہوئی وصیت کا نفاذ سوائے اس کے میرے علم میں نہیں۔

استاذ المکرم اس واقعہ کے نقل کے بعد فرماتے ہیں:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اس کو نافذ فرمانا شہداء کرام کے علم وشعور اور ادراک واحساس اور آنے جانے والوں اور ان کے تمام افعال کی معرفت پر واضح دلیل ہے اور روشن برہان ہے۔ [1]

نوٹ:

حضرت ثابت قیس کے متعلق یہ روایت مفصل طور پر جمل اور خازن وغیرہ میں سورۃ حجرات کی تفسیر میں زیر آیت "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ" درج کی گئی ہے۔ [2]

حضرت علامہ قاضی غلام نبی بھترالوی، حطاروی کا قبر میں پانی کی اطلاع دینا:

مصنف غفرلہ کے پردادا جو بفضلہٖ تعالیٰ علم دین میں بلند وبالا مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتے تھے یعنی حضرت علامہ قاضی غلام نبی کے وصال کو اٹھارہ سال ہو چکے تھے ایک روز خواب میں اپنی بیٹی (جو میرے والد کی پھوپھی تھیں) کو فرمایا: جس چادر کی تم سلائی کر رہی ہو، وہ مجھے دے دو۔ کیونکہ میری چادر بارش کے پانی داخل ہونے کی وجہ سے کیچڑ سے خراب ہو گئی ہے۔

اسی دوران ایک شخص ملوکال گاؤں (یہ ہمارے گاؤں بھترال کے متصل ہے) کا آیا۔ اس نے گھر پیغام بھجوایا کہ مجھے استاذ صاحب (قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ) خواب میں فرما رہے تھے کہ میرے گھر جا کر پیغام دو کہ مجھے چادر دو۔ ادھر یہ پیغام ملا اور ادھر آپ اپنی بیٹی کو بھی از خود ہی خواب میں فرما چکے ہیں۔ ابھی اس خواب پر غور وفکر اور گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک اور شخص نے آکر بتایا کہ بارش کی وجہ سے استاذ صاحب کی قبر میں سوراخ ہو گیا۔

اٹھارہ سال بعد قبر کو کھولا گیا اور دیکھا کہ واقعی چادر کو کیچڑ لگ گیا ہے لیکن آپ کا جسم صحیح وسلامت تھا۔ آپ کی داڑھی مبارک میں بوقت وصال دیئے گئے غسل کے پانی کے قطرات موجود تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے کی قبر کو دوبارہ خشک کر کے پھر اس قبر میں دوبارہ دفن کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد کو بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

یہ واقعہ مجھے والدہ مرحومہ اور گاؤں کے بزرگ راجہ فیروز خان مرحوم اور گاؤں کے ایک بزرگ مستری ملک خان نے کئی مرتبہ سنایا۔ اور ایک مرتبہ میرے والد قاضی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے سنایا کہ
"میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہ کہیں دورانِ سفر مجھے کچھ لوگوں نے دیکھ کر کہا: یہ اس شخص کا پوتا ہے جس کی

1۔ جلاء الصدور، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی، ص 111

2۔ تفسیر جمل، ج 4، ص 176 .... تفسیر خازن، ج 4 ص 196-197

قبر کو اٹھارہ سال بعد کھولا گیا تھا لیکن وہ صحیح سلامت تھا۔"

والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے پہلے اس واقعہ کا علم نہیں تھا کیونکہ والد مرحوم اپنے والد قاضی فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے چالیس دن بعد پیدا ہوئے تھے اور یہ واقعہ ان کی زندگی کے زمانہ کا تھا تو آپ نے گھر آ کر اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا: تو انہوں نے پورا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا۔

تنبیہ:

قبر کے حالات یعنی منکر نکیر کا آنا، سوال و جواب، قبر کی فراخی و تنگی کے ذکر سے پہلے مناسب یہ ہے کہ چند گناہوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر کیا جائے، جس سے قبر کے حالات اور جنت و دوزخ میں جانے والوں کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا اسی طرح توبہ کا ذکر بھی پہلے ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ گناہوں کے تذکرہ کے بعد ان کی معافی کا طریقہ معلوم ہو جائے کہ انسان سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کر کے اپنے گناہوں کو رب قدوس سے معاف کرا سکے۔

باب دوم

چند گناہ اور ان کے عذابات کا تذکرہ

انسان کو ہلاک کرنیوالی اور خسارے میں رکھنے والی سات چیزیں ہیں:

﴿۱﴾ کفر ﴿۲﴾ شرک ﴿۳﴾ جہالت
﴿۴﴾ گناہ ﴿۵﴾ برے اخلاق ﴿۶﴾ حجاب صفات
﴿۷﴾ حجاب نفس

اور انسان کی کامیابی، ترقی درجات کے آٹھ اسباب ہیں:

﴿۱﴾ معرفتِ الٰہی ﴿۲﴾ توحید ﴿۳﴾ علم
﴿۴﴾ اطاعت ﴿۵﴾ اچھے اخلاق ﴿۶﴾ جذب حقانی
﴿۷﴾ انانیت (اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کہ میں ہی ہوں) کی فنا ﴿۸﴾ ہویۃ میں بقاء۔(۱)

نماز میں سستی کرنے والوں کا حال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات کئی گناہ گاروں کو دیئے جانے والے عذابات کا مشاہدہ کرایا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قوم سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کے سر پتھروں سے پھوڑے جا رہے ہیں، جب ان کے سر کچل دیئے جاتے ہیں تو پھر ان کو پہلی حالت کی طرف لایا جاتا ہے۔ جب صحیح ہو جاتے ہیں، پھر ان کے سر کچل دیئے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ لگاتار جاری ہے، کسی وقت بند نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے عرض کیا: وہ لوگ ہیں جو نماز میں سستی کرتے تھے، نماز صحیح ادا نہیں کرتے تھے۔ نماز اپنے وقت میں ادا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿۴﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۵﴾" "تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔(۲)"
(سورۃ الماعون 32:30)

1۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 3 ص 174

2۔ تفسیر در منثور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج 8 ص 584

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نمازوں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے، یہاں تک نمازیں ان سے ضائع ہو جاتیں ہیں۔وہ ادا ہی نہیں کر پاتے یا وہ سستی کرتے رہتے ہیں۔ نماز کا وقت نکلنے والا ہوتا ہے تو آتے ہیں اس طرح نماز نہیں ادا کرتے ہیں، جس طرح نبی کریم ﷺ نے ادا کی اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین، سلفِ صالحین کی نمازوں کی طرح ادا کرتے ہیں بلکہ رکوع وسجود اس طرح ادا کرتے ہیں جس طرح مرغ یا کوئی پرندہ جلدی جلدی چونچ زمین پر مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔خشوع و خضوع سے نماز ادا نہیں کرتے یا سستی کرتے کرتے مکمل طور پر وقت نکال دیتے ہیں۔اسی طرح بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر نمازیں قضاء کر دیتے ہیں۔

نمازوں میں سستی کرنے والوں پر نبی کریم ﷺ کا غصہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوة فیؤذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف وفی روایة لا یشهدون الصلوة فاحرق بیوتهم"

(مشکوٰۃ، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب الجماعۃ، ج1 ص95)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تحقیق میں ارادہ رکھتا ہوں کہ (بعض حضرات کو) حکم دوں لکڑیاں جمع کرنے کا۔ جب لکڑیاں جمع کر لی جائیں تو پھر نماز کا حکم دوں اور نماز کے لئے آذان دی جائے پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر خود میں لوگوں کے گھروں کے پیچھے سے آؤں اور ایک روایت میں ہے جو نمازوں میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو جلا دوں۔"

ایک اور حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لو لا ما فی البیوت من النساء و الذریة اقمت صلوة العشاء و امرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار"

(رواہ احمد، مشکوٰۃ باب الجماعۃ، ج1 ص96)

"اگر گھروں میں عورتیں اور چھوٹے بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز کی اقامت کا حکم دیتا (اور جماعت کراتا) اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں کو جلا دیتے۔"

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

① : حدیث پاک سے فائدہ حاصل ہوا کہ بوقت عذر امام کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنا نائب بنائے اور امامت کے فرائض اس کے حوالے کر کے خود چلا جائے یا مریض ہے تو حاضر نہ ہو۔

② : دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حدیث پاک کے عمومی الفاظ کو دیکھ کر یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کا غصہ مؤمنوں اور منافقوں پر ایک جیسا ہے، اگرچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مؤمن نماز سے پیچھے نہیں رہتے تھے، بلکہ منافق پیچھے

رہتے تھے۔لیکن قرآن پاک اور حدیث پاک کا قانون یہ ہے کہ خصوص مورد (یعنی اس آیت کے نزول کی کیا وجہ ہے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد کب اور کیوں فرمایا) کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔اسی ضابطہ کے مطابق یہاں بھی حکم عام ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ غصہ ان لوگوں پر ہے جو بغیر کسی عذر کے.......... [فیکون الوعید علی ترك الجماعة بغیر عذر لا علی ترك الصلوة]..................."نماز با جماعت ادا کرنے کا تارک ہو مکمل طور پر نماز چھوڑنے والے پر یہ غصہ نہیں یقیناً بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب تارک جماعت پر اتنا غصہ ہے تو تارک نماز پر اور شدید غصہ ہوگا۔" ❶

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ غصہ بھی اس ذات کا ہے جو رحمۃ للعلمین ہیں، سراپا رحمت ہیں بلکہ جانِ رحمت ہیں وہ ہیں تو رحمت ہے کیونکہ جان سے ہی تو شے کا وجود ہوتا ہے۔آپ نہ ہوتے تو رحمت کا بھی ظہور نہ ہوتا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جب کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ آپ ان کافروں کے لئے دعاء ہلاکت ہی فرما دیں، تاکہ یہ تباہ و برباد ہو جائیں تو آپ ان کے حق میں یوں دعاء فرماتے ہیں: [اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون] اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے! بے شک وہ نہیں جانتے۔

جنگ احد میں جب نبی کریم ﷺ زخمی ہو گئے تو آپ خون کو صاف کرتے رہے تھے اور اتنا موقع نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے کیونکہ آپ نے فرمایا: اگر اس خون کا کوئی جزء زمین پر آئے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو، جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگے۔اس حالت میں بھی آپ نے یہ دعاء فرمائی: [اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون] "اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے، وہ مجھے جانتے نہیں اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتے نہیں ہیں۔" ❷

آپ کی رحمت کی وسعت کا انداز خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ] "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کیلئے۔" اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں بیان فرمایا ہے:

"انما بعث رحمة لکل فرد فرد من العالمین ملائکتھم و انسھم و جنھم ولا فرق بین المؤمن والکافر من الانس" "آپ کو جہان کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے خواہ فرشتے ہوں یا انسان یا جن بلکہ اس میں جنوں اور انسانوں

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج3 ص52 2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ج2، ص115

والجن فی ذالك" سے مومن اور کافر کا بھی کوئی فرق نہیں۔"

اور آپ نے اس طرح آگے ذکر کیا:

"کل خیر فی العالم فمن آثار النبوۃ و کل شر وقع فی العالم او سیقع فبسبب خفاء آثار النبوۃ ودروسہا فالعالم جسد و روحہ النبوۃ"

"تمام جہان میں ہر طرح کی خیر و بھلائی نبوت کے آثار (اثرات وعلامات) سے ہے اور ہر برائی جو جہان میں واقع ہے یا واقع ہوگی وہ نبوت کے اثرات کے مخفی ہونے یا مٹ جانے کی وجہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام جہان جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے۔"

(تفسیر روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج9 ص105)

نتیجہ:

جب نبی کریم ﷺ رحمت کائنات ہونے کے باوجود تارک جماعت پر اتنا غصہ فرماتے ہیں تو تارک نماز پر آپ کے غصہ کا اندازہ کیا ہوگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ تو صرف رحیم و کریم ہی نہیں بلکہ قہار و جبار بھی ہے یقیناً اسکے غیظ و غضب کا مقام وہ ہونا ہے جس کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ سر کچلا جائے گا، صحیح کیا جائے گا، پھر کچلا جائے گا، یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔

غیبت کرنے والوں کا حال:

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گذر ہوا جن کو مردہ جانوروں کے گوشت کے ٹکڑے کھلائے جارہے تھے۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے بھائیوں کا گلا کرتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے) اور چغل خوری بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ

(سورۃ الحجرات 14:26)

"اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو تمہیں گوارا نہ ہوگا۔"

اسی طرح معراج کی رات غیبت کرنے والوں کو ایک اور عذاب میں مبتلاء بھی دکھایا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، معراج کی رات میرا ایک قوم پر گذر ہوا۔ [یخمشون وجوھھم باظافیرھم] "جن کے چہروں کو ان کے ناخنوں سے ہی نوچا جا رہا ہے۔ میں نے کہا: اے جرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: [ھؤلاء الذین یغتابون الناس ویقعون فی اعراضھم] "یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کی غیبت کرتے تھے ان کی عزتوں میں واقع ہوتے تھے۔

1۔ اخبار القرآن، ص262 2۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص237

غیبت کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اتدرون ما الغیبة] کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ تو [قالوا الله و رسوله اعلم] "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ [قال ذکرك اخاك بما یکره] "آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرو جسے وہ ناپسند سمجھتا ہو۔ [قیل افرایت ان کان فی اخی ما اقول] "عرض کیا گیا اس میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میں وہی کہوں جو میرے بھائی میں (عیب) ہوں" [قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته] "آپ نے فرمایا: اگر اس میں وہ (عیب) ہوں جو تم کہہ رہے ہو تو تم غیبت کر رہے ہو۔" [وان لم یکن فیه فقد بهته] "اگر اس میں وہ (عیب نہ ہوں تو تم بہتان باندھ رہے ہو۔" (1)

حدیث پاک کا مضمون بہت ہی واضح ہے کہ کسی انسان کے اس کی غیر موجودگی میں وہ عیوب بیان کرنا جو اس میں پائے جاتے ہیں، غیبت ہے۔ اور اگر اس میں وہ عیب پائے ہی نہ جاتے ہوں پھر اس کی غیر موجودگی وہ بیان کیے جائیں تو یہ بہتان ہے، جو غیبت سے بڑھ کر جرم ہے جس کا گناہ اور عذاب بھی اسی قدر زائد ہوگا۔

غیبت زنا سے بری ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ایاکم و الغیبة فان الغیبة اشد من الزنا] "تم اپنے آپ کو غیبت سے بچا کر رکھو، کیونکہ غیبت زنا سے بھی بری ہے۔" [فان الرجل قد یزنی ویتوب فیتوب الله سبحانه علیه] "بیشک انسان کبھی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے، اللہ سبحانہ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔" [وان صاحب الغیبة لا یغفرله حتی یغفرها له صاحبه] "بے شک غیبت کرنے والے شخص کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ جب تک اس شخص نے اسے معاف نہ کیا جس کی اس نے غیبت کی۔ (2)

غیبت مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کوئی شخص میری اجازت کے بغیر روزہ افطار نہ کرے۔ سب لوگوں نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ شام کا وقت ہو گیا۔ ایک شخص نے آ کر اجازت طلب کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے دن کو روزہ رکھا، مجھے افطار کی اجازت دی جائے۔ آپ نے اجازت دے دی، اسی طرح لوگ آ رہے ہیں، آپ اجازت دے رہے ہیں۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ ج 2 ص 411

2۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج 3 ص 237

یہاں تک کہ ایک شخص آیا، اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میری اہل کی دو عورتیں آرہی ہیں، وہ دن کو روزہ دار تھیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے شرم محسوس کرتی ہیں، آپ ان کو روزہ افطار کرنے کی اجازت فرمائیں۔ آپ نے اعراض فرمایا (اجازت دینے سے انکار کیا) کچھ دیر بعد اس نے پھر اجازت طلب کی۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا، کچھ دیر بعد پھر اس نے اجازت طلب کی۔ پھر آپ نے اعراض فرمایا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: انہوں نے روزہ نہیں رکھا، جو شخص دن بھر لوگوں کا گوشت کھاتا رہے، اس کا روزہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اگر تمہارا روزہ تھا تو (منہ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) قے کرو۔ وہ شخص واپس آیا اور انہیں آپ کے ارشاد کی خبر دی۔ انہوں نے (زبردستی) قے کی، ان دونوں میں سے ہر ایک کے منہ سے قے کرنے کی وجہ سے منجمد خون کے ٹکڑے نکلے۔ اس شخص نے واپس آکر نبی کریم ﷺ کو واقعہ کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ان کے پیٹوں میں یہ (خون کے لوتھڑے) باقی رہ جاتے ان دونوں کو آگ کھاتی۔ (یعنی دوزخ کی آگ میں جلنا پڑتا)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اعراض فرمایا، وہ شخص کچھ دیر کے بعد آپ کی خدمت حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ تو مرنے کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ دونوں حاضر ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ طلب کیا آپ نے ان میں سے ایک کو کہا: اس پیالہ میں قے کرو تو ایک نے خون اور پیپ اور زرد رنگ کے پانی کی قے کی، یہاں تک کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر آپ نے دوسری کو قے کرنے کا حکم دیا۔ اس نے بھی پہلی کی طرح ہی قے کی تو آپ نے فرمایا: ان دونوں نے ان چیزوں سے تو روزہ رکھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حلال فرمائیں لیکن جو چیزیں رب تعالیٰ نے حرام فرمائیں، ان سے یہ روزہ کو افطار کرتی رہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں۔ (یعنی لوگوں کی غیبت کر کے اپنے مومن بھائیوں کا گوشت کھاتی رہیں) [1]

غیبت عذاب قبر کا سبب ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ دو قبروں پر تشریف لائے، ان قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا:

" انھما یعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان یغتاب الناس و اما الآخر فکان لا یستنزہ من بولہ فدعا بجریدۃ رطبۃ او جریدتین فکسرھما ثم امر لکل کسر

"ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا (یعنی لوگ ان کو کوئی بڑے جرم نہیں سمجھتے حالانکہ واقع میں عظیم جرم ہیں اسی وجہ سے ان کو عذاب

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص238

نفرس علی قبر و قال اما انه سیهون من عذابهما ما کانتا رطبتین او ما لم ییبسا"

(مشکوۃ، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2 ص24 ..... احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، جلد3، ص329)

دیا جا رہا ہے) ان میں سے ایک لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ آپ نے کھجور کی ایک یا دو سبز ٹہنیاں پتوں والی طلب کیں ان کے ٹکڑے کئے اور فرمایا: ہر ایک ٹکڑے کو ایک قبر پر لگا دیا جائے۔ جب تک یہ سبز رہیں گے خشک نہیں ہوں گے ان کو عذاب سے راحت حاصل ہوگی"

نتیجہ:

1. غیبت اور پیشاب کی چھینٹے عذاب کا سبب ہیں۔
2. نبی کریم ﷺ کو معلوم تھا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہے۔
3. نبی کریم ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں عذاب کیوں دیا جا رہا تھا۔
4. نبی کریم ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ زندگی میں عمل کیا تھے اور کون سے عذاب کا سبب ہیں؟
5. درخت جب تک سبز رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتا ہے۔ اس کی تسبیحات سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے تو یقیناً انسان کی تسبیحات اور ذکر اور قرآن پاک پڑھنے سے قبر والے کو آرام ملے گا۔
6. بعض گناہ ہوتے ہیں جن کو انسان بظاہر معمولی گناہ سمجھتا ہے اور ان سے اجتناب کرنے میں کوتاہی سے کام لیتا ہے تو وہ عذاب میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

انسان اپنے عیب دیکھے:

انسان غیروں کے عیب دیکھنے کے بجائے اپنے عیب دیکھے کیونکہ دوسروں کے عیب دیکھنے اور بیان کرنے سے غیبت ہوگی، جس سے انسان گناہ گار ہوگا لیکن جب اپنے عیب دیکھے گا تو توبہ کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔ اس طرح توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔ اسی وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یبصر احدکم القذی فی عین اخیه ولا یبصر الجذع فی نفسه"

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، جلد3، ص248)

"تم میں سے ہر انسان اپنے دوسرے مومن بھائی کی آنکھ میں خاشاک دیکھ لیتا ہے، لیکن اپنی آنکھ میں درخت کا تنہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

غیبت میں کونسے عیوب شامل ہیں؟

کسی انسان کی غیر موجودگی میں اس کے عیب بیان کئے جائیں خواہ وہ عیب اس کے بدن کے ہوں جیسے بھینگا، لنگڑا، وغیرہ یا اس کے نسب کے ہوں جیسے اس کا باپ بھی فاسق تھا، گھٹیا تھا، خسیس تھا وغیرہ۔ اسی طرح اس کے اخلاق، افعال، اقوال،

دینداری، دنیاداری وغیرہ کے عیب بیان کرنا، سب غیبت میں داخل ہیں۔

اسی طرح زبان سے کسی کی برائی بیان کرے یا آنکھوں کے اشارہ سے یا ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے، تحریر سے یا حرکات سے یا کسی طرح نقل کرتے ہوئے لنگڑا چل کر لکنت والے کی طرح لکنت سے کلام کر کے عیب بیان کرنا سب غیبت ہیں۔ [1]

شرعی عذر جن کی وجہ سے غیبت جائز ہے:

بعض ایسے شرعی عذر جن کی وجہ سے غیبت جائز ہوتی ہے کیونکہ بغیر غیبت کے صحیح اور ضروری مقاصد بھی حاصل نہیں ہو سکتے، وہ کل چھ وجہ سے ہیں:

اول:

ظالم، خائن، راشی کا قاضی کے سامنے ذکر کرنا تا کہ اس سے ظلم، خیانت اور رشوت لینے سے لوگ چھوٹ جائیں۔ اسی طرح اگر قاضی عدل وانصاف سے فیصلے نہ کرتا ہو تو اس کے اس ظالمانہ طریقۂ کار کی بادشاہ سے شکایت کرنا، بظاہر غیبت نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں جائز ہے کیونکہ مظلوم جب تک ظالم کے خلاف شکایت نہیں کرے گا تو اس وقت تک ظلم سے نجات حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [ان لصاحب الحق مقالا] "بے شک صاحب حق کو بات کرنے کا حق حاصل ہے۔" [2]

دوم:

کسی میں کوئی کام خلاف شرع نظر آئے تو اس شخص کے پاس شکایت لے جانا جو اسے اس کام سے روک سکے اور اس کی اصلاح کر سکے۔

جس طرح نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام دیا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا، سلام کا جواب دینا چونکہ فرض کفایہ ہے۔ اس لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ مجھے میرے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا: مجھے علم نہیں کہ انہوں نے مجھے سلام کیا ہے۔ تو یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! ٹھیک ہے کہ تم نے ایک خاص حال میں ہو۔ اصل وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے پر فراق کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت غمزدہ تھے۔ اسی غم وحزن کے حال میں کسی بات کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ اس طرح آپ کے سلام کو سن ہی نہ سکے کہ جو

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، جلد 3، ص 249

2۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، جلد 3، ص 255

اب دیتے۔ ❶

تاہم مسئلہ یہ واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ شائد انہوں نے جان بوجھ کر کسی ناراضگی کے پیش نظر جواب نہیں دیا تو انہوں اسے خلاف شرع سمجھ کر شکایت کی تا کہ اس خلاف شرع کام سے روکا جا سکے اور ان کی اصلاح ہو سکے۔ اس شکایت پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں روکا، یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو غیبت ہے اور کسی کی غیبت کرنا تو گناہ ہے۔ آتے ہی پہلے حضرت عثمان سے پوچھا کہ آپ نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ناراضگی تو نہیں آپ کے جواب پر اطمینان کیا گیا کہ یہ معقول عذر ہے۔

سوم:

مفتی سے فتویٰ طلب کرنا کہ مجھ پر میرا باپ یا بھائی ظلم کرتا ہے یا عورت کہے: مجھ پر میرا خاوند ظلم کرتا ہے، میں کیسے ان سے آزادی حاصل کروں؟ یہ جائز ہے، اگر چہ بظاہر غیبت ہے۔ جائز اس طرح بھی ہے جس طرح ذکر کیا ہے کہ کہے میرا باپ، میرا بھائی، میرا خاوند لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس طرح پوچھا جائے: اگر کسی کا باپ یا بھائی اس پر ظلم کرتا ہو یا کہ کسی کا خاوند ظلم کرتا ہو تو وہ کیا کرے؟

جیسا کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میر خاوند ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) ایک کنجوس شخص ہے، جو مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کر سکے۔ کیا میں ان کو بتائے بغیر ان کا مال لے لیا کروں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہاں! اتنا مال تم لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو اچھی طرح کفایت کر سکے (یعنی نہ بہت زیادہ اور نہ کم) حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو کنجوس کہا اور ضمناً ظالم بھی کہا کہ وہ مجھ پر اور اولاد پر ظلم کرتے ہیں، خرچ پورا نہیں دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں کیا کیونکہ انہوں نے مسئلہ پوچھا تھا، جس کا جواب آپ نے دیا، مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔ ❷

چہارم:

مسلمانوں کو کسی کے شر سے ڈرانا مقصود ہو جیسے کوئی عالم فقیہ ہو اور وہ بدعتی، فاسق ہو جائے تو اس کے فسق سے لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے بتایا جائے۔ یہ مخلوق پر شفقت ہے اسی طرح کسی سے مشورہ طلب کیا جائے کہ فلاں سے وہ شادی کرلے یا نہیں۔ تو اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے کیونکہ "المستشار مؤتمن" جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے، اس لئے اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ اگر اس کے علم میں عیب کوئی ہو جو اس مرد یا عورت میں پائے جاتے

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج 3، ص 255

2۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج 3، ص 256

ہوں تو وہ مطلع کرے۔

کن کی بدخواہی غیبت نہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اترغبون عن ذکر الفاجر بما فیه اهتکوه حتی یعرفه الناس اذکروه بما فیه حتی یحذره الناس "

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج 3، ص 257)

"کیا تم فاسق و فاجر کے گناہوں کو بیان کرنے سے اعراض کرتے ہو' اس کے گناہوں کا پردہ چاک کر دو یہاں تک کہ لوگ اسے پہچان لیں' اس کے جرائم کا چرچا کرو یہاں تک کہ لوگ اس سے بچ جائیں۔"

اسی وجہ سے علماء کرام، اولیاء عظام، فقہاء کرام نے کہا ہے: [ثلثة لا غیبة لهم الامام الجائر والمبتدع والمجاهر بفسقه] تین قسم کے لوگوں کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں۔

پہلا: ظالم بادشاہ، کیونکہ ظالم حکام کے عیوب و جرائم بیان کرنے ضروری ہیں تا کہ لوگ ان سے بچ سکیں۔ ان کے فحش پروگرام، سیف گیمز کی شکل میں سرور و گانے کی محافل قائم کرنا، بازاری عورتوں کو پروگراموں میں بلا کر لوگوں کو ان کی طرف مائل کرنا، شراب نوشی کی محافل کا انعقاد۔ اسی طرح انتقامی کاروائیوں کی وجہ سے شرفاء کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلاء کرنا، ناجائز طور پر دوسروں کو مقدموں میں پھنسانے کے لئے کسی پر ظلم کرنا تا کہ وہ کسی شریف انسان کا نام لے۔ ایسے ظالموں کو بے نقاب کرنا واجب ہوتا ہے تا کہ لوگ ان کے شر، فساد، ظلم و ستم، اوچھے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو بچا ئیں۔

دوسرا: بدعتی، جو شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نئے نئے کام ایجاد کرے۔ جن کاموں سے فرائض، واجبات، سنتیں چھوٹ جائیں۔ ایسے شخص کو بے نقاب کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح ایسے کاموں کا موجد جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہو، اس کے اس فعل کو لوگوں پر ظاہر کرنا ضروری ہے۔

تیسرا: وہ شخص جس کے گناہ، جرائم ظاہر ہوں یعنی وہ اپنے جرائم ظاہر طور پر کرتا ہو۔ اس کا فسق و فجور اعلانیہ ہو اس میں کوئی خفاء نہ ہو۔ سب لوگوں کو معلوم ہے وہ جوا باز ہے، سود خور ہے، شراب خور ہے، حرام خور ہے، رشوت لینے والا ہے۔ اس شخص کے اس کے اس قسم کے جرائم پر کوئی پردہ نہیں بلکہ ایسے اشخاص اپنے جرائم کو ظاہر کرنے میں خود ہی فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کے جرائم کو بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ ضروری ہے تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

چوتھا: کوئی شخص اپنے لقب سے مشہور ہو اس لقب کو برا نہیں سمجھتا بلکہ اس کے سامنے اور غیر موجودگی میں اس کا وہ لقب ہی استعمال ہوتا ہے تو اس کا ذکر کرنا جائز ہوگا باوجود اس کے کہ اس لقب میں عیب بھی ظاہر ہوتا ہو لیکن اس شخص کی پہچان کرانے کے لئے ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا، جیسے اعرج کا معنی لنگڑا، اور اعمش کا معنی آنکھوں میں چندھیا پن ہونا۔ بہت

واضح ہے کہ ان الفاظ میں عیب پایا جاتا ہے لیکن مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا استعمال جائز ہو گیا۔

اسی لئے احادیث کی اسناد میں مذکور ہے: "روی ابو الزناد عن الاعرج و سلیمان عن الاعمش" "ابو الزناد روایت کرتے ہیں "اعرج" سے، اس طرح سلیمان روایت کرتے ہیں "اعمش" سے۔ ہاں! اگر لوگوں نے کسی شخص کو کوئی لقب دیا ہوا ہے لیکن وہ اسے برا سمجھتا ہے، یا کسی بیوقوف نے کوئی لقب دیا ہو لیکن بعد میں شرفاء نے اس کو چھوڑ دیا ہو تو ایسے القاب جن میں عیب پائے جاتے ہوں، ان صورتوں میں ان کا استعمال جائز نہیں گا۔

پانچواں: وہ شخص جس کے عیب اس کے سامنے بیان کریں تو اسے عار محسوس ہونے کے بجائے ان پر ناز اور فخر ہو۔ کسی کو کہیں کہ شرابی ہے تو وہ کہے: ہاں! میں شراب پیتا ہوں، کئی مرتبہ پیتا ہوں، شراب پینے میں کیا ہے؟ اسی طرح کسی کو کہیں تو چور ہے، وہ کہے: ہاں جی! میں چوری کرتا ہوں، ہر آدمی تو چوری نہیں کر سکتا۔ یہ تو ہمارے جیسے بہادر اور نڈر آدمی ہی کر سکتے ہیں، یہ تو ہماری جرأت ہے جو ہم کام کر رہے ہیں۔ اس طرح اس کا کوئی جرم بھی ظاہر کریں وہ خوش ہو، فخر کرے کوئی عار محسوس نہ کرے ایسے شخص کے عیوب و جرائم کو بیان کرنا غیبت نہیں۔

ایسے شخص کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: [من القی جلباب الحیاء عن وجهه فلا غیبة له] "جس شخص نے حیاء کی چادر کو اپنے چہرے سے خود ہی اتار دیا اس کی کوئی غیبت نہیں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ [لیس لفاجر حرمة] "فاجر و فاسق کی کوئی عزت نہیں۔" اس سے مراد ہی فاسق و فاجر ہے جس کا فسق و فجور ظاہر ہو اور اعلانیہ ہو، اس کے سامنے ذکر کرنے میں اسے عار محسوس نہ ہو۔ حضرت صلت بن طریقت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے پوچھا کہ:

"الرجل الفاسق المعلن بفجوره ذکری له بما فیه غیبته قال لا، ولا کرامة"

(نووی شرح مسلم، ج 2، ص 322..... احیاء العلوم، امام غزالی رحمۃ اللہ ج 3 ص 256)

"ایک شخص اعلانیہ طور پر فاسق ہے جس کا فسق و فجور مشہور و معروف ہے اس کا وہ فسق و فجور جو اس میں پایا جاتا ہو اگر میں کسی پر اس کا ذکر کروں تو کیا یہ غیبت ہو گی؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اس کی تو کوئی عزت ہی نہیں۔"

OOOOO

چغل خوری اور اس کا انجام:

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کافر کے دس عیب بیان کئے ہیں، کیونکہ اس نے حضور نبی کریم ﷺ کو صرف مجنون کہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کے خلاف بے ہودہ لفظ کے استعمال کرنے والے کے دس عیب بیان فرمائے اور اس گستاخ رسول کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا، یہاں تک بے نقاب کر دیا کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتایا کہ وہ شخص بے اصل، ولد الزنا یعنی حرام کی پیداوار ہے۔ ان عیبوں میں مالک الملک نے اس شخص کی چغل خوری کا ذکر بھی کیا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬

"اور نہ بات مانو کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا ہے بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا ہے، بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے۔ اس کے علاوہ بداصل (حرامی) ہے۔"

"مَشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ" کا معنی ہے جو چغلی کھانے کے لئے بکثرت چلتا پھرتا رہے۔ رب تعالیٰ نے کسی شخص کی مذمت بیان کرنے لئے جو برائیاں بیان کی ہوں ان برائیوں کے برا ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

[وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ] "ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے، (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔" یہاں دو لفظ استعمال ہوئے "ہمزہ" اور "لمزہ"۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح میں متعدد اقوال ذکر کئے ہیں:

"قال ابن عباس هم المشاؤون بالنميمة المفرقون بين الاحبة، الباغون للبراء العيب و معناهما واحد"

یعنی دو لفظ ہم معنی ہیں: ہر چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں۔"

مقاتل کا قول ہے:

"الهمزة الذى يعيبك فى الوجه واللمزة الذ ى يعيبك فى الغيبة"

"یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے "ہمزہ" اور جو پس پشت عیب جوئی کرے اسے "لمزہ" کہتے ہیں"

کفار میں یہ کمزرویاں عام تھیں جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوتا تو اس کے منہ پر اس کو برا بھلا کہتے، کیونکہ انہیں اس طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کاروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی اپنے سے طاقتور مدمقابل ہوتا تو اس کے سامنے اس کی تعریف بھی کردیتے، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول دیتے اور جب وہ چلا جاتا تو اس کی غیبت کرنا شروع کردیتے۔ یہ ایسا ہے، ویسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے۔ ناحق شناس لوگ اس اخلاقی کمزوری میں میں عموماً ابتلاء ہوتے ہیں۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الا اخبر كم بشرار كم قالوا بلى قال المشاؤن بالنميمة المفسدون بين الاحبة الباغون للبراء العيب"

"کیا میں تمہیں شریر (برے) لوگوں کی خبر نہ دوں، صحابہ کرام نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو چغل خور ہیں، دوستوں میں جدائی اور تفریق

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 325

ڈالنے والے ہیں، بے عیب اور بے قصور لوگوں کے نقص نکالنے والے ہیں۔"

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3 ص261)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لا یدخل الجنۃ نمام] "جنت میں (ابتداء) چغل خور نہیں داخل ہوگا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اشار علی مسلم بکلمۃ یشینہ بھا لغیر حق شانہ اللہ بھا فی النار یوم القیامۃ" "جس شخص نے ناحق کسی کو عیب لگانے کے لئے چغلی کھائی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس چغلی کی سزا جہنم کی آگ میں دے گا۔"

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3 ص261)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا عجیب واقعہ:

حضرت کعب بن احبار سے مروی ہے کہ بے شک بنی اسرائیل ایک مرتبہ قحط سالی میں مبتلاء ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی امت نے کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کی لیکن ان کی دعاء کو قبول نہ کیا گیا، بارش نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور ارشاد فرمایا: میں اس وقت تک تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی دعاء کو قبول نہیں کروں گا جب تک تم میں ایک چغل خور موجود ہے جو اپنی چغل خوری پر مصر بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ تعالیٰ! مجھے وہ شخص بتادے تاکہ میں اسے درمیان سے نکال دوں، رب تعالیٰ نے فرمایا: [یا موسی انھاکم عن النمیمۃ واکون نماما] "اے موسیٰ! میں تمہیں چغل خوری سے منع کرتا ہوں، کیا میں خود چغل خور بن جاؤں؟ لہٰذا تم تمام توبہ کرو میں بارش عطا کردوں گا۔" [1]

نصیحت آموز اشیاء:

ایک شخص ایک عالم و دانا کی تلاش میں سات کلمات حاصل کرنے کے لئے ساتھ سو فرسخ چلا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو کہا کہ میں آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آسمانوں سے بھاری چیز کیا ہے؟ زمین سے وسیع کیا ہے؟ پتھر سے سخت کیا ہے؟ آگ سے زیادہ گرم کیا ہے؟ کرۂ زمہریر سے زیادہ ٹھنڈی چیز کیا؟ دریا سے زیادہ غنی کون ہے؟ یتیم سے زیادہ ذلیل کون سے ہے؟

اس صاحب علم، دانا حکیم نے کہا: بے عیب، بے قصور شخص پر بہتان لگانا آسمان سے بھی (گناہ میں) بھاری ہے۔ حق بات کرنا زمینوں سے بھی وسیع ہے۔ قناعت کرنے والا دریا سے بھی زیادہ غنی ہے، حرص اور حسد میں آگ سے زیادہ حرارت (کیونکہ آگ نیکیوں کو نہیں جلا سکتی لیکن حرص اور حسد نیکیوں کو جلا دیتے ہیں) کسی قریبی رشتہ دار کے پاس حاجت لے

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3 ص261

کرجانا اور نامراد واپس لوٹنا زمہریر سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہے (کیونکہ ناکامی پر دل برف کی طرح بے حس و حرکت ہوگا، گویا کہ ٹھنڈک سے منجمد ہوگا) کافر کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، چغل خور کی چغلی جب ظاہر ہو جائے تو وہ یتیم سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے، اسلئے کہ یتیم کو ذلیل کرنے والے اور سمجھنے والے فقط ناداں انسان ہوتے ہیں لیکن چغل خور اپنی چغلی کے ظاہر ہونے پر تمام لوگوں کے سامنے ذلیل ہو جاتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہ اپنی اس چغل خوری کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی ذلیل ہوتا ہے۔ [1]

چغل خوری کیا ہے؟

کسی انسان کو بتانا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہہ رہا تھا یعنی تمہاری برائی بیان کر رہا تھا۔ اسی طرح ہر ایسی گفتگو جسے سن کر وہ شخص ناپسند کرے جس کے متعلق کلام کر رہا ہے یا جس سے کر رہا ہے یا اور سننے والا اسے ناپسند کرے۔ خواہ یہ برائی زبانی بیان کرے یا تحریری یا آنکھ، ابرو، ہاتھ وغیرہ کے اشارے سے۔ اسی طرح کسی کے افعال کے عیب بیان کرے یا کلام کے عیب بیان کرے، خواہ وہ عیب اس میں پائے جاتے ہوں یا نہ پائے جاتے ہوں۔ اسی وجہ سے کبھی غیبت اور چغل خوری ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ کسی کے عیب یا نقص بیان کرنے کے لئے راز ظاہر کرنا بھی چغل خوری ہی ہے۔ [2]

چغل خوری کئی عیبوں کی جامع ہے:

چغل خور سے بغض رکھنا چاہیے، اس کی ہر بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو سچا نہ سمجھا جائے اس کے ساتھ کسی اور وجہ سے بغض نہ رکھے بلکہ صرف چغل خوری کی وجہ سے بغض رکھے جب کہ

”ھو لا ینفك عن الكذب والغیبة والغدر والخیانة والغل والحسد والنفاق والفساد بین الناس والخدیعة وھو ممن یسعی فی قطع ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض“

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج3 ص، 262)

”اس لئے کہ چغل خور جھوٹا ہوتا ہے اور غیبت کرتا ہے، غدار ہوتا ہے، خیانت کرتا ہے۔ کھوٹ، کینہ اس میں پایا جاتا ہے، منافقت وہ کرتا ہے لوگوں کے درمیان فساد وہ پھیلاتا ہے، دھوکہ باز وہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ (اپنے رشتہ داروں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ) تعلق جوڑنے کا حکم دیا وہ ان کے توڑنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اور زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہر طرف فساد، قتل و غارت، لوٹ مار کر بازار گرم ہے، لوگوں کی جانیں، عزت و مال محفوظ نہیں۔ ان تمام خرابیوں کا سبب چغل خوری، دھوکہ بازی منافقت، غداری ہی ہیں۔

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3 ص262

2۔ حوالہ مذکورہ

چغل خور کبھی سچا نہیں ہوتا:

سلیمان بن عبد الملک بادشاہ ایک دن بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس زہری بھی تھے۔ ایک شخص آیا تو سلیمان بن عبد الملک بادشاہ نے اسے کہا: کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے متعلق اس طرح کی بدکلامی کی، میرے عیوب ونقائص تم نے لوگوں کے سامنے بیان کیے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہارے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔ سلیمان بن عبد الملک کہنے لگا: مجھے تو بے شک ایک بڑے سچے آدمی نے خبر دی ہے۔

زہری نے یہ سن کر کہا: [لا یکون النمام صادقا] ''چغل خور تو کبھی سچا نہیں ہوتا۔'' یہ سن کر سلیمان بن عبد الملک نے کہا تم نے سچ کہا ہے اس طرح اس شخص کی نجات ہوگئی۔ بادشاہ نے اسے خیر و عافیت واپس لوٹنے کی اجازت دی۔ [1]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور چغل خور:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کسی دوسرے شخص کے عیوب ونقائص آپ کے سامنے بیان کیے تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے متعلق چھانٹ بینٹ کریں تو ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس آیہ کریمہ کے مصداق ہو گے: [اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا] ''اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو'' اگر تم سچے ہوئے تو اس آیت کریمہ کے مصداق ہو گے: [هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ] ''بہت نکتہ چین، چغلیاں کھانے والا۔'' (جس کی مذمت کا بیان پہلے گزر چکا ہے) اور اگر تم چاہتے ہو کہ بغیر تحقیق کے تمہاری اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ کریں اور تم سے درگزر کریں تو ایسے کر لیتے ہیں۔ اس شخص نے کہا: آپ درگزر ہی فرمائیں یعنی معاف فرمائیں تو اچھا ہے آئندہ میں کبھی بھی چغل خوری نہیں کروں گا۔ [2]

چغل خور غلام نے کتنا فساد برپا کیا:

حضرت حماد بن مسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام فروخت کرتے وقت خریدار کو بتایا کہ اس غلام میں اور کوئی عیب نہیں، البتہ یہ چغل خور ضرور ہے۔ خریدار اس پر راضی ہو گیا۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، میں خرید لیتا ہوں۔ جب وہ خرید کر گھر لے آیا تو چند دن گزرنے کے بعد غلام نے اس اپنے نئے مالک کی زوجہ کو کہا: میرا آقا یعنی تمہارا خاوند تم سے محبت نہیں کرتا (وہ تو اور شادی کا ارادہ رکھتا ہے، کسی رات اچانک تم پر اور سوکن لے آئے گا) ابھی خفیہ طور پر رات کو ایک عورت کے پاس جاتا ہے۔ اس لئے تو ایک استرہ لے کر اس کے سر کے پچھلی جانب یعنی گدی سے کچھ بال کاٹ کر مجھے دو تا کہ میں تمہیں جادو

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص263

2۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص263

کردوں، اس طرح وہ تم سے محبت کرے گا۔ وہ جب سویا ہوا ہو گا تو تم اس کے بال کاٹ سکو گی۔

ادھر مالک کو کہا: تمہاری زوجہ نے تو ایک اور یار بنالیا ہے، وہ تمہیں قتل کرنا چاہتی ہے۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو رات سونا نہیں بلکہ سونے کا انداز اختیار کرنا، تمہیں خود پتہ چل جائے گا۔ وہ اس منصوبہ پر کیسے عمل کرنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا، جاگ رہا تھا، بظاہر سوتا ہوا نظر آتا تھا۔

عورت استرہ لے کر بال کاٹنے کے لئے آ گئی، خاوند نے سمجھا واقعی یہ مجھے قتل کرنے کے لئے آ گئی ہے۔ وہ اٹھا اس نے اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ زوجہ کے رشتہ دار آ گئے، انہوں نے اس کے قاتل خاوند کو قتل کر دیا۔ اس طرح ایک چغل خور نے سارا گھر تباہ و برباد کر دیا۔ [1]

OOOOO

جھوٹ ایک عظیم جرم ہے:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک شخص میری طرف آ رہا ہے۔ اس نے آ کر مجھے کہا: کھڑے ہو جاؤ! میرے ساتھ چلو۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا، میں ایسے دو شخصوں کے پاس پہنچا کہ ایک ان میں سے کھڑا ہے اور دوسرا بیٹھا ہے۔ جو کھڑا ہے، اس کے ہاتھ میں آگے سے مڑی ہوئی لوہے کی سلاخ ہے، وہ بیٹھے ہوئے شخص کی ایک باچھ میں ڈال کر کھینچتا ہے۔ جو شخص مجھے اٹھا کر لے گیا تھا' میں نے اس سے کہا: یہ کون شخص ہے؟ اس نے کہا: یہ شخص جھوٹ بولنے والا ہے، اس کو قیامت تک قبر میں یہی عذاب دیا جاتا رہے گا:

"قال رسول الله ﷺ ثلاث من کن فیه فهو منافق وان صام وصلی و زعم انه مسلم اذا حدث کذب واذا وعد خلف واذا ائتمن خان"

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج1 ص17)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں جس میں پائی جائیں وہ منافق ہے اگر چہ وہ روزے بھی رکھتا ہو، نمازیں بھی پڑھتا ہو۔ اور یہ بھی گمان رکھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ (وہ تین چیزیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹی ہو، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین گناہ علامتِ منافقت ہیں، اگر چہ بظاہر وہ مسلمان روزہ دار، نمازی بھی ہو لیکن کام اس کے منافقوں والے ہیں۔

[قال رسول الله ﷺ الکذب ینقص الرزق] "نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جھوٹ رزق کو کم کرتا ہے۔" (یعنی

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص266

اس میں خیر برکت نہیں رہتی)

"قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان التجار هم الفجار فقيل يا رسول الله اليس قد احل الله البيع قال نعم ولكنهم يحلفون فيأثمون ويحدثون فيكذبون"

(احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص225)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تاجر فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت (تجارت) کو حلال نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں (اللہ تعالیٰ نے حلال تو فرمایا) لیکن یہ (جھوٹی) قسمیں اٹھا کر گناہ گار ہوتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔"

جھوٹے گواہوں کا ذکر:

معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ ان کی زبانیں گدی (سر کی پچھلی جانب) سے نکالی جا رہی ہیں اور ان کی شکلیں مسخ کر کے سور جیسی شکلیں بنائی جا رہی ہیں، سر سے پاؤں تک عذاب میں مبتلاء ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین علیہ السلام نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں، جو جھوٹی گواہی دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: [فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ] پس تم بتوں کی نجاست سے بچ کر رہو اور جھوٹی بات سے بچ کر رہو۔" [1]

جھوٹے انسان پر اعتبار ختم ہو جاتا ہے:

تجربات و مشاہدات سے یہ بات واضح ہے کہ جب انسان جھوٹ بولنے کی عادت بنا لیتا ہے، وہ لوگوں کی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے، لوگ اس پر اعتبار چھوڑ دیتے ہیں۔

آج سیاست کے میدان میں علماء کی ناکامی کا سبب بھی یہی ہے کہ ان میں سے کچھ نے دوسرے سیاسیوں کی طرح ہی تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے تو لوگوں نے کہا: ان سے دوسرے جاہل اچھے ہیں کہ انہیں تو علم نہیں اور ہم ان سے اپنے دنیاوی کام بھی کرائیں گے۔ کچھ علماء نے بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا، کل یہ چیز حرام تھی، آج وہی حلال ہو گئی۔ کبھی تو یہ کہنا کہ ہے تو حرام لیکن ہم حرام بھی مزے لے کر برداشت کر رہے ہیں۔

ایسے نام نہاد ملاؤں نے دین، ملک و ملت کا بیڑہ غرق کر دیا۔ دیگر علماء کو بے وقار بنا دیا، ان کی وجہ سے تمام ناکام ہو رہے ہیں۔ کاش! ان لوگوں کو سیاست کا معنی آتا۔ نام سیاستدان لیکن حقیقت میں سیاست نادان ہیں کیونکہ سیاستدان کا معنی ہے سیاست جاننے والا۔ جو شخص سیاست کے معنی سے ہی بے خبر ہو وہ کبھی سیاستدان کہلانے کا حقدار نہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں: [السياسة القيام على الشيء بما يصلحه] سیاست کسی چیز

1۔ ریاض الازہار، ص214

کو بہتر کرنے سنوارنے کا نام ہے۔ (1)

جب کسی کام میں اصلاح نہیں، وہ سیاست نہیں۔ آج کل سیاست جھوٹ، فریب، مکاری، لوٹ مار کا نام ہے۔ بکاؤ مال، چمچے، کڑچھے، حلال وحرام میں تمیز نہ کرنے والے، لوٹے، کتے کی طرح ہڈی کے پیچھے بھاگنے والے کا نام ''سیاستدان'' ہے۔

جب مقصد اصلاح احوال ہو، حق بات کہنا مطمح نظر ہو، نہ بکنا ہو، نہ جھکنا اس کا وطیرہ ہو، کلام میں شائستگی ہو، شریعتِ مطہرہ کے خلاف تقاریر کرنے والوں کا جواب جرأت وحق سے دینا اس کا طریقہ کار ہو تو پھر سیاست ثواب ہے، وہی حقیقت میں سیاستدان ہے۔

بیرونِ ممالک سے پیسے لے کر ان کے اشارے پر چلنے والے ملک وملت کے دشمن ہیں، دین فروش لٹیرے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہی میں سیاست سے کنارہ کش ہوا ہوں۔ جب کہ کس وقت ایک دینی جماعت کا سرگرم سیاسی رکن ہوا کرتا تھا لیکن نہ جھکنے والے جب جھک گئے، نہ بکنے والے جب بک گئے، حق وصداقت کا دامن تھامنے والے جب باطل راہ پر چل گئے تو میں نے گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا اسی میں عافیت سمجھی اور خیال کیا کہ اسی میں عزت ہے اور یہی عبادت ہے۔

OOOOO

گانا گانے والے:

معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا کہ آگ کے طبق ان کے سینوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ منہ ان کے کالے ہیں، آنکھیں نیلی ہیں اور تارکول (لُک) کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان کو فرشتے آگ والی گرزوں سے مار رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ جو بے ہودہ قسم کے گانے گایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾ (سورۃ لقمان 10:21)

''اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے، اور اسے ہنسی بنا ئیں، ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔'' (2)

1۔ شرح مسلم، علامہ نووی رحمہ اللہ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ 127

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج1، ص164

اصل میں شعر یا گانے میں قانون وضابطہ یہ ہے: [واما الشعر فکلام حسنه حسن و قبیحه قبیح] ''شعر بھی ایک کلام ہے۔ اچھا کلام اچھا ہے اور برا کلام برا ہی ہے۔'' اچھے کو پڑھنے والا اور بھی اچھا ہوگا اور برے کلام کو پڑھنے والا اور بھی برا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: [لان یمتلی جوف احدکم قیحا حتی یری خیر من ان یمتلی شعرا] ''تم میں سے کسی ایک کے پیٹ کا پیپ (یعنی زرد رنگ کا خون و پیپ) سے بھر جانا یہاں تک وہ دکھائی بھی دینے لگے بہتر ہے اس سے کہ پیٹ شعروں (برے اشعار) سے بھر جائے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی شعراء کے متعلق یہ ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

(سورۂ شعراء 15:19)

''اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں' کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سر گرداں پھرتے ہیں' اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے' مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ مشرکین شعراء کے متعلق نازل ہوئی، جو یہ کہتے تھے کہ ہم بھی محمد ﷺ کے کلام جیسا کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں نبی کریم ﷺ کی ہجو (شعروں میں کسی کی برائی بیان کرنا) کرتے تھے ان کے اشعار اور ہجو کو سننے کے لئے ان کی تو قوم کے اعرابی لوگ جمع ہوتے تھے۔

''اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا'' یہاں سے مسلمان شعراء کا حکم پہلے مشرکین شعراء سے علیحدہ بیان کیا ہے کیونکہ مؤمن نیک شاعر اپنے اشعار میں اکثر طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں اکثر طور جن چیزوں کا ذکر ہوتا ہے، وہ توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، نیکی پر لوگوں کو ابھارنا، نصیحت آموز کلام، حکمت بھری باتیں، دنیا میں نیکی کرنا، نیکی سے دور رہنے والوں کو اور دنیا کی لذات اور دنیا کے حسن و جمال میں فریفتہ ہو جانے والوں کو اور فناء ہو جانے والی لذتوں کی وجہ فتنہ میں مبتلاء ہونے والوں کی اپنے اشعار کی وجہ سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔''

'' والترغیب فیما عند الله ونشر محاسن رسوله ﷺ ومدحه وذکر معجزاته یغلغل حبه فی سویداء قلوب السامعین و تزداد رغباتهم فی اتباعه و نشر مدائح آله واصحابه وصلحاء امته لنحو ذالك''

''اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف رغبت دلانا مقصود ہوتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے محاسن و کمالات کو عام لوگوں تک پہنچانا اور آپ کے معجزات کو ذکر کرنا تا کہ عام سننے والے لوگوں کے سیاہ دلوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت کا چرچا ہوا اور محبت دلوں میں موجزن ہو کر اثر انداز ہو۔ اور آپ کی امت کے علماء و صلحاء وغیرہ کی مدح کا چرچا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج 3 ص 213

اس طرح کے مقاصد جب اشعار میں ہوں تو وہ اشعار بھی حسین ہوں گے' اشعار کو تدوین کرنے والے پڑھنے والے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے: [وان من الشعر لحکمة] ''بے شک بعض شعروں میں حکمت ہے'' [وقد سمع رسول اللہ ﷺ الشعر واجاز علیه] ''نبی کریم ﷺ نے خود بھی شعر سنے ہیں اور ان کی اجازت بھی دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

'' اھجھم (یعنی المشرکین) فان روح القدس یعینك فی روایة اھجھم وجبریل معك ''

'' مشرکوں کی ہجو بیان کرو! بے شک روح القدس تمہاری امداد کرے گا۔ ایک روایت میں ہے' ان کی ہجو بیان کرو جبریل تمہارے ساتھ ہے۔''

''عن عائشه صدیقه رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ بنی لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد ینشد علیه الشعر ''

'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں ایک منبر بنوایا جس پر وہ شعر پڑھا کرتے تھے۔''

تفسیر روح المعانی میں حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسین، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔ [1]

کعب بن زہیر کو نبی کریم ﷺ نے چادر عطا فرمائی:

فتح مکہ پر چند کافروں کا بطورِ خاص نام لے کر نبی کریم ﷺ نے قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ان میں کعب بن زہیر شاعر بھی تھا، جو زمانہ کفر میں نبی کریم ﷺ ہجو کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گیا تھا، اس کے بعد وہ اپنے بھائی بجیر بن زہیر کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ کیا حضور ﷺ اس کے ایمان کو قبول فرمائیں گے اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ بجیر بن زہیر آیا اور شرفِ اسلام سے مشرف ہوا۔ حضور ﷺ سے اپنے بھائی کے متعلق پوچھا: آپ نے اجازت فرمائی تو اس نے کعب کو خبر پہنچائی کہ آجائے اور مسلمان ہو جائے، حضور ﷺ تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، ایمان کی دولت عظمیٰ کو اپنے سینے سے لگانے کے بعد ایک قصیدہ وہاں ہی تیار کیا۔ اس میں کئی اشعار تھے، ان اشعار میں یہ بھی تھے:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُّسْتَضَاءُ بِهٖ
مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

1- روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 10' جز 2' ص 147

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْعَدَنِیْ
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَامُوْلٌ

① بے شک رسول ﷺ ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اللہ کی تلواروں میں سے وہ تیز دھار تلوار سونتی ہوئی ہے (کاٹنے والی ہے)

② مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے مجھے معاف کرنے وعدہ فرما لیا ہے۔ اللہ کے رسول کا معاف فرمانا ان کی عادت کریمہ ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطورِ انعام اسے پہنائی۔ [1]

OOOO

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا حال:

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم سے گذر ہوا جن کی شرمگاہوں کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور فقیروں اور مسکینوں پر رحم نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

(سورۃ توبہ 11:10)

”اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی، جس دن وہ (مال) تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا“ [1]

زکوٰۃ نہ دینے والے ثعلبہ بن حاطب کا حال:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

”اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے (مال) دے گا ہم ضرور خیرات کریں گے۔ (زکوٰۃ ادا کریں گے) اور ضرور ہم بھلے آدمی ہو

1۔ مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ج 2، ص 301   2۔ تفسیر ابن جریر، علامہ ابن جریر طبری، ج 15 ص 11

جائیں گے۔تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) دیا اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔" (سورۃ توبہ 16:10)

شانِ نزول:

ان آیات کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ "ثعلبہ بن حاطب" نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں۔آپ نے ارشاد فرمایا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا شکریہ بھی ادا کیا جا سکے، وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکریہ ادا نہ کیا جا سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر وہی درخواست کی کہ آپ میرے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں۔ خدا کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرما دیا تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے دعا فرما دی۔ آپ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بھیڑ، بکریوں میں اتنی برکت نازل فرمائی کہ وہ بہت زیادہ ہوگئیں، مدینہ طیبہ میں ثعلبہ کو رکھنی دشوار ہوگئیں، اور ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جلو میں اجابت خواصی میں رحمت | بڑھی کس تزک سے دعائے محمد ﷺ
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا | بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ
اجابت کا سہرا، عنایت کا جوڑا | دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

دوسرے مقام پر فرمایا:

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں، ان کے خالی ہاتھ میں

ثعلبہ جب جنگل میں مال کو لے کر چلا گیا تو جمعہ اور نمازوں کی جماعتوں میں آنا مشکل ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق صحابہ کرام سے پوچھا: تو انہوں نے عرض کیا: مال بہت کثیر ہوگیا ہے۔ اب تو جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہیں رہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "ویل لثعلبة" "ثعلبہ پر افسوس۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے زکوۃ وصول کرنے والے عاملین کو بھیجا، تو لوگوں نے اپنے صدقات ادا کر دیئے۔ جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اس نے کہا: یہ تو ٹیکس ہوگیا، جاؤ! میں سوچ کر بتاؤں گا۔

جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے بتانے سے پہلے ہی دو مرتبہ فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ تو اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ پھر ثعلبہ صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے یہ مال وصول کرنے سے منع فرما دیا ہے، وہ اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے واپس چلا گیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران پھر وہ صدقہ کا مال لایا لیکن آپ نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار فرمادیا، پھر وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران مال لایا لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اسے قبول نہ فرمایا، پھر وہ شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہلاک ہو گیا۔ (1)

اس مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے کا انجام یہ ہوا کہ ثعلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے ذلت سے نکلا، دربارِ صدیقی اور فاروقی میں بھی پناہ نہ مل سکی۔

تارکِ زکوٰۃ پر عذابِ قبر کا ذکر:

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب زواجر میں بیان فرماتے ہیں کہ تابعین کی ایک جماعت، وقت کے بزرگ حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: میرے ہمسایہ کا بھائی فوت ہو گیا ہے۔ میں اس کے پاس تعزیت کے لئے جارہا ہوں، آپ مع تابعین کی جماعت کے اپنے ہمسایہ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ وہ شخص بہت رو رہا ہے۔ آپ اسے تسلی دیتے ہیں لیکن وہ روتے جارہا ہے۔ آپ نے اسے دیکھا: وہ شخص بہت ہی رو رہا ہے۔ آپ نے اسے کہا: دیکھو! موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تم صبر کرو! اس نے کہا: مجھے تو اپنے بھائی کا صبح و شام کا عذاب یاد آرہا ہے۔

اس نے واقعہ بتاتے ہوئے کہا: جب مٹی ڈال کر قبر تیار کر دی گئی تو لوگ واپس چلے گئے لیکن میں اس کی قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اچانک قبر سے آواز آئی: افسوس! ہائے افسوس! لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اور میں نے جب یہ آواز سنی تو میں رونے لگا، میں نے بے خودی کے عالم میں قبر سے مٹی ہٹانا شروع کی، تا کہ میں دیکھوں میرے بھائی کا قبر میں کیا حال ہے؟ جب میں نے مٹی ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ میرے بھائی کے گلے میں آگ کا طوق ہے، جو اسے جلا رہا ہے۔ میں اپنی پر جوش محبت کے پیش نظر اس کے گلے سے طوق ہٹانے کے لئے جب ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ بھی جلنے لگا، تو میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر قبر پر مٹی ڈال کر واپس آ گیا۔ وہ بزرگ پوچھنے لگے: تیرے بھائی کے عمل کیا تھے؟ میں نے کہا: وہ نماز ادا کرتا تھا، روزہ رکھتا تھا لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا۔ وہ بزرگ کہنے لگے: ٹھیک ہے تمہارے بھائی کو یہی عذاب ہونا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" "اور بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص459

کے گلے کا طوق ہوگا۔" (سورۃ آل عمران 9:4)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی روزِ قیامت وہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپیٹا جائے گا، اور یہ کہہ کر ڈستا جائے گا۔ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ "انا مالك وانا کنزك" (1)

یتیموں کا ناحق مال کھانے والے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ایک قوم کو دیکھا، جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح ہیں۔ اور وہ آگ کی چنگاریاں کھا رہے ہیں اور چنگاریاں ان کے پیٹ کو جلاتے ہوئے نیچے نکل جاتی ہیں، وہ چیختے چلاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں، جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا"۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۱۹۹......روح المعانی، ج ۳، ص ۲۱۵)

"وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔"

"ان هذا الحكم عام لكل اليتيم مؤمنا كان او مشركا"
(تفسیر روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 3 ص 215)

"یتیم کا مال کھانے والے کا حکم عام ہے۔ اس میں مومن کافر کا کوئی فرق نہیں، ہر حال جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلنا پڑے گا۔ (اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔)"

"اذا اكل الرجل مال اليتيم يبعث يوم القيامة ولهب النار يخرج من فيه ومسامعه واذنيه وعينيه يعرف كل من رآه انه اكل مال اليتيم"
(تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ، ج 9، ص 200)

"جو شخص یتیموں کا ناحق مال کھائے گا قیامت کے دن اسے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ آگ کے شعلے اس کے منہ، کانوں اور آنکھوں سے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا یہ یتیموں کا ناحق مال کھاتا رہا۔"

خیال رہے کہ جس طرح ناحق مال کھانے سے یتیم کا دل پریشان ہوتا ہے، اسی طرح یتیم کو کسی طرح بھی پریشان کرنا ظلم ہے۔ مظلوم کی آہ سے عرشِ الٰہی کانپتا ہے، اس کی دعا کی قبولیت میں کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

مسئلہ:

یتیم کے سامنے اپنے بچوں سے پیار و محبت نہ کیا جائے تا کہ اسے اپنا باپ یاد نہ آئے اور اس کے دل کی پریشانی

1۔ بخاری شریف، کتاب الزکوٰۃ ج 1، ص 188......... زواجر، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ، ج 1 ص 140

تمہارے اعمال میں نقص کا سبب نہ بنے، یا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بچوں سے پیار و محبت کرتے ہوئے یتیم سے بھی اسی طرح بلکہ بڑھ کر محبت کرے۔

OOOO

سود کھانے والوں کا حال:

شب معراج نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے پیٹ سوج سوج کر بڑے بڑے مکانوں کی طرح ہو رہے ہیں اور ان کے چہرے زرد رنگ کے ہیں، ان کی گردنوں میں لوہے کے طوق اور ہاتھوں میں زنجیریں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی ہوئی ہیں۔ جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں تو پیٹ کے سوجنے، پھولنے کی وجہ اٹھ نہیں سکتے، بلکہ گر جاتے ہیں۔ اوپر نیچے عذاب میں مبتلاء ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"
(سورۃ بقرہ 6:3)

"وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط (بدحواس) بنا دیا۔" [1]

تنبیہ:

قیامت کے بعد آنے والے واقعات نبی کریم ﷺ کو پہلے ہی شب معراج کو مشاہدہ کرا دیئے گئے، یہ عالم مثال کے واقعات ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی، حال، استقبال کا کوئی فرق نہیں بلکہ ماضی اور مستقبل کے واقعات بھی حال کی طرح آپ کے سامنے عیاں ہیں۔

OOOO

ظالموں کے خوشامدی لوگ:

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ہونٹوں اور زبانوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا ہے، جب وہ اصلی حالت پر آجاتے ہیں، فرشتے پھر کاٹ لیتے ہیں، ان کو ایک گھڑی بھی مہلت نہ دی جاتی۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین علیہ السلام نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے پاس جا کر ان کی خوشامد کرتے ہیں، اور ان کے ہر قول

1۔ تفسیر درمنثور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج 4 ص 142

و فعل اچھے یا برے کو صحیح کہتے ہیں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ان کو ظلم اور گناہوں سے منع نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو عدل وانصاف کرنے اور غرباء و مساکین پر احسان و رحم کرنے کے متعلق انہیں بتاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (سورۃ ہود 10:12) "اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ" ❶

آیت کریمہ میں "لا ترکنوا" ذکر ہے، مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں اپنے اقوال بیان کئے ہیں "رکون" کا معنی ہے محبت اور دلی میلان [الر کون المحبة والميل بالقلب] یہاں مقصد یہ ہے کہ ظالموں کی مداہنت (خوشامد) مت کرو۔ [قال الاسدی لا تداهنوا الظلمة] اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو [وقال عكرمة لا تطيعوهم] علامہ بیضاوی نے فرمایا: [تميلوا اليهم ادنى ميل] یعنی ان کی طرف تھوڑا سا قلبی میلان بھی مت کرو۔

علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تشریح اس طرح لکھی ہے: [الركون حقيقة الاستناد والاعتماد والسكون الى الشیء والرضاء به] "رکون کا معنی ہے کسی پر اعتماد کرنا اور بھروسہ کرنا اور اس کی طرف سے مطمئن اور راضی ہو جانا۔ ابو العالیہ نے کہا ہے" [لا ترضوا اعمالهم] "ان کے اعمال کو پسند نہ کرو" (قرطبی)

اس آیت کریمہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ (ظالموں، فاسق و فاجر حکام، شرابی، جوا باز ہر قسم کے بداعمالیوں کے مرتکب لوگ) ان بدمذہبوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ ہم اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بے دھڑک ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں جب کہ وہ پھونک مار کر تمہارے ایمان کی شمع کو گل کر دیں، اس لئے اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بدعقید لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں (بچیں) اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی سنگت کرنا اور ان کی تقویت کا باعث بننا جو لوگوں کے حقوق تلف کرتے ہیں، یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ تمہاری تائید اور اعانت ان لوگوں کے لئے ہونی چاہیے جو صحیح عقیدہ کے علمبردار ہوں، اور اپنی عملی زندگی میں عدل و انصاف کی قدروں کو سر بلند دیکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ مذاہب باطلہ کی فرقہ بازیاں، سیاسی جتھہ بندیاں اور قبائلی تعصب ملت کے لئے تباہ کن ہیں اور اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہیں۔ ❷

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ نے جب یہ فیصلہ فرما دیا کہ جو شخص ظالموں کی طرف میلان کرے گا، اسے آگ مس کرے گی: [واذا كان كذالك ويكف يكون حال الظالم نفسه] جب معاملہ اس طرح

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 2، ص 396

ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جو خود ظالم ہوگا۔ یعنی ظالموں سے محبت جب عذاب ہے تو خود ظلم کرنا تو بہت بڑے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ (1)

خیال رہے کہ ظلم کا معنی ہے "وضع الشیء فی غیرہ محلہ" کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا یعنی کسی چیز کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ یہ کام کرو وہ نہ کرنا۔ اسی طرح شریعت نے منع کیا ہو کہ کوئی نیکی بھی چھوڑنا ظلم ہوگا۔ ایسے لوگوں سے دلی محبت کرنا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لیتا ہے اس لئے کہ کسی سے محبت ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہو اور کسی سے بغض ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہو۔ (2)

محبت کی تین قسمیں ہیں:

(1) زبانی (2) جنانی یعنی دلی محبت (3) ایمانی وروحانی

ظالموں سے ہر طرح کی محبت کرنا منع ہے کیونکہ صرف زبانی محبت کرنے سے منافقت حاصل ہوگی، جھوٹ دھوکہ بازی حاصل ہوگی۔ نیز زبانی محبت سے حرام مال بٹورے گا۔ بظاہر یہ معمولی بات نظر آتی ہے، حقیقت میں کئی گناہوں پر مشتمل ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی دور ہوتا ہے لیکن عالم لوگوں کی نظر میں بھی فراڈی ہونے کی وجہ سے حقیر ہوتا ہے۔

اسی طرح جب کافر اور ظالم سے دلی محبت کرے گا تو یقیناً اس کے اعمال کو اچھا سمجھ کر محبت کرے گا، ظلم وکفر کو اچھا سمجھنا بھی ظلم وکفر ہے۔

روحانی اور ایمانی محبت تو ہوتی ہی اس وقت ہے جب محبوب کی ہر ادا پسند ہو اور عقیدہ وایمان اسی کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ کامل محبت تو ہے ہی یہ کہ محبوب جس چیز کو ناپسند کرے اسے ناپسند کرے اور محبوب جسے اچھا سمجھے اسے اچھا سمجھے۔ اسی ضابطہ کو علامہ نووی شرح مسلم میں ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

"من اوصاف المحب الصادق ان یحب ما حب محبوبه ویکره ما کرہ" (3)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: [المرء علی دین خلیله] "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔"

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

"نیک آدمی کی محبت (دوستی) تجھے نیک کردے گی، برے آدمی کی صحبت تجھے برا کردے گی۔"

ذہن میں رہے کہ طلح جب باب نصر سے آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے خراب ہونا، فاسد ہونا۔ اسی لئے یہاں طالح معنی

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ، ج 18، ص 72
2۔ حاشیہ مشکوۃ المصابیح، ص 434
3۔ مسلم شریف، امام مسلم قشیری رحمۃ اللہ، ج 2، باب اباحۃ اکل الثوم، ص 183

برا آدمی لیا گیا ہے۔ کسی پنجابی کے شاعر نے اسی مضمون کو بڑے مؤثر انداز میں ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

چنگیاں دے لڑ لگیاں میرے جھولی وچ پھل پے

مندیاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے وی ڈل گئے

اچھوں سے محبت کرنے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے سے میرے دامن میں نیکیوں کے پھول آئے اور بروں کی محبت اور صحبت اور ان کی محفلوں میں بیٹھنے سے میرے دامن میں نیکیوں کے پھول تھے، وہ بھی ضائع ہو گے۔

OOOO

دغاباز اور منافق لوگوں کا حال:

شب معراج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں سے گزر ہوا جن کی آنکھوں، کانوں اور ناک سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، ان میں سے ہر شخص پر دو فرشتے عذاب دینے کے لئے مقرر ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں آگ کے گرز ہیں' جن سے وہ ان کو سزا دے رہے ہیں' گرز سے سزا کتنی عظیم ہوگی؟ اس کا اندازہ تو اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک گرز کا معمولی سا حصہ ابو قبیس پہاڑ پر پڑے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس قوم کے متعلق سوال کیا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دغاباز اور منافق لوگ ہیں۔ [1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من کان له وجهان فی الدنیا کان له لسانان من یوم القیامة"

(مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2 ص413)

''جس شخص کے دنیا میں دو چہرے ہوئے' قیامت کے دن اس شخص کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ یعنی دنیا میں جب دغا بازی کرتا رہا تو قیامت کے دن اسے آگ کی دو زبانیں عطا کر دی جائیں گی۔''

اسی طرح وہ ہر وقت عذاب میں مبتلاء رہے گا۔ کسی وقت تخفیف نہیں ہوگی کیونکہ جو عذاب ہمہ وقت منہ میں ہی رہے اس سے تخفیف کیسے ممکن ہے؟

"تجدون من شر عباد الله یوم القیامة ذا الوجهین الذی یأتی هؤلاء بحدیث وهؤلاء بحدیث وفی روایة هؤلاء بوجه و هؤلاء بوجه"

(مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2 ص411)

''قیامت کی دن اللہ تعالیٰ کے بندوں سے سب سے زیادہ شر، تمہیں وہ جو پتہ چلیں گے جو دو چہروں والے ہیں ادھر آئے اور بات کی، ادھر گئے اور بات کی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے، ادھر آئے اور چہرہ دکھایا، ادھر گئے اور چہرہ دکھایا۔''

1۔ معارج النبوۃ، علامہ کاشفی رحمہ اللہ، ج3 ص135

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ کو ناپسند وہ لوگ ہوں گے جو جھوٹے، متکبر اور اپنے مؤمن بھائیوں کے متعلق اپنے دل میں سخت کھوٹ اور بغض رکھنے والے ہوں گے۔ اور جب ان سے ملیں تو بڑی عاجزی کا اظہار کریں ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف بلائیں تو دیر کریں اور جب ان کو شیطان اور اس کی طرف بلائیں تو جلدی کریں۔ [1]

علاماتِ نفاق:

جب کوئی انسان ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے اور اس کی بات تک اس تک پہنچائے تو یہ "منافقت" ہے۔ یہ شخص چغل خور سے بھی برا ہے کیونکہ چغل خور ایک کی بات ہی صرف دوسرے تک پہنچاتا ہے اور یہ شخص دونوں کی بات ایک دوسرے تک پہنچاتا ہے چونکہ یہ فساد زیادہ برپا کرتا ہے اس لئے یہ چغل خور سے بھی برا ہے۔

دو آدمیوں کے درمیان دشمنی ہو، یہ ہر ایک شخص سے اچھا سلوک کرے۔ حق باطل کے درمیان فرق نہ کرے تو یہ بھی "منافقت" ہے کیونکہ اچھے برے میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی دونوں شخصوں کی تعریف کرنا منافقت ہے کیونکہ ایمان کا ضعیف درجہ یہ ہے کہ برے شخص کو دل سے برا سمجھا جائے۔ دل سے بھی سمجھنا اور تعریف کرنا یقیناً منافقت ہے کیونکہ ان میں سے ایک تو یقیناً برا ہوگا۔

جن دو شخصوں کے درمیان عداوت ہو، ان دونوں سے امداد کا وعدہ کرنا بھی منافقت ہے۔ امداد تو ایک کی ہو سکتی ہے، دونوں کی امداد ممکن ہی نہیں کیونکہ ایک کی امداد کرنے سے دوسرے کی مخالفت ہوگی۔ یہ بہت واضح بات ہے کہ کسی شخص کی انسان مخالفت بھی کرے، امداد کا وعدہ بھی کرے تو یہ منافقت ہی تو ہے۔

کسی آدمی کی اس کے سامنے تعریف کرنا اور وہ جب چلا جائے تو اس کی برائیاں بیان کرنا بھی منافقت ہے۔ اسی طرح جن دو آدمیوں کے درمیان عداوت ہے، ان میں سے ایک کی موجودگی میں تعریف کرنا اور غیر موجودگی میں برائی بیان کرنا بھی منافقت ہے، اس لئے کہ حق تو یہ تھا کہ یا تو خاموش رہتا اور یا جو شخص حق پر تھا اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں ایک جیسی تعریف کی جاتی۔ اور اس کے مخالف کے سامنے بھی اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم حکام کے پاس جا کر اور بات کرتے ہیں اور باہر نکل کر اور بات کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے زمانہ اطہر میں ہم اسے ہی منافقت کہتے تھے۔ [2]

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمۃ اللہ، باب الحب فی اللہ والبغض للہ، ج 2 ص

2۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمۃ اللہ، ج 3 ص 268

حکام کی تعریف کب منافقت ہے؟

حکام کے پاس جا کر ان کی تعریف کرنا اس وقت منافقت ہے جب کہ حکام نے اسے جبراً اپنے پاس نہیں طلب کیا اور نہ ہی اسے حکام کے پاس جا کر ان کی تعریف کرنے پر مجبور کیا ہے، پھر یہ تعریف کرتا ہے جس تعریف کے وہ شرعاً مستحق نہیں تو یہ منافقت ہوگی۔

اسی طرح حکام نے اسے زبردستی اپنے پاس بلایا نہیں، یہ گیا تو خود ہے لیکن وہاں جا کر مجبور ہو گیا اور اسے خوف دامن گیر ہو گیا کہ اگر میں نے تعریف نہ کی تو مجھے نقصان پہنچایا جائے گا، جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جائے گا۔ کبھی ناجائز اسلحہ رکھنے کا اور کبھی تخریب کاری کا اور کبھی ملکی راز افشاء کرنے کا اور کبھی حکومت کو توڑنے کا۔ اتنا خوف ہونے کے باوجود بھی ناجائز ہے اور ناحق طور پر بدکار لٹیرے حکام کی تعریف کرنا ضروری نہیں تھا تو یہ نہ جاتا، تھوڑے مال پر قناعت کرتا، دنیاوی جاہ وجلال اور مال دولت حاصل کرنے کے پیچھے نہ بھاگتا۔ جب یہ مال و دولت حاصل کرنے کی غرض سے اور دنیاوی جاہ جلال حاصل کرنے کے لئے خود ہی چمچہ بن کر وہاں پہنچ گیا اور خود ہی ان کی تعریف شروع کر دی تو اس فعل سے یہ شخص منافق ہو گیا۔ یہی نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

"حب المال والجاه ينبتان النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل" (1)

"مال و دولت کی محبت اور (دنیاوی) جاہ وجلال کی طلب دل میں ایسے منافقت پیدا کرتے ہیں جیسے پانی سبزیاں پیدا کرتا ہے۔"

حکام کی تعریف کرنا کب منافقت نہیں؟

"اما اذا ابتلی به لضرورة وخاف ان لم يثن فهو معذور فان اتقاء الشر جائز"

جب کسی شخص کو زبردستی حکام کے دربار میں طلب کیا گیا ہو اور تعریف کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، اسے خوف ہو کہ اگر تعریف نہ کی تو مجھے طرح طرح کے نقصانات کا سامنا کرنے پڑے گا، ایسی جبری ابتلاء میں اگر اس نے تعریف کی تو اسے معذور سمجھا جائے گا یہ منافقت نہیں ہوگی، کیونکہ اپنے آپ کو شر سے بچانا جائز ہے۔ (2)

شریر انسان کے سامنے نرم گوئی اور تبسم جائز ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ائذنوا له فبئس رجل العشيرة هو" "اسے آنے کی اجازت دے دو، اپنے قبیلہ کا بہت برا انسان

1۔ احیاء العلوم، امام محمد بن احمد غزالی رحمہ اللہ، ج3، ص268 2۔ المرجع السابق

ہے۔ "ثم لما دخل الان له القول" پھر وہ شخص جب آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی۔

پھر جب وہ واپس چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تو آپ نے اس شخص کے متعلق کچھ فرمایا تھا جو فرمانا تھا (یعنی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قبیلہ کا بہت برا شخص ہے) پھر آپ نے اس سے اچھے طریقہ سے نرم گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ "ان شر الناس الذی یکرم اتقاء الشر" یہ شخص لوگوں میں سے شریر انسان ہے، اس کے شر سے بچنے کے لئے اس سے نرم گفتگو کی جاتی ہے۔ [1]

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

1۔ جس شخص کا شر لوگوں پر واضح ہو، یا اس کے شر سے لوگوں کو مطلع کر کے، بچانا مقصود ہو تو اس کی غیر موجودگی میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہت شریر اور برا انسان ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے متعلق بیان فرمایا ۔یہ مسئلہ غیبت کے بیان میں واضح کیا جا چکا ہے۔

2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لئے اس شخص سے نرم گفتگو فرمائی تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ کسی شریر انسان سے نرم گفتگو کر کے اس کے شر سے بچا جا سکتا ہے، ورنہ آپ کو کسی قسم کا کوئی ڈر نہیں، خوف نہیں تھا۔ جس ذات نے ہزاروں کافروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اکیلے کلمۂ حق بلند کیا ہو، اس ذات کریمہ کو اس وقت ایک انسان کے شر کا کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، جب ہزاروں لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں۔

3۔ کسی شریر سے بچنے کے لئے صرف اس کی طرف متوجہ ہونا' نرم گفتگو کرنا' بات کرتے ہوئے اس کے سامنے تبسم کرنا جائز ہے، یعنی اس سے ہنس مکھ چہرہ سے گفتگو کرنا، بات کرتے ہوئے تیوری نہ چڑھانا، تنگ نظر نہ ہونا، فقط اسی حد تک اکتفا کرے۔ اس کی مدح کرنا، اس کے برے اعمال کو اچھا کہنا، اس کے کسی فعل کو حرام کہہ کر برداشت کرنے کی بے مقصد منطق بیان کر کے لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو احمق، الو، گدھا بنانا ہر طرح ناجائز ہے بلکہ یہ انداز فکر واضح طور پر جھوٹ ہے۔ کسی برے شخص کی مدح سرائی کرنے والے کے چہرے پر داڑھی دیکھ کر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ داڑھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ اس شخص کو "رنجیت سنگھ" سمجھا جائے اور دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی سمجھا جائے۔

4۔ صرف جبر کی صورت میں تعریف جائز ہوگی جب کہ اس کو اپنی موت یا اعضاء کے کٹ جانے یا لمبی قید یا بہت بڑے مالی نقصان کا خطرہ ہو۔ کتے کی طرح ہڈی کے پیچھے بھاگنے والے کا برے کی تعریف کرنا ناجائز ہے۔

OOOOOO

1۔ مشکوۃ المصابیح ج 2 بحوالہ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج 3، ص 268

زانی مرد اور عورتوں کا حال:

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا، جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے اور دوسری ہنڈیا میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے۔ وہ اس جلے' سڑے اور کچے کو کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی پاکیزہ وحلال بیویوں کو چھوڑ کر دوسری حرام عورتوں سے راتیں گذارتے تھے اور برائی کے مرتکب ہوتے تھے۔

اسی طرح یہ عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر دوسرے مردوں سے رنگ رلیاں مناتی تھیں اور بدکاری کی مرتکب ہوتی تھیں۔ ان مردوں اور عورتوں کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ارشاد فرمایا ہے۔ [وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا] ''اور تم لوگ زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ بہت بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ [1]

زنا سے واقع ہونے والے فسادات:

[1]: جس عورت کے خاوند کو بھی معلوم ہو کہ اس کی عورت زانیہ ہے، جب اس زانیہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انسان کو یقین نہیں آئے گا کہ یہ بچہ میرا ہے یا کسی اور کا؟ اس طرح وہ بچے کی تربیت درست طور پر نہیں کرے گا اور اس کی ذمہ داریوں کو قبول نہیں کرے گا' ایسا کرنے سے اولاد ضائع ہوگی۔

[2]: نسل کے منقطع ہونے کا سبب بنے گا اور نظامِ کائنات برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اسی طرح خاوند کو تو شرعی حیثیت سے عورت کے حلت (حلال ہونا) حاصل ہے اور دوسرے کسی کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عورت کے لئے شرعاً خاوند ہی سب سے بہتر ہے، دوسرا کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی اگر عورت نے کسی اور کی طرف توجہ کی فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا، جس سے کسی نہ کسی شخص کا قتل واقع ہو جائے گا۔ کتنی مرتبہ ہی ہم نے سنا ہے کہ فلاں شخص قتل ہو گیا' اس کے اسباب معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ایک عورت کے زنا کا یہ سارا کارنامہ ہے۔

[3]: جب عورت زنا کے ارتکاب کی عادت ڈال لیتی ہے اور یہ برا کام اس کا تختہ مشق بن جاتا ہے، تو ایسی عورت سے درست طبیعت اور سیدھی راہ پہ چلنے والا، دل رکھنے والا انسان نفرت کرتا ہے۔ اسے گندی اور ناپاک عورت سمجھتا ہے، ایسے حالات میں عورت اور اس کے خاوند میں الفت ومحبت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی سکون حاصل ہوتا ہے اور نہ ازدواجی عورت اور اسکے خاوند کے درمیان رشتہ اور تعلق ازدواجی کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

[4]: جب زنا کا دروازہ کھل جائے، زنا عام ہو جائے تو ہر انسان کو عورت کے پاس آنا جانا حاصل ہو جائے گا۔ جس وقت وہ جس عور کے پاس جانا چاہے اسے کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اس طرح انسانوں اور دوسرے جانوروں میں کوئی فرق نہ رہے

1۔ تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، ج 3 ص

گا، حیوانوں کا بھی جب یہی کام ہے اور انسانوں کا بھی اگر یہی کام ہو گیا تو انسان کا تمام مخلوق سے افضل ہونا کیسے ثابت ہوگا؟

5: شادی کر کے کسی عورت کو اپنی زوجہ بنانے میں صرف شہوت کو پورا کرنا مقصود نہیں بلکہ اس اپنے گھر کے معاملات میں شریک کرنا اور کھانا پینا، لباس تیار کرنے میں معاونہ بنانا اور اپنے گھر کی مالکہ بنانا اور اپنے گھر میں کسی اور کو آنے سے روکنے کے لئے دروازہ کی محافظہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس عورت کی توجہ کا مرکز صرف اس کا خاوند ہو۔ دوسرے مردوں سے اسے کوئی امید نہ ہو، ان سے اس کے تعلقات مکمل طور پر منقطع ہوں۔ یہ سارے مقاصد زنا کے مکمل حرام ہونے سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ زنا کا دروازہ کامل طریقہ سے بند ہوگا تو اس کے گھر کا دروازہ غیروں پر بند ہو سکے گا۔

6: مقصد زوجہ کو حاصل کرنے میں ان منافع کا حصول ہے جو نکاح سے حاصل ہوتے ہیں یعنی نیک اولاد کا حاصل کرنا، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کی نظر صرف اپنی زوجہ پر ہی ہو۔ [1]

OOOOOO

نافرمان بیویوں کا حال:

نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات عورتوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے منہ کالے اور آنکھیں نیلی ہیں۔ انہوں نے آگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، فرشتے انہیں آگ کے گرز مار رہے ہیں اور وہ گدھوں اور کتوں کی طرح چلاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا: یہ عورتیں کون ہیں جو عذاب میں مبتلاء ہیں؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یارسول اللہ ﷺ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی نافرمانی کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: [اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ] "مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔" [2]

شان نزول:

اس آیہ کریمہ کا شان نزول بھی یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جو انصار کے نقیب تھے۔ ایک دفعہ ان کی زوجہ حبیبہ بنت زید بن زہیر نے ان کی کچھ نافرمانی کی، جس کی وجہ سے انہوں نے غصہ میں آ کر اسے ایک طمانچہ مار دیا۔ وہ عورت ناراض ہو کر اپنے والد کے گھر چلی گئی۔ اس کے والد زید بن زہیر اپنی بیٹی حبیبہ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج، ص

2۔ تفسیر ابن جریر، علامہ طبری رحمہ اللہ، ج5، ص70

شکایت کی کہ میں نے اپنی پیاری بیٹی حبیبہ کا نکاح سعد سے کیا تھا لیکن اس نے میری بیٹی کو تھپڑ مارا ہے، اس کا قصاص دلوایا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے قصاص لینے کی اجازت فرمادی کہ حبیبہ بھی سعد کو تھپڑ مار لے تاکہ برابری ہو جائے، یہ ابھی چلے ہی تھے کہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔ حضور ﷺ نے انہیں واپس بلا کر یہ آیت کریمہ سنائی اور فرمایا کہ زوجہ اپنے خاوند سے تھپڑ وغیرہ کا بدلہ نہیں لے سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا: ہم نے تو کچھ اور چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی چاہت ہماری چاہت سے افضل ہے۔ [1]

مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر بزرگی بخشی ہے کہ خاوند کو بیوی کا سردار بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطاء پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ "امامت صغریٰ" یعنی نماز کی امامت کا حق صرف مردوں کو دیا، عورتوں کو نہیں، اسی طرح "امامت کبریٰ" (بڑی امامت) یعنی حاکمیت کا حق بھی صرف مردوں کو دیا گیا عورتوں کو نہیں۔ جاہل لوگ کسی عورت کو حاکم بنادیں یا "بکاؤ ملاں" اس کی حاکمیت پر خوش ہو کر کہیں کہ........... "جمہوریت آگئی، بڑی خوشی ہوگئی" .... تو اس سے شرعاً جواز ثابت نہیں ہوگا۔

اذان دینا عورت کے لئے منع، مرد کے لئے جائز اور ثواب۔ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھانا اور خطبہ پڑھنا بھی صرف مرد کے لئے ہی جائز ہے، عورت کے لئے جائز نہیں۔ نبوت جیسا عظیم منصب صرف مردوں کو ملا، مردوں کا عقل کامل ہے اور عورتوں کی عقل ناقص ہے۔ مردوں کا دین کامل، عورتوں کا دین ناقص۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ ایسے کمالات عطا فرمائے ہیں جن کا انکار صرف وہی احمق انسان کرسکتا ہے جو سورج کو ظاہر دیکھ کر بھی کہے کہ................ ابھی تو رات ہے۔

خاوند ناراض ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائکة حتی تصبح"

"جب انسان اپنی زوجہ کو بستر پر طلب کرے تو عورت (بغیر عذر شرعی کے) انکار کردے۔ خاوند رات ناراضگی میں گذارے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

(بخاری، ج2، ص782...... مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، ص280)

1۔ تفسیر خازن ج1، ص518.................. روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج5، ص23 .... تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج9، ص...... روح البیان، علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ، ج2، ص264

اس لئے کہ اس عورت پر خاوند کی فرمانبرداری لازم تھی نہ کہ نافرمانی۔ وہ نافرمانی کر کے فرشتوں کی لعنت کی مستحق ہو گئی۔ دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اس طرح ہے:

"والذی نفسی بیدہ ما من رجل یدعو امرأته الی فراشه فتابی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطا علیها حتی یرضی عنها"

(مشکوۃ، باب عشرۃ النساء ص 280)

آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب بھی کوئی شخص اپنی زوجہ کو بستر پر طلب کرے تو وہ انکار کر دے تو اس کا خاوند جب تک اس پر راضی نہ ہو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس سے ناراض رہتا ہے۔

خیال رہے حدیث شریف میں لفظ استعمال ہوئے ہیں [الذی فی السماء] جس کا معنی ہے وہ ذات جو آسمانوں میں ہے، یعنی آسمانوں والا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ آسمانوں میں تو نہیں رہتا؟

اس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا امر، حکم ملک، بادشاہی آسمانوں میں بھی اسی طرح ہے آسمانوں کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا ہے کہ دنیا والوں کی عارضی بادشاہتیں صرف زمین میں ہیں، آسمانوں میں نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس کی حقیقی بادشاہی زمین و آسمان میں یکساں ہے۔ [1]

خاوند پر بھی لازم ہے کہ زوجہ سے نرم سلوک رکھے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع اعوج وان اعوج شیء فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء"

(بخاری، مسلم بحوالہ مشکوۃ، ص 280)

"عورتوں سے نرم سلوک رکھو! بے شک وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ بے شک پسلی کا ٹیڑھا پن جو اوپر کی جانب اٹھا ہوا ہے، اگر تم سیدھا کرنا شروع کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر تم اسی طرح چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں سے اچھا سلوک رکھو۔"

حدیث شریف میں لفظ [استوصوا] استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے عورتوں کے حق میں اپنے نفسوں سے اچھی نصیحت طلب کرو۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے معنی بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں عورتوں کے حق میں بہتر نصیحت کرتا ہوں، ان کے حق میں میری نصیحت قبول کرو۔ مقصود تمام معانی کا ایک ہی ہے کہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک رکھو۔ ان کے سیدھا ہونے کی امید بالکل نہ رکھو۔ ان کے ٹیڑھا ہونے کے باوجود ان کو اپنے پاس ثابت رکھو۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 6 ص 267

عورتوں کا پسلی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے عورتوں میں پیدائشی طور پر ٹیڑھا پن رکھ دیا گیا ہے۔ پیدائشی نقص کو درست کرنا ممکن نہیں، اس لئے ان کو سیدھا کرنا ممکن نہیں سیدھا ہونے کی امیدیں ختم کرلی جائیں۔ ان سے نرم سلوک رکھ کر ہی ان کو اپنا بنایا جائے۔ جب تک وہ کسی شرعی برائی کا ارتکاب نہ کریں اس وقت تک ان کی معمولی خطائیں برداشت کرکے ہی ان کو اپنے قریب لایا جاسکتا ہے۔

عورت کی یہی کمزوری ہے وہ اپنی ہر بات کو صحیح سمجھتی ہے، خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے کی صحیح بات کو بھی غلط کہے گی۔ ساس بہو کے جھگڑوں کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

تعجب اس پر ہے کہ ساس جو باتیں اپنی بیٹیوں کی برداشت کرلیتی ہے وہی بہو کی برداشت نہیں کرتی۔ جو کام بیٹیوں کے صحیح سمجھتی ہے، وہی کام بہو کرے تو کیڑے نکالنے شروع کرتی ہے۔ اسی طرح بہو کو دیکھیں: جو باتیں اپنی ماں کی برداشت کرلیتی ہے، وہ ساس کی برداشت نہیں کرتی۔ ماں کے ہر کام کو سراہتی ہے، ساس کے ہر کام کو غلط سمجھتی ہے۔ بہو کو یہ معلوم نہیں ساس میری ماں کی طرح ہے، ساس کو یہ معلوم نہیں کہ بہو میری بیٹی کی طرح ہے۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے اسے ٹیڑھا بنا دیا ہے، اسے سیدھا کرنا تو انسان کی طاقت میں نہیں۔ البتہ اس کا ایک ہی علاج ہے جو میرے پیارے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے بیان فرمادیا کہ اسے سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اسے ٹیڑھا ہی رہنے دو۔ کم عقل سے نرم سلوک رکھ کر، اس پر مہربانی کی نظر کرکے، اس کی غلطیوں کو برداشت کرکے ہی اس سے تعلق کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کا والدہ اور زوجہ دونوں کو خوش رکھنا اور دونوں کے حقوق کی پاسداری کرنا والدہ کی دعائیں لینا، زوجہ سے محبت حاصل کرنا یہ معمولی کام نہیں، بڑے عقل اور صبر کا کام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت کی ایک درخشاں مثال:

"عن عائشة انها كانت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر قالت فسابقته فسبقته على رجلي فلما حملت اللحم سابقته فسبقني قال هذه بتلك السبقة"

(ابوداؤد مشکوۃ باب عشرۃ النساء، ص 281)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اور آپ نے پیدل دوڑ میں مقابلہ کیا۔ میں آپ سے دوڑ میں سبقت لے گئی۔ پھر (کچھ عرصہ بعد) جب مجھ پر موٹاپا آگیا پھر ہم نے (پیدل دوڑ میں) مقابلہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غالب آگئے۔ آپ نے فرمایا: یہ دوڑ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔"

یعنی پہلے تم غالب آگئی تھی، اب میں غالب آگیا اس طرح بدلہ اتر گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی تعلیم کے لئے ....تا کہ وہ میری اقتداء کریں .... اپنی بیویوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ ان پر نرمی، مہربانیاں کیں۔ یہ دوڑ کا

مقابلہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت پر دلیل ہے۔

مسئلہ:

علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ چار چیزوں میں مقابلہ جائز ہے۔

﴿۱﴾ اونٹوں کی دوڑ میں ﴿۲﴾ گھوڑوں کی دوڑ میں ﴿۳﴾ پیدل دوڑ میں ﴿۴﴾ تیراندازی میں

لیکن اس میں شرط دونوں طرف سے نہ ہو، اگر دونوں طرف سے شرط ہوگی تو حرام ہوگا۔ جیسے یہ کہا جائے تو غالب ہو گیا تو میں اتنے پیسے دوں گا اور اگر میں غالب ہوگیا تو تجھے پیسے دینے لازم ہوں گے۔............ یہ حرام ہے۔........... اگر شرط ایک طرف سے ہو تو جائز ہے جیسے ایک شخص کہے: چلو! دوڑ میں مقابلہ کرتے ہیں، اگر تم غالب آگئے تو میں تمہیں انعام دوں گا۔........... یہ جائز ہے.......... اسی طرح کوئی تیسرا شخص مقابلہ کرائے اور کہے: جو تم سے غالب آئے گا تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔............ یہ صورت بھی جائز ہے۔❶

تمام اہل وعیال سے بہتر سلوک رکھا جائے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ" (ترمذی، دارمی، مشکوۃ باب عشرۃ النساء، ص 281)

"تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی اہل سے بہتر سلوک رکھے، تم تمام سے زیادہ میں اپنی اہل سے اچھا سلوک رکھتا ہوں۔ جب تمہارا کوئی صاحب فوت ہوجائے تو اسے چھوڑ دو"

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

﴿۱﴾: یہ حدیث پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم سے ہے۔ یعنی آپ کے کلام کے الفاظ سے کم اور مطالب بہت زیادہ ہوتے۔ حدیث پاک میں حسن معاشرت کا سبق دیا گیا ہے کہ انسان کو اچھے اخلاق کا مالک ہونا چاہیے، اہل سے مراد عام ہے جو بیویوں اور قریبی رشتہ داروں بلکہ اپنے زمانے کے دوسرے اجنبی مسلمانوں کو بھی شامل ہے، اب معنی یہ ہوگا: کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہوگا جو اپنی بیویوں اور قریبی رشتہ داروں اور دوسرے تمام مسلمانوں سے اچھا سلوک رکھے گا۔ کیونکہ میں تم تمام سے بڑھ کر اپنی بیویوں اور اپنے رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں سے اچھا سلوک رکھتا ہوں۔

﴿۲﴾: اس حدیث پاک سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا "خلق عظیم" واضح ہوا کہ آپ کے اخلاق کریمہ جب تمام سے بڑھ کر ہیں تو آپ کا حسن سلوک بھی تمام سے زیادہ ہونا ہے۔

﴿۳﴾: حدیث پاک میں [فدعوہ] اسے چھوڑ دو یعنی تم میں سے جب کوئی فوت ہوجائے تو اسے چھوڑ دو۔ اس کا ایک مطلب

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 6 ص 271

یہ ہے کہ اس کی برائیوں کا ذکر کرنا چھوڑ دو کیونکہ کسی فوت شدہ آدمی کی برائیوں کا ذکر نہ کرنا بھی ایک اچھے معاملہ اخلاق میں داخل ہے۔اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ لوگوں اور فوت شدہ لوگوں سے اچھا سلوک اور اچھا معاملہ رکھنے کا حکم دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث پاک اس پر دلالت کر رہی ہے۔[اذکروا موتاکم بالخیر] اپنے فوت شدہ بھائیوں کو اچھے طریقہ سے یاد کرو۔یعنی ان کی اچھائیوں کا ہی تذکرہ کرو اور اس کا معنی مراد لیا جائے، اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے پر چھوڑ دو۔ نیک لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اجر ہے۔

۴: بعض حضرات نے حدیث پاک سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لی ہے یعنی حدیث پاک کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب میں دنیا سے پردہ کر جاؤں تو مجھے ایذاء پہچانا چھوڑ دو یعنی میری اولاد اور اہل وعیال صحابہ کرام اور میری امت کے نیک لوگوں کی شان میں گستاخیاں کر کے مجھے ایذاء نہ پہچانا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء یعنی تکلیف پہنچانا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہچانا ہے۔اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینے سے انسان اس کے عذاب کی پکڑ میں آ جاتا ہے۔[1]

زوجہ کو مارنا اور گالی دینا منع ہے:

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا کتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت "

"جب تم کوئی چیز کھاؤ تو زوجہ کو بھی کھلاؤ، اور جب تم کوئی لباس پہنو تو زوجہ کو بھی پہناؤ۔ان کے چہرہ پر (طمانچے) نہ مارو اور ان کو برا نہ کہو اور ان کو گھروں میں چھوڑ کر تم خود کہیں اور نہ چلے جاؤ۔"

(مسند احمد ابوداؤد، ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ باب عشرۃ النساء، 271)

انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اپنی زوجہ کو کھانے، پینے کی اشیاء فراہم کرے اور لباس عطا کرے۔حسنِ اخلاق کا مظاہرہ یہی ہے کہ جیسا طعام خود کھائے ایسا ہی زوجہ کو کھلائے اور جیسا لباس خود پہنے ایسا ہی زوجہ کو بھی پہنائے۔انسانی مروّت کے یہ خلاف ہے کہ خود ہوٹلوں پر بیٹھ کر اعلیٰ قسم کے کھانے کھا کر آ جائے، فاخرانہ لباس پہنے اور زوجہ کو پوچھے ہی نہیں۔

"چہرہ پر مارنے" کا ذکر آپ نے فرمایا کیونکہ چہرہ تمام اعضاء میں اشرف واعلیٰ اور برگزیدہ ہے۔بغیر عذر کے مارنا تو مطلقاً منع ہے البتہ عذر پر چہرہ کے بغیر اور اعضاء پر ہلکا پھلکا مارنا لیکن چہرہ پر مارنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کہیں ایسی ضرب نہ لگ جائے جس سے اس کا حسن جمال ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے۔اس لئے چہرہ پر مارنے سے

1- مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 6 ص 271

اجتناب کرے۔[1]

چند عذر جن کی وجہ سے مارنا جائز ہے:

(1): جب خاوند چاہے کہ عورت زیب وزینت کرے تا کہ زیب وزینت سے خوبصورت نظر آئے تو خاوند کی نظر کسی دوسری پر نہ جھکے تو ایسی صورت میں عورت اپنے خاوند کے کہنے پر عمل نہ کرے تو خاوند کو مارنا جائز ہے لیکن ایسی زیب وزینت کا مطالبہ ہو جو شرعاً جائز ہو۔

آج کل انگریز کے غلام چاہتے ہیں کہ جب ان کے دوست آئیں تو ان کی بیگمات آدھا سینہ ننگا کر کے بازو کندھے تک ننگے کر کے سر سے دوپٹہ اتار کر انہیں چائے پلائیں تا کہ وہ بھی نظارہ کریں اور کہیں تمہاری بیگم تو یار بڑی خوبصورت، سفید اور نرم ونازک اندام والی ہے۔ شریعت نے ایسے لوگوں کو دیوث، بے حیاء، بے غیرت کہا لیکن ماڈرن لوگ اس پر فخر کرتے ہیں ۔خاوند کی ایسی خواہش کو زوجہ ٹھکرا کر غیرتِ ایمانی کا ثبوت دے، شریعت کے خلاف حکم ماننا جائز ہی نہیں۔

(2): عورت پاک ہو، کوئی عذر شرعی نہ ہو، مریضہ نہ ہو، پھر خاوند کی طلب پر اس کے پاس نہ جائے تو خاوند کو حق ہے۔

(3): بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھتی ہو یا جنابت اور حیض کا غسل نہ کرے۔ اس صورت میں خاوند کو مارنے کا حق حاصل ہے لیکن امام محمد کے نزدیک اس صورت میں بھی مارنا منع ہے۔

(4): خاوند کی اجازت کے بغیر وہ گھر سے باہر نکل جائے۔ بازاروں، گلیوں، سیر گاہوں میں چل پھر کر نظارہ کراتی پھرے، تو عورت کی اس حرکت پر خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی سرزنش کرے، تا کہ وہ آئندہ اس سے باز آ جائے۔

حدیث شریف میں لفظ "ولا تقبح" استعمال ہوا، اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے فحش کلامی نہ کرو، گالی نہ دو۔ ان کے لئے شکل کے بدصورت ہونے کی بد دعا نہ کرو، وہ عورتیں کتنی ہی عقلمند ہوتی ہیں جو اپنے خاوند کے غصہ کو پیار سے ٹھنڈا کرتی ہیں۔ خاوند کو بدکلامی کا موقع ہی نہیں دیتیں لیکن اس کے خلاف بعض عورتیں اپنی کم عقلی سے خاوند کے غصہ کو بڑھاتی چلی جاتی ہیں ۔ان کی زبان ان کے اختیار میں نہیں ہوتی، وہ بے مقصد بولتی چلی جاتی ہیں اور خاوند بھی بکواس کرنے میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

"ولا تهجر الا فی البیت" اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر خود ادھر ادھر نہ گھومتے پھرو، وہ مجامعت کیلئے بے تاب رہیں۔ ہاں! اگر انسان گھر ہی ہو تو ہر دن مجامعت ضروری نہیں۔ باہر کہیں ہو تو تین ماہ بعد واپس آنا چاہیے۔[2]

"تبلیغ" کے نام پر گھر سے باہر سال سال گذار دینا اور عورتوں کو نہ پوچھنا اور کہنا کہ ہم اللہ کی رضاء کے لئے گئے تھے ۔یہ کون سا دین ہے؟ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

○○○○

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 6 ص 273   2۔ المرجع السابق

راستہ میں بیٹھ کر دوسروں کو ایذاء پہنچانے والوں کا حال:

نبی کریم ﷺ کا معراج کی رات ایسی قوم پر گذر ہوا جن کو عام راستے پر سولی لٹکایا جا رہا ہے اور سولیاں ایسے کانٹے رکھتی ہیں۔ جو راہ گزر لوگوں کے جسم اور کپڑوں کو نوچ لیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو تکلیف دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۃ اعراف ۸:۱۸)

"تم راستہ پر اس طرح نہ بیٹھو کہ لوگوں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکو۔" [1]

شانِ نزول:

اگرچہ اس آیۂ کریمہ کا نزول تو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متعلق ہوا ہے (کیونکہ وہ راستہ پر بیٹھ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے والوں کو روکتے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے عقائد اور دین کی مذمت بیان کر کے لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈال کر ان سے پھیرنے کی کوشش کرتے۔ اور کئی لوگوں کو اس طرح روکنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے کی ضد کرتا تو پھر بزور بازو اس کو روکتے۔ جھگڑا وفساد برپا کر کے ڈنڈے کے زور سے روکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مذمت فرمائی اور انہیں منع کیا کہ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے نہ روکو) لیکن حکم عام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگ جو راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان کو بھی اسی طرح منع کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اسی سرزنش کے مستحق ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ایاکم والجلوس فی الطرقات قالوا یا رسول اللہ ﷺ ما لنا بد من مجالسنا نتحدث فیھا قال رسول اللہ ﷺ فاذا ابیتم الا المجلس فاعطوا الطریق حقه قالوا وما حقه قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنھی عن المنکر"

(مسلم، باب النہی عن الجلوس فی الطرقات، ص204)

"تم اپنے آپ کو راستے میں بیٹھنے سے بچا کر رکھو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بعض اوقات راستے میں بیٹھ کر کلام کرنا ہماری مجبوری ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہیں ضرور بیٹھنا ہی پڑھے تو راستے کو اس کا حق دے دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نظر کو جھکا کر رکھنا، کسی کو ایذاء پہنچانے سے رکے رہنا، سلام کا جواب دینا، اچھے کام کا حکم دینا، برے کاموں سے منع کرنا، یہ راستے کے حقوق ہیں۔"

1۔ تفسیر درمنثور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج4 ص24

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

راستے میں بیٹھنے سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرے۔ بغیر کسی عذر اور مجبوری کے راستہ میں نہ بیٹھے۔ لوگوں کی غیبت کرنے سے باز رہے کیونکہ کسی کو غیبت کرنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور راستے میں بیٹھ کر کسی کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح راستے میں بیٹھ کر کسی پر برے گمان کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے بھی کسی کو تکلیف پہنچانا لازم آتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ گذرنے والوں کو حقیر سمجھنا بھی منع ہے۔ اس سے بھی دوسروں کو ایذء ہوتی ہے اور ایذاء دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح راستہ کو تنگ نہ کرے ایسے لوگوں کا راستہ پر بیٹھنا منع جن سے دوسرے لوگ گذرنے والے ڈرتے ہوں۔ ان کا رعب ان پر طاری ہو۔ ان لوگوں کو گذرنے کے لئے اور کوئی راستہ بھی نہ ملے اور ان کے بیٹھنے کی وجہ ان کے کاموں میں بھی رکاوٹ پڑے۔ (1)

OOOOO

ماں باپ کے نافرمان:

نبی کریم ﷺ کا شب معراج ایک قوم پر گذر ہوا، جو آگ کے جنگل میں قید تھے۔ آگ میں ایک مرتبہ جل جاتے، پھر ان کو درست کر دیا جاتا، پھر ان کو جلا دیا جاتا، اس طرح یہ سلسلہ جاری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیل نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو ماں باپ کے نافرمان تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا (23) وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا (24)

(سورہ بنی اسرائیل 3:15)

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف (ہوں) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لئے عاجزی کا باوز بچھا نرم دلی سے اور عرض کر: اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1۔ صحیح مسلم شریف، ج2، ص204

”من اصبح مسخط لابویه اصبح له بابان مفتوحان الی النار ومن امسی مثل ذالك“

جس شخص نے ماں باپ کو صبح صبح ناراض کیا اس شخص کے لئے صبح صبح ہی دوزخ کے دو دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جس شخص نے شام کو ناراض کیا، شام کو اسی طرح اس کے لئے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج2، ص376)

”ان الجنة توجه ریحها مسیرة خمس مائة عام ولا یوجد ریحها عاق ولا قاطع رحم“

”بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کے راستہ سے آجاتی ہے لیکن ماں باپ کا نافرمان اور قطع رحمی کرنے والا اس خوشبو سے محروم رہے گا۔“

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج2، ص376)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ان الله حرم علیکم عقوق الامهات] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر والدین کی نافرمانی کرنا حرام کر دیا ہے۔“ [1]

خیال رہے کہ حدیث شریف میں صرف امہات (ماؤں) کا ذکر ہے لیکن مراد ماں باپ دونوں ہیں۔ صرف ماں کا ذکر اہتمام شان اور ان کے ضعف کے پیش نظر کیا ہے۔ اور وجہ بھی ہے کہ عربی گرائمر کا قانون ہے کہ بعض اوقات دو چیزوں میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن مراد دونوں ہوتی ہیں۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں صرف ماں کی نافرمانی کا ذکر نہیں بلکہ ماں باپ دونوں کی نافرمانی یعنی ان کو کسی طرح بھی قول اور فعل سے ایذاء پہنچانا حرام ہے۔ صرف ایک کے ذکر سے دوسرے پر بھی تنبیہ کر دی گئی، جس طرح شفقت و مہربانی کے لحاظ سے ماں کا حق مقدم ہے اسی طرح اطاعت، اچھی رائے کا احترام کرنا، اس کے حکم کو جاری کرنا اور ادب قبول کرنے میں باپ کا حق بھی مقدم ہے۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رغم انفه رغم انفه رغم انفه قیل من یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرك والدیه عند الکبر احدهما او کلاهما ثم لم یدخل الجنة“

”اس شخص کا ناک خاک آلودہ ہو جائے (ذلیل ہو جائے) اس شخص کا ناک خاک آلودہ ہو جائے اس شخص کا ناک خاک آلودہ ہو جائے۔ عرض کیا گیا: کس کا یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے والدین میں ایک کو یا دونوں کو بوڑھا پایا لیکن جنت میں داخل نہ ہو سکا۔“

(مسلم، مشکوٰۃ باب البر والصلۃ، ص418)

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2 ص419

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج9 ص192

یعنی والدین کی بڑھاپے میں خدمت نہ کی، ان کو خرچ نہ دیا تو اس طرح ماں باپ کی خدمت کی دوری سے جنت سے محروم ہو گیا یہ اس کیلئے خسارہ اور ذلت کا سبب ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چادر بچھانا:

حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے (یوم حنین میں) جعرانہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ اسی دوران ایک عورت آئی، یہاں تک کہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچی "فبسط لها رداء فجلست عليه" "تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اپنی چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھی، تو میں نے کہا: یہ کون ہے؟ مجھے لوگوں نے بتایا" "هی امه التی ارضعته" "یہ آپ کی رضاعی ماں ہے جس نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔"[1]

حدیث پاک سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حقوق قدیمہ کی رعایت اور صحبت سابقہ کی وجہ سے عزت کرنا لازم ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت جلد دوم میں بیان فرماتے ہیں کہ (مدینہ طیبہ کے قبرستان) بقیع میں ان کا (یعنی حلیمہ سعدیہ کا) چھوٹا سا قبہ تھا۔ جسے قبہ حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی لوگوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے۔[2]

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بعد یعنی آپ کا ان کی قبر پر صرف زیارت کی غرض سے تشریف لے جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات کا ارشاد راجح اور قوی ہے جو حلیمہ سعدیہ کے ایمان کے قائل ہیں۔ میں اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہا" تحریر کرتا ہوں۔ کیونکہ حلیمہ سعدیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت کمالات آپ کے بچپن میں ہی دیکھے ہوئے تھے جن کی وجہ سے آپ کے ایمان لانے والے قول کو ہی تائید ملتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ماں باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے:

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک جاہمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ سے مشورہ طلب کرلوں (یعنی آپ سے اجازت لے لوں) نے فرمایا:

"هل لك من ام قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجلها" "کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: والدہ کے پاس ہی رہو، بے شک

1۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ، ج2، ص359 .... مشکوۃ المصابیح، ج2 باب البر والصلۃ ص420

2۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج2 ص494

(رواہ احمد ونسائی والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ باب البر والصلۃ 421) جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔"

طبرانی میں اسناد جید کے ساتھ اسی روایت کے ساتھ ان الفاظ مبارکہ سے ذکر کیا گیا ہے:

"اتیت النبی ﷺ استشیرہ فی الجهاد فقال النبی ﷺ الك والدان ؟ قلت نعم قال الزمهما فان الجنة تحت ارجلهما"

"(روای کہتے ہیں) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ سے جہاد میں جانے کا مشورہ طلب کرلوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا: تم ان کے پاس ہی رہو بے شک جنت ان دونوں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

جامع الخطیب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [الجنة تحت اقدام الامهات] جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ بعض روایت میں صرف ماں کا ذکر ہے اور طبرانی کی روایت میں ماں، باپ دونوں کا ذکر ہے۔ دونوں روایات سے مسئلہ یہ حاصل ہوا [ان خدمة الوالد ایضا سبب لدخول الجنة بلا مرية] بے شک باپ کی خدمت بھی بلاشک وشبہ جنت کا سبب ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث پاک زیادہ وضاحت کر رہی ہے۔ جس میں ماں باپ دونوں کا ذکر ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ [یا رسول اللہ ﷺ ما حق الوالدین علی ولدهما قال هما جنتك و نارك] یارسول اللہ ﷺ اولاد پر والدین کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دونوں تمہارے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی یعنی والدین کا حق یہ ہے کہ ان کو راضی رکھا جائے، یہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور ان کو ناراض رکھنے سے انسان نے دوزخ میں داخل ہونے کا اپنے آپ کو مستحق ٹھہرایا ہے۔

علامہ طیبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حکیمانہ انداز پر مختصر جواب دیا جو اپنے معانی کے لحاظ سے وسعت پر مشتمل ہے۔ یعنی اس مختصر جواب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ماں، باپ کا حق یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری کی جائے۔ ان سے احسان کیا جائے، ان کی نافرمانی کو چھوڑا جائے، یہ جنت کے سبب ہیں اور اگر ان کی فرمان برداری نہ کی جائے اور ان کے ساتھ احسان نہ کیا جائے اور ان کی نافرمانی کو نہ چھوڑا جائے تو یہ جہنم میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

بعض روایات میں جو صرف ماں کا ذکر ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں کی خدمت زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ اپنے ضعف کی وجہ سے زیادہ محتاج ہے۔ لہٰذا وہ خدمت کی زیادہ مستحق ہے۔

خیال رہے کہ ان احادیث میں والدین کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے لیکن دوسری حدیث میں بیان کیا ہے [انها (الجنة) تحت ظلال السیوف] بے شک جنت تلواروں کے

سایہ میں ہے۔

"تطبیق" (مطابقت اور موافقت) ان میں اس طرح ہوگی کہ جب اور لوگ جہاد کے لئے کافی ہوں اور کسی شخص کے والدین خدمت کے محتاج ہوں تو اس وقت والدین کے خدمت جہاد سے افضل ہے۔ جب کفار کی یلغار ہو چند حضرات سے دفاع ممکن نہ ہو تو جہاد میں حاضر ہونا فرض ہوگا۔ اس وقت جہاد افضل ہوگا بنسبت والدین کی خدمت کے۔ [1]

کسی کے والدین کو گالی دینا در حقیقت اپنے والدین کو گالی دینا ہے:

حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من الكبائر شتم الرجل والديه قالوا يا رسول الله وهل يشتم الرجل والديه قال نعم يسب ابا الرجل فيسب اباه ويسب امه فيسب امه"

(بخاری، مشکوۃ باب البر والصلۃ)

"کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی شخص ایسا بھی ہے جو والدین کو گالی دیتا ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں! کسی شخص کے باپ کو گالی دینا حقیقت میں اپنے باپ کو گالی دینا ہے اور کسی شخص کی ماں کو گالی دینا حقیقت میں اپنی ماں گالی دینا ہے۔"

باپ کی طرح نیکی کرنے سے انکار کرنے والی اولاد:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی پ ۲۹ ع ۳ میں ہے:

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا

ہم نے انہیں جانچا جیسا اس باغ والوں کو جانچا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی کہ ضرور صبح ہوتے اس کے کھیت کاٹ لیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا، تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری کرنے والا پھیرا کر گیا اور سوتے تھے تو صبح رہ گیا جیسے پھل ٹوٹا ہوا۔ پھر انہوں نے صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا کہ تڑکے اپنی کھیتی کو چلو اگر تمہیں کاٹنی ہے۔ تو چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے کہ ہرگز آج کوئی مسکین تمہارے باغ میں آنے نہ پائے اور تڑکے چلے اپنے اس ارادہ پر قدرت سمجھتے ہوئے، ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا: کیا

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9 ص 208

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

(سورة ن 3:29)

میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ بولے: پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہم ظالم تھے، اب ایک دوسرے کی طرف ملامت کرتے ہوئے بولے: ہائے! خرابی ہماری بے شک ہم سرکش تھے امید ہے ہمیں ہمارا رب اس سے بہتر بدل دے۔ ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

اہم وضاحت:

رؤسائے قریش اور سردارانِ مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے، صاحبِ اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے، ہمارے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول کرتے ہیں لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اترے، اس امتحان میں ناکام ہوئے۔ انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا، ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے، ہمارے کلام کو اساطیر الاولین (یہ تو پہلے لوگوں کے فساد ہیں) کہا۔ ان سے پہلے بھی کئی لوگ گذرے ہیں۔

جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی جیسے ہم نے قریش مکہ کی قحط سالی سے آزمائش کی۔ پہلے انعامات عطا کئے، پھر قحط سالی مسلط کی یہاں تک کہ وہ کفار مردار تک کھا گئے۔ اسی طرح پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی تھی لیکن وہ بھی ناکام ہوئے تھے، یعنی ان کو بھی نعمتیں عطا کر کے یکا یک سلب کر لیں تھیں، جیسے اس مذکورہ واقعہ سے واضح ہے۔

مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے زمین میں باغ لگا رکھا تھا۔ وہ اس باغ سے بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو گیا، اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے، وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں مال بافراط (بہت زیادہ) تھا اور اخراجات برائے نام تھے۔ اب ہم تین ہیں، ہمارا کثیر بال بچہ ہے، اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں، آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات وصدقات کا جو دروازہ ہمارے والد صاحب نے کھول رکھا تھا، اسے بند کر دیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے ورنہ افلاس وغربت کی دلدل میں پھنس جاؤ گے۔

ایک دفعہ ان کے باغ پک کر تیار ہو گیا، انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے۔ انہوں نے انشاء اللہ کہنا بھی گوارہ نہ کیا، جن کی آنکھ پہلے کھلی، انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے

کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں، مفت میں جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں، اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے۔

جب باغ قریب پہنچے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی پھدی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دیئے، جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔ پہلے کچھ ٹھٹکے، خیال گزرا ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے! ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہمارا باغ برباد ہو گیا، ان میں سے جو قدرے سیانا تھا، اس نے کہا: میں تو بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی حمد و تسبیح کرو، اس کے نہ مانی۔ اب چکھو! اپنے کیے کا مزہ، اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا آخر کار ان سب نے اعتراف کیا کہ ہم سے خطاء ہوئی اور ہم حد سے متجاوز ہو گئے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر نہ کیا اور باپ دادا کے نیک طریقہ کو چھوڑا۔ اب ہم اس کے عفو و کرم کی امید رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے صدق و اخلاص سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے عوض اس سے بہتر باغ عطا فرمایا۔ جس کا نام "حیوان" تھا۔ پہلے ان کا باغ برباد ہو گیا تھا اس کا نام "ضروان" تھا۔ [1]

اس واقعہ سے حاصل ہونے والے فوائد:

(1): باپ دادا کی نیکی کی راہ کو چھوڑ کر مادیت پرستی نقصان کا سبب ہے۔

(2): آنے والے وقعہ کے متعلق کہنا کہ میں یہ کروں گا، انشاء اللہ نہ کہنا خسارہ کا ذریعہ ہے۔

(3): صدقہ و خیرات سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مال میں اپنے فضل سے زیادتی کرتا ہے۔

(4): اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرنے سے مال میں زوال اور تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

(5): اپنے عقل پر ناز کرنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرنا، انسان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

(6): قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے، اس کا ایسا عذاب آتا ہے جو انسان کے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

(7): انسان جب غلطی کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرماتا ہے اور اسے اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے۔

(8): بندہ جب بار بار اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو کہتا ہے: اے میرے فرشتو! گواہ بن جاؤ، میں اپنے بندے کے قصور معاف کر رہا ہوں کیونکہ میرا بندہ میری طرف رجوع کر رہا ہے۔ اس کا میرے بغیر کوئی نہیں، اس لئے مجھے اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ وہ بار بار مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف نہ کروں۔

1۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ .... تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 5، ص 335

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کرم بیں ولطف خداوندگار　　گناہ بندہ کردست واوشرمسار [1]

اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم دیکھ کہ گناہ بندہ کرتا ہے اور شرم اسے آتی ہے۔

جب فوائد میں یہ بات حاصل ہوئی کہ صدقہ وخیرات سے برکت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے، اس پر ایک حدیث شریف کی طرف توجہ فرمائیں کہ رب تعالیٰ کیسے بندے پر مہربانی فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک جنگل میں تھا کہ اس نے ایک آواز سنی کہ بادل کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تو فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر، اس بادل نے اس طرف کا ارادہ کیا۔ ایک سیاہ سنگ ریزوں والی زمین پر جا کر وہ برسا۔ یہاں تک کہ پانی کی نالیوں میں سے ایک نالی پانی سے بھر گئی۔ پانی اس کا بہنے لگا۔ وہ آواز سننے والا شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا کہ یہ پانی کہاں جاتا ہے؟ پس اس شخص نے ایک شخص کو باغ میں کھڑا دیکھا۔ جو اپنی کندال سے پانی کا رخ اپنے باغ کی طرف پھیر رہا ہے۔ پانی کے ساتھ چلنے والے شخص نے اس سے پوچھا کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتایا، وہی نام تھا جو اس شخص نے بادل سے سنا تھا۔ اب اس شخص نے کہا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے بادل سے جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ وہ نام (میں نے سنا تھا) تمہارا ہی تھا۔ اس میں تم کیا کرتے ہو (یعنی اس باغ کو سیراب کرنے کا بادل کو حکم ملنے کی وجہ کیا ہے) اس شخص نے کہا: جب تم نے پوچھا ہی ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس باغ کی پیداوار یعنی آمدنی کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ (غرباء و مساکین، بیوہ، یتیموں پر) صدقہ کر دیتا ہوں۔ اور ایک حصہ میں اور میرے اہل وعیال کھا لیتے ہیں اور ایک حصہ اس باغ پر ہی خرچ کر دیتا ہوں۔ [2]

حدیث پاک سے فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا اسی کی رحمت کا سبب ہے۔ جس سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ" (مسلم شریف ج2 کتاب الزہد، ص411)

"بیوہ کی امداد کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔"

1۔ گلستان، شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ، ص

2۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج2 کتاب الزہد، ص411

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند فرمایا۔ ان کو مسجد کا پہلے حال میں رہنا پسند تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی مسجد لله بنی الله له فی الجنة مثله" "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا' آپ نے فرمایا کہ جس شخص اللہ کی رضاء کی خاطر مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔"

(مسلم شریف ج 2 کتاب الزہد، ص 411)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا خواہ اس کا اپنا ہو یا غیر اس طرح جنت میں ہوں گے یعنی یتیم کی کفالت کرنے والا خواہ اس کا دادا ہو یا ماں، دادی، نانی ہو یا بہن ہو یا بھائی چچا ہو یا ماموں، پھوپھی ہو یا خالہ یا اور کوئی رشتہ دار ہو، خواہ کوئی اجنبی ہی ہو، اس شخص کو جنت میں میرا قرب حاصل ہوگا۔ [1]

OOOOO

امانت میں خیانت کرنے والوں کا حال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی رات ایسے لوگوں پر گذر ہو کہ جنہوں نے اپنی پیٹھوں پر بہت سا بوجھ اٹھا رکھا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ بوجھ کی وجہ سے ہلنے جلنے کی طاقت نہیں رکھتے، مگر پھر بھی وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہاں اور بوجھ ہماری پیٹھ پر رکھ دو، اس طرح ان کے لئے کہنے پر اور بوجھ رکھ دیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ لوگ ہیں جو امانت میں خیانت کرتے تھے، پہلے بھی ان کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہوتے لیکن پھر یہ اپنے ذمہ اور حقوق لوگوں کے لئے لیتے یعنی کسی کا حق بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ] "اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں۔" [2]

اگر چہ آیت کریمہ کا نزول ایک خاص واقعہ پر ہوا لیکن حکم عام ہے، ہر قسم کی امانت میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرائض کو چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ سے خیانت کرنا ہے اور سنت کا ترک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

شان نزول:

یہ آیت کریمہ ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری کے حق میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج 2 ص 422 2۔ معارج النبوۃ، علامہ معین کاشفی رحمہ اللہ، ج 3 ص 134

قریظہ کا دو ہفتے سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ فرمایا، وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے اور ان کے دل خائف ہو گئے، تو ان سے ان کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا: اب تین صورتیں ہیں: یا تو اس شخص یعنی سید عالم ﷺ کی تصدیق کرو، اور ان کی بیعت کر لو کیونکہ قسم بخدا وہ نبی مرسل ہیں یہ ظاہر ہو چکا۔ اور یہ ہی رسول اللہ ﷺ ہیں جن کا ذکر تمہاری کتاب میں ہے، ان پر ایمان لے آئے تو جان، مال، اہل و اولاد سب محفوظ رہیں گئے، مگر اس بات کو قوم نے نہ مانا۔

اب کعب نے دوسری شکل پیش کی اور کہا کہ تم اسے اگر نہیں مانتے تو آؤ! پہلے ہم اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں، پھر تلوار کھینچ کر محمد ﷺ اور اس کے اصحاب کے مقابل آئیں کہ اگر ہم اس مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اہل و اولاد کا غم نہ رہے۔ اس پر قوم نے کہا: اہل و اولاد کے بعد جینا ہی کس کام کا؟ تو کعب نے کہا: یہ بھی منظور نہیں ہے تو سید عالم ﷺ سے صلح کی درخواست کرو، شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے۔ تو انہوں نے حضور ﷺ سے صلح کی درخواست کی لیکن حضور نے منظور نہ فرمایا کہ سوائے اس کے اپنے حق میں سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں۔ اس پر انہوں نے کہا: ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیجئے کیونکہ ابولبابہ سے ان کے تعلقات تھے اور ابولبابہ کا مال اور ان کی اولاد اور ان کے عیال سب بنی قریظہ کے پاس تھے، حضور نے ابولبابہ کو بھیج دیا۔

بنو قریظہ نے ان سے رائے دریافت کی کہ کیا ہم سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیں کہ جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ ابولبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے۔ ابولبابہ کہتے ہیں: میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھ سے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت واقع ہوئی۔ یہ سوچ کر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں تو نہ آئے، سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوا لیا۔ اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گئے یہاں تک کہ مر جائیں گے، یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔

وقتاً فوقتاً ان کی بیوی آ کر انہیں نمازوں کے لئے اور انسانی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیئے جاتے تھے۔ حضور کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا: ابولبابہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا لیکن انہوں نے یہ کیا ہے تو میں انہیں نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی توبہ قبول نہ کرے۔

وہ سات روز بندھے رہے، نہ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ صحابہ نے انہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے کہا: میں خدا کی قسم نہ کھلوں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ مجھے خود نہ کھولیں۔ تو حضور ﷺ نے انہیں اپنے دست مبارک سے کھول دیا۔ (1)

یاد رہے کہ امانت میں خیانت کرنے کو نبی اکرم ﷺ نے "منافقت" کی علامت کہا ہے۔

1۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ، زیر آیت پ 9 ع 17 آیت 27

شراب پینے اور جواء کھیلنے والوں کا انجام:

نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات ایسی قوم کو دیکھا جن کے چہرے کالے اور آنکھیں ان کی نیلی تھیں۔ ان کا نیچے والا ہونٹ پاؤں پر لٹک رہا ہے اور اوپر والا ہونٹ سر کے اوپر جا رہا ہے۔ دوزخ کی آگ، سخت گرم کیا ہوا زرد پانی آگ کے پیالوں میں پلایا جا رہا ہے، یہاں تک کہ پیپ اور خون ان کے منہ سے ٹپک رہا ہے۔ گدھے کی طرح وہ ہینگ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں شراب پیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

(سورۃ المائدہ 2:7)

''اے ایمان والو! یہ شراب جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔'' (1)

شراب اور جوا کی وجہ سے شیطان انسانوں میں بغض و عداوت پیدا کرتا ہے اور نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے کیونکہ شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ سب لوگ مل کر شراب پئیں گے تو آپس میں الفت و محبت پیدا ہوگی، لیکن حقیقت میں شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے، جب عقل زائل ہو جاتی ہے تو شہوت اور غضب کا غلبہ ہو جاتا ہے کیونکہ عقل کی مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ عقل ہو تو قوت شہوانی اور غضبانی کو دور کرتی ہے' جس پر شہوت اور غیظ و غضب کا غلبہ ہو جاتا ہے تو ان لوگوں کے درمیان جھگڑا و فساد شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نتیجتاً مار کٹائی، قتل و غارت، اور دنگا و فساد، گالی گلوچ ہوتا ہے۔ یعنی ابتداً شیطانی وسوسہ کے مطابق الفت و محبت سے ہوتی ہے لیکن انتہاء اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق بغض و عداوت پر مرتب ہوتی ہے۔

شراب:

نماز سے روکتی ہے کیونکہ انسان جب شراب پینے سے لذاتِ نفسانیہ حاصل کر کے نشہ میں مخمور ہو جاتا ہے تو ایسی غفلت اس پر طاری ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ نمازوں اور اللہ کے ذکر سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ''جوا'' بھی انسانوں میں بغض و عداوت پیدا کرتا ہے کیونکہ جوا باز جب غالب آ جاتا ہے تو اس وقت وہ بڑا فیاض نظر آتا ہے کیونکہ مال اس کے ہاتھ میں مفت آتا ہے، اس لیے اسے مال کی قدر نہیں ہوتی۔ کبھی دعوتیں کی جا رہی ہیں، کبھی ادھر مال لٹایا جا رہا ہے، کبھی ادھر پانی کی طرح بہایا

1۔ اخبار القرآن، ص 262

جارہا ہے، پھر جب ہار جاتا ہے تو اس امید پر دوبارہ جوأ کی بازی لگا دیتا ہے کہ اس دفعہ جیت جاؤں گا۔ کبھی کبھی دوسری مرتبہ جیت جاتا ہے، لیکن پھر ہار جاتا ہے۔ اس طرح پھر اسی امید پر شروع کرتا ہے لیکن کئی مرتبہ ہارتا چلا جاتا ہے، مال ختم ہو جاتا ہے۔ اب اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ دوسرے جوأبازوں کو ہارا ہوا مال بھی دے سکے۔ اب ان کا ہاتھ اس کے گریبان اور داڑھی میں پڑتا ہے' بلکہ اس کی اہل وعیال کو بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ کہ جوأباز بعض اوقات اپنی زوجہ کو بھی بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کسی جرم کے مرتکب کو زوجہ بیچتے ہوئے نہیں دیکھو گے لیکن جوأباز اس فعل کا مرتکب نظر آئے گا۔ اب ہارا ہوا جب خود ذلیل ہوتا ہے تو دوسرں سے لڑتا ہے۔ یہ مال دیتا نہیں وہ مانگتے ہیں اور اسے تنگ کرتے ہیں، اسی طرح ان میں بعض وفساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہیں۔ (1)

جوأ:

نماز اور اللہ کے ذکر سے روکتا ہے کیونکہ جب جوأباز غالب ہو جاتا ہے تو اپنی جیت پر بہت خوش ہوتا ہے اس کے نفس پر خوشی کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ جسمانی لذات میں اسی طرح مستغرق (ڈوب جاتا ہے) ہو جاتا ہے کہ اسے نمازوں کا یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کا خیال ہی نہیں رہتا اور جب وہ ہار جاتا ہے تو بہت پریشان ہو جاتا ہے، اسے جہان تاریک نظر آتا ہے۔ اب وہ ڈر کے مارے کہ غالب ہونے والے مجھ سے مال طلب کریں گے، مجھے ذلیل وخوار کریں گے' نمازوں اور اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔

جوأباز لوگوں میں لڑائی، جھوٹی قسمیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دوری پائی جاتی ہے، ان کا رغب ودبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ طاقت ایمانی دور ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جوأ کے زہریلے اثرات ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں، ان کی شان وشوکت کے غبار سے ہوا نکل جاتی ہے۔ جوأ کی برائی کا ایسا اثر ان کے ذہن پر ہوتا ہے کہ ان کی سمجھ جواب دے جاتی ہے۔ ان کی عقل حیرانی وپریشانی میں مبتلاء ہو جاتی ہے، دل کا مردہ ہو جاتا ہے اور ان کا نامۂ اعمال سیاہ ہو جاتا ہے۔ (2)

تنبیہ:

آج کل کے شرابی چاہتے یہ ہیں کہ ہم شراب پیتے بھی رہیں لیکن کوئی یہ بھی نہ کہے کہ شراب حرام ہے۔ اب ان کو یوں کہتے سنا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں شراب کو حرام نہیں کیا گیا ہے کیونکہ شراب کی ممانعت جہاں پائی جاتی ہے، وہاں لفظ ''حرام'' کا ذکر نہیں۔ ایسے عقل کے اندھوں کا آسان جواب تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں پیشاب پینے کو بھی کہیں حرام نہیں کیا گیا لہٰذا

1۔ تفسیر کبیر' امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ' ج 11' ج 2 ص 81

2۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 4' ص 16، انداز اپنا

چاہیے یہ کہ وہ پیشاب بھی پی کر ذرا لوگوں کو تماشا دکھا دیں۔ تاہم پھر بھی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کریمہ سے حرمت ثابت کرنے پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں۔ ان کو دیکھنے، سننے پڑھنے کے بعد کوئی نہ تسلیم کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ابوجہل اور ابو لہب جیسے لوگ براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے انہوں نے یہی تو کہا تھا کہ عقل نہیں مانتا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ شراب کے حرام ہونے پر کئی وجہ سے دلالت کر رہی ہے:

(1) اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے لفظ ''انما'' سے شروع فرمایا، جو عربی گرائمر میں کلمۂ حصر کہلاتا ہے یعنی کسی چیز کو کسی میں بند کرنا ہو تو اس لفظ کو لایا جاتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ یہی چیزیں تو ناپاک اور شیطانی عمل ہیں، جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ناپاک اور شیطانی عمل کہا، وہ کبھی پاک اور رحمانی عمل نہیں ہوسکتی۔ سب پلید چیزیں کئی حلال ہیں اور کئی حرام ہیں۔ جیسے مٹی پاک ہے بلکہ اس سے جب تیمم کیا جائے تو پاک کرتی بھی ہے لیکن مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن کسی پلید چیز کی مثال نہیں دی جاسکتی جو حرام نہ ہو۔ جب شراب ناپاک ہے، حرام بھی یقیناً ہے۔ خیال رہے کہ حرام سمجھتے ہوئے شراب پینا ''گناہ کبیرہ'' ہے لیکن اگر شراب پینے کو حلال بھی سمجھ لیا جائے تو یہ ''کفر'' ہے۔

(2) دوسری وجہ جو شراب کے حرام ہونے پر دلالت کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [فاجتنبوه] اس سے اجتناب کرو! یہ امر ہے، امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا شراب سے اجتناب کرنا واجب ہوگیا، واجب پر عمل نہ کرنا یعنی شراب سے نہ بچنا حرام ہے۔

(3) تیسری وجہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ لفظ ''فلاح'' کا معنی کامیابی ہے، اس کا مد مقابل لفظ ''خيبة'' استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے خسارہ، رسوائی، ذلت۔ انسان کو فلاح حاصل ہوگی اسے رب تعالیٰ کی رضامندی، بخشش، جنت حاصل ہوگی لیکن خیبت یعنی رسوائی اور خسارہ حاصل ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے وہ شخص عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور جہنم کا ایندھن بنے گا سوائے اس کی کسی طرح بخشش ہوجائے۔

اب یہ سمجھا جائے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا [لعلكم تفلحون] یعنی شراب سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ جب کامیابی کی دارومدار اجتناب پر ہے تو اجتناب نہ کرنے سے ''خيبة'' یعنی خسارہ و رسوائی حاصل ہوگی' یہ عذاب بغیر حرام چیز کے حاصل کرنے نہیں ہوگا۔

(4) چوتھی وجہ شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پینے والوں کو بت پرستوں کی طرح کہا ہے، کیونکہ دونوں کو ایک جگہ ذکر کیا ہے اور حکم دونوں کا ایک بیان کیا ہے، تو اس سے کہ جب بت پرستی حرام کام ہے تو شراب نوشی بھی حرام ہے۔

۵ پانچویں وجہ جس سے پتہ چل رہا ہے کہ شراب حرام ہے وہ یہ ہے کہ شراب سے بہت سے دینی و دنیاوی فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو دینی اور دنیاوی مقاصد کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے۔ شراب سے دشمنی اور لوگوں کے درمیان بغض وعناد پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دوری حاصل ہوتی ہے اور نماز ادا کرنے سے وہ شخص اعراض کر لیتا ہے' لہٰذا اتنے مفاسد کا ذریعہ بننے والی چیز والی حرام نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا؟ کاش کہ لوگ دین کا کامل علم حاصل کریں۔

۶ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [فهل انتم منتهون] کیا تم رکنے والے ہو! اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شراب سے پیدا ہونے والی خرابیوں، گناہوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ کیا تم رکنے والے ہو؟ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر تم نے شراب کو حرام سمجھا اور خرابیوں، فسادات، گناہوں کی جڑ سمجھا تو ضرور رکو گے اور اگر تم نے اسے حرام نہ سمجھا تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے ہڑپ کر جاؤ گے یعنی اگر تمہیں میری نصیحت کو تسلیم نہ کیا تو غلط مقاصد نکالتے رہو گے، اور شراب کو حرام نہ سمجھ کر پینے سے صرف گناہ کبیرہ کے مرتکب ہی نہیں ہو گے بلکہ کافر بھی ہو جاؤ گے۔

۷ ساتویں وجہ جس سے پتہ چل رہا ہے کہ شراب حرام ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوائے سے اجتناب کا حکم دینے کے بعد فرمایا: [وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا] "اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور پرہیز کرو" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے سے پرہیز کرو اور حرام نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرنی ہو گی اور ان کے حکم کی مخالفت ہو گی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کا انجام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمایا: [وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ] "اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

۸ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ] "پس اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہی ہے۔" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سخت الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو مان لے شراب اور جوئے کو حرام سمجھ کر اجتناب کر لے تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے سے اعراض کر لے تو اس کے رسول ﷺ کا کام تو اتنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں تک واضح طور پر پہنچا دیں۔ کوئی مانے تو بہتر نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت (پکڑ) بہت سخت ہے۔ [1]

اب ان آٹھ دلائل کے بیان کے بعد بھی کوئی شخص شراب کو حلال سمجھتا رہے تو دلائل اور بیان میں کوئی کمی نہیں ہو گی، البتہ اس شخص کا دل سیاہ ہو گا جو اثر قبول نہیں کر رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی لیکن قوم ایمان نہ لائی تو آخر کار تنگ آ کر ان کے لئے دعاءِ ہلاکت فرمائی۔ علمائے کرام کی تبلیغ کا اثر لوگوں کے سیاہ دلوں کی وجہ سے نہ ہو تو تبلیغ میں کمی

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ ج 11، ج 2 ص 82

نہیں بلکہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما گھروں، ڈش، انٹرنیٹ کے اثرات کے ثمرات ہیں۔

شراب کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے تقویٰ کے پیش نظر فرماتے ہیں:

"لو وقعت قطرة فی بئر فبنیت مکانها منارة لم اؤذن علیها ولو وقعت فی بحر ثم جفّت ونبت فیها الکلاء لم ارعه"

(تفسیر نجوم الفرقان، ج5، ص399)

"اگر شراب کا ایک قطرہ کسی کنویں میں گر جائے اور (اسے بند کر کے) اس کی جگہ ایک منارہ تعمیر کر لیا جائے میں اس پر اذان نہیں دوں گا اور اگر کسی دریا یا سمندر میں شراب کا ایک قطرہ گر جائے پھر وہ خشک ہو جائے اور اس میں گھاس پیدا ہو جائے تو وہ گھاس میں جانوروں کو نہیں چراؤں گا۔"

سبحان اللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تقویٰ کو سمجھنے کے بعد کون سا وہ احمق ہوگا جو شراب کو حلال کہے گا۔ محبتِ علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ پھر شراب بھنگ یا چرس، یہ عقل سے دور ہے۔ محبت کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ محبوب کی اداء کو پسند کیا جائے، اس کی خوبیوں کو اپنایا جائے لیکن افسوس! کہ معاملہ بالکل الٹ نظر آتا ہے، اب تو ارتکابِ جرم کے وقت "محبتِ علی" کے یہ جھوٹے دعویدار آپ کو یاد کرتے ہیں۔

مقام توجہ!!!

میرا اسکول کا ایک ساتھی یعنی کلاس فیلو طالب حسین شاہ آف ملو کال اہل تشیع سے ہے۔ وہ بہت عرصہ بس کا کنڈیکٹر رہا (اب معلوم نہیں کیا کرتا ہے) راولپنڈی سے چکری چلنے والی بسوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ میں خود اکثر طور پر اسے دیکھا کہ رمضان شریف میں بس کے دروازے کے ساتھ لٹکتے ہوئے روزہ توڑنے کے لئے منہ میں کوئی پھل وغیرہ ڈالتے ہوئے کہتا: "جانے یا علی" اسی طرح سگریٹ سے تمبا کو نکال کر اس میں کوئی نشہ آور چیز ملا کر پھر دوبارہ سگریٹ کو تمباکو سے بھر کر کش لگاتے وقت کہتا "جانے یا علی"

خدارا!!! انصاف کیجئے! ایسا شخص بھی محبتِ علی کے دعویٰ میں سچا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو جرم کا ارتکاب ہے، کیونکہ ادھر روزہ توڑنا اور نشہ والی چیز کا استعمال کرنا اسی طرح حرام کام کے ارتکاب کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک نام کا ذکر کر کے ان کی توہین کرنا یہ تو انسانیت سے بھی دور ہونا ہے۔ "بھنگ" کا گھونٹ لگا کر گلاس چڑھا کر، چرس کا کش لگا کر علی، علی کا نعرہ لگانا "نام علی رضی اللہ عنہ" کی گستاخی، شانِ علی کی توہین ہے۔ ایسا شخص "محبِ ابلیس" تو ہو سکتا ہے محبِ علی رضی اللہ عنہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

[یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ] اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر

محمد کرم شاہ الازہری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''عرب میں شراب کا عام رواج تھا، گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے، شراب جوان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ وفساد کی علت ہے، اسلام کے پاکیزہ نظامِ حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا، لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تا کہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں تو اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ ''فیھما اثم کبیر ومنافع للناس'' ان دونوں (شراب اور جوئے) میں بہت بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) لوگوں کے لئے کچھ نفع بھی ہیں کہ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی، ولا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری، کہ نشہ کی حالت نماز نہ پڑھا کرو، یہ آیات اسی آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں اگرچہ شراب کی حرمت کا صراحۃً ان میں ذکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی، حضرت فاروق اعظم بارگاہِ الٰہی میں اسکی قطعی حرمت کے لئے التجائیں کیا کرتے عرض کرتے، اللھم بیّن لنا بیانا شافیا، (اے اللہ ہمارے لئے شراب کا کامل فیصلہ فرما دے) اسی اثناء میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے، تعلیماتِ اسلامیہ قلب وروح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمتِ عالمیان ﷺ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرتے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں، میخوار جمع تھے۔ پیمانے گردش میں تھے، جونہی کان میں ''فھل انتم منتھون'' کی آواز پہنچی، ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے، ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے، جام وسبو توڑ دیئے گئے، مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب انڈیل دی گئی، وہ چیز جو انہیں از حد عزیز تھی، اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش اظہار تک نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی، حضور کی فیض تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت وفرمانبرداری اور اسلام کی انقلاب آفرین قوت کا یہ عدیم النظیر مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ [1]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج 1، ص 507-508

مسئلہ:

نشہ آور اور خشک چیزیں جیسے افیون، بھنگ، چرس وغیرہ نجس نہیں، پاک ہیں تاحدِ نشہ انہیں کھانا حرام ہے۔ اگر نشہ نہ دیں جیسے کہ دواء وغیرہ اطباء استعمال کرائیں تو حرام نہیں۔ بہت سی معجونوں میں افیوں پڑتی ہے اور اطباء بیماروں کو استعمال کراتے ہیں۔ (1)

حکایت:

ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں محفلِ شراب منعقد تھی۔ وزراء، ارکانِ سینٹ، ارکانِ اسمبلی، چمچے، کھڑ پچھے، العوام کالانعام، جیالے، جیالیاں سبھی جوق در جوق اس محفل شراب یعنی "گرینڈ کلچرل شو" میں شریک تھے۔ جام شراب نوش کر رہے تھے، گلاس پہ گلاس چڑھائے جارہے تھے۔ جیالے، جیالیاں بہت مسرور ہورہے تھے، نشہ سے مخمور دنیا سے بے خبر اور خدا سے دور تھے۔

شاہی محل کے باہر ایک مسلمان تھا، جو محفل شراب میں شریک نہیں تھا۔ ایک عیسائی نے اس سے کہا: تم مجھے یہ بتاؤ! کہ تم شراب کیوں پیتے ہو اور خنزیر (سور) کا گوشت نہیں کھاتے حالانکہ تمہاری شریعت میں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی حرام ہیں۔ اس شخص نے کہا: یہ سوال ان سے کرو جو شراب پیتے ہیں، میں تو نہیں پیتا۔

اس عیسائی نے کہا: اس کا جواب میں خود ہی دے دیتا ہوں، اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر خنزیر کا گوشت حرام کر کے اس کی بدلے اور نفیس گوشت بکرے وغیرہ حلال کر دیئے۔ تم نے کہا: چلو! یہاں جب اور نفیس گوشت حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی مان لیتے ہیں۔ خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے، بکرے کا کھالیں گے۔ لیکن شراب حرام کر کے اس کے بدلے تمہیں کوئی ایسا نشہ آور مشروب حلال کر کے نہیں دیا گیا تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تو ہم نہیں مانتے، شراب چھوڑ کر اُور نشہ والی کون سی چیز پئیں گے۔ (2)

OOOOOO

مسلمانوں کا ناحق قتل کرنے والے:

نبی کریم ﷺ کا معراج کی رات ایسی قوم پر گذر ہوا جن کو فرشتے آگ کی چھریوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ ان کے گلے سے سیاہ خون جاری ہوتا ہے، پھر ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے، پھر ذبح کر دیئے جاتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو ناحق

1۔ تفسیر صاوی علی الجلالین، شیخ احمد صاوی ج 1، ص 183   2۔ ماخوذ از تحفۃ الیسین، انداز اپنا

حق قتل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾"
(سورۃ النساء 5:11)

"اور جو قتل کرے کسی مؤمن کو جان کر (ارادۃً) پس سزا اس کی دوزخ ہے بہت رہے گا اس میں اور اللہ کا غضب ہے اس پر اور لعنت کی اس نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بڑا۔" [1]

قاتل کے بارے میں ارشاداتِ نبوی:

مسند احمد اور نسائی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں:

"کل ذنب عسی اللہ تعالیٰ ان یغفرہ الا الرجل یموت کافرا او الرجل یقتل مؤمنا متعمدا"
(روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 3، ص 115)

"اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے) جس گناہ کو معاف کرنے کا ارادہ فرمائے گا اسے معاف کر دے گا لیکن جس شخص کی موت کفر پر آئی یا اس نے کسی مومن کو ناحق قتل کیا ہوگا انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔"

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اعان علی دم امرء مسلم بشطر کلمۃ کتب بین عینیہ یوم القیامۃ آیس من رحمۃ اللہ تعالیٰ"
(روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 3، ص 116)

"جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں (قاتل کی) ایک معمولی سے کلمہ سے بھی امداد کی تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "آیس من رحمۃ اللہ" اللہ کی رحمت سے ناامید۔"

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لزوال الدنیا وما فیہا اھون عند اللہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل سمواتہ و اھل ارضہ اشترکوا فی دم مؤمن لادخلھم اللہ تعالیٰ النار"
(روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 3، ص 116)

"دنیا اور اس کی تمام چیزوں کا زائل ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی ایک مؤمن کے قتل کئے جانے سے خفیف ہے، اگر تمام ہی زمین و آسمان والے کسی ایک مؤمن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو تمام کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کر دے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"اذا توجہ المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار قال فقلت او قیل یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول"

"جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں

1۔ ریاض الازہار، ص 341

قال انه قد اراد قتل صاحبه "

گے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج2 ص389)

حدیث شریف کا مضمون بہت واضح ہے کہ جب مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوں، ناحق ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے تلواریں، کلاشنکوف لے کر آمنے سامنے آجائیں۔ ہر ایک کی خواہش ہو کہ میں اسے قتل کر دوں تو ایسی صورت حال میں قتل کرنے والے اور قتل ہونے والے سبھی دوزخی ہوں گے کیونکہ قتل کرنے والے نے تو قتل کر دیا ہے لیکن اگر قتل ہونے والے کا داؤ بھی چلتا تو وہ دوسرے کو قتل کرتا، مقاصد دونوں کے ایک تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" والذی نفسی بیدہ لاتذھب الدنیا حتی یاتی علی الناس یوم لا یدری القاتل فی ای شیء قتل ولا یدری المقتول علی ای شیء قتل "

"قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ وقت آجائے گا کہ قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ میں کس وجہ سے اس شخص کو قتل کر رہا ہوں اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا کہ مجھے قتل کیوں کیا جا رہا ہے۔"

(صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج2 ص394)

اس حدیث پاک کو پڑھنے کے بعد انسان آج کے حالات کو دیکھے تو کوئی صاحب ایمان نبی کریم ﷺ کی اس غیبی خبر کا انکار نہیں کر سکتا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کی کہ کئی صدیوں بعد رونما ہونے والے واقعات کی خبر پہلے ہی دے دی۔ آج ہر طرف قتل وغارت کا بازار گرم ہے، مساجد محفوظ نہیں، گھر محفوظ نہیں، دوکانیں محفوظ نہیں۔ کبھی مذہب کے نام پر قتل وغارت کا ارتکاب کر کے دین سے بیزاری کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، تو کبھی حاکم سیاسی انتقام کی خاطر شرفاء کو قتل کراتے ہیں اور کبھی لوگوں کی جان ومال کے محافظ یعنی پولیس والے خود ہی چور اور ڈاکو بن کر لوگوں کو قتل دیتے ہیں۔ کیا ان حالات کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد صادق نہیں آیا؟

قتل کی اقسام اور ان کے احکام:

قتل کی پانچ قسمیں ہیں:

(1) قتل عمد (2) قتل شبہ عمد (3) قتل خطاء

④ قتل قائم مقام خطاء ⑤ قتل بسبب

قتل عمد:

جو ارادۂ کسی تیز دھار آلہ سے قتل کیا جائے، یعنی جو ہتھیار عام طور پر قتل کیلئے استعمال ہوتے ہو جیسے تلوار، نوک دار لکڑی یا بانس وغیرہ کا چھلکا، نوک دار پتھر وغیرہ۔

اس قتل کا حکم یہ ہے کہ اس سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے اور قصاص (بدلہ) لازم آئے گا۔ اس قتل میں قصاص اسی وجہ سے لازم آئے گا کہ یہ حرام زیادہ ہے اور اس کی سزا بھی زیادہ ہے۔ ہاں! اگر مقتول کے اولیاء معاف کردیں تو قصاص معاف ہو جائے گا۔ اسی طرح مقتول کے ولی نے مفت تو معاف نہیں کیا، البتہ مال لے کر معاف کیا تو پھر بھی قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس مال کی کوئی حد مقرر نہیں یہ جانبین کی رضامندی پر موقوف ہے۔

شبہ عمد:

ایسے ہتھیاروں سے ارادۂ قتل کرے جو عام طور پر قتل میں استعمال نہیں ہوتے جیسے چھوٹی چھڑی یا چھوٹا پتھر وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ایک مرتبہ لاٹھی کے مارنے سے وہ شخص مر گیا ہو تو شبہ عمد ہوگا اور اگر کئی مرتبہ لاٹھی سے مارنے پر مرے تو یہ قتل عمد ہوگا، جس کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ (یہ صاحبین کا قول ہے، امام صاحب کو قول فقہی کتب میں دیکھا جائے)۔

اس قتل یعنی شبہ عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ہوگا اور اس پر کفارہ اور قاتل کے عاقلہ پر دیت مغلظہ لازم آئے گی (مکمل تفصیل ان شاء اللہ بیان کی جائے) اور یہ قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے بھی محروم ہوگا۔ اسی طرح پہلی قسم قتل جو ذکر کیا جاچکا ہے، اس قاتل کو بھی وراثت سے محرومیت حاصل ہوگی۔

قتل خطاء:

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں:

ایک یہ ہے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان پر کسی آلۂ شکار سے وار کیا لیکن شکار سمجھ کر اس کی نظر میں وہ کوئی جانور دکھائی دیا حالانکہ واقع میں وہ انسان تھا۔ اس طرح اس نے کوئی ہتھیار چلا کر قتل کر دیا ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس نے کسی شکار کی طرف یا نشانہ بازی کے لئے کوئی ہتھیار چلایا تو قدرتی طور پر کوئی انسان آگے سے گذر پڑا، وہ زد میں آگیا اور قتل ہو گیا۔

ان دونوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ قاتل گناہ گار تو نہیں ہوگا۔ البتہ قاتل کے "عاقلہ" پر دیت لازم آئے گی اور وہ اپنے

مقتول کی وراثت سے بھی محروم ہوگا۔

قتل قائم مقام خطاء:

کوئی شخص سویا ہوا اس کے کروٹ بدلنے سے ساتھ والا شخص اس کے نیچے دب کر مر جائے، اسی طرح نابالغ بچہ کو قتل کردے تو قتل خطاء کہلاتا ہے۔

اس کا حکم قتل خطاء والا ہے یعنی گناہ لازم نہیں آئے گا' قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم آئے گی اور قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔

قتل بسبب:

کوئی شخص کسی کی زمین میں (جو اس کی اپنی ملکیت نہیں) کنواں کھود دے یا پتھر وغیرہ رکھ دے جن کی زد میں آ کر کوئی شخص مر جائے تو یہ قتل بسبب کہلائے گا۔

اس کا حکم یہ ہوگا کہ قاتل کے عاقلہ پر دیت لازم آئے گی، کفارہ لازم نہیں آئے گا، وراثت سے محرومیت حاصل نہیں ہوگی۔ قتل کا گناہ بھی لازم نہیں آئے گا البتہ غیر کی ملکیت میں تصرف یعنی کنواں کھودنے اور اس میں پتھر وغیرہ رکھنے کی وجہ سے اس پر گناہ لازم آئے گا۔

کفارۂ قتل:

غلام آزاد کرنا، اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا درمیان میں کوئی روزہ چھوٹنے نہ پائے بلکہ ایسے وقت میں بھی روزے شروع نہ کرے کہ دو ماہ کے درمیان عیدوں کی وجہ سے روزے چھوڑنے پڑیں گے۔

کفارہ تین صورتوں میں لازم آتا ہے:

1۔ مسلمان کو خطاً قتل کرنے سے کفارہ اور دیت لازم آتے ہیں۔
2۔ دارِ حرب یعنی حربی قوم کے مسلمان کو قتل کرنے سے صرف کفارہ لازم آتا ہے۔
3۔ ذمی یا مستامن کافر کو خطاً قتل کرنے سے دیت اور کفارہ لازم آتے ہیں۔

تنبیہ:

"کفارۂ قتل" قاتل اپنے مال سے ادا کرے گا، اس کے اقرباء پر اس کا کفارہ لازم نہیں اور کفارۂ قتل میں صرف غلام آزاد کرنا یا مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے۔ اس کفارہ میں مساکین کو طعام کھلانا یا کپڑے دینا نہیں۔

دیت کا بیان:

دیت کی دو قسمیں ہیں: ﴿۱﴾ دیتِ مغلظہ ﴿۲﴾ دیتِ مخففہ

دیتِ مغلظہ:

ایک سو اونٹ ہیں: لیکن تین حصہ میں اس طرح منقسم ہوں گے کہ تیس (۳۰) حقہ یعنی تین سالہ اونٹنیاں اور تیس (۳۰) جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں اور چالیس خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں۔ یہ دیت یعنی مغلظہ قتل شبہ عمد میں ادا ہوگی اور قتل عمد میں اس وقت لازم آئے گی جب مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کر دیا ہو اور خون بہا اپنی مرضی سے کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ تم دیت ادا کر دو تو اس صورت میں دیت مغلظ ہی لازم آئے گی۔

دیتِ مخففہ:

یہ بھی ایک سو اونٹ ہی ہیں لیکن یہ پانچ حصوں میں منقسم ہوں گئے، اسی طرح مقتول کے وارثوں کو پچیس بنتِ مخاض یعنی ایک سالہ اونٹنیاں اور بیس بنتِ لبون یعنی دو سالہ اونٹنیاں بیس ابن لبون یعنی دو سالہ اونٹ اور بیس حقہ یعنی تین سالہ اونٹنیاں اور بیس جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں ادا کی جائیں۔

یہ دیت خفیفہ قتل خطاء میں قاتل کے عاقلہ پر اگر اونٹ نہ ہوں تو ایک ہزار دینار بطور دیت ادا کرے۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے، ایک ہزار دینار کا وزن ۳۷۵ تولے ہے۔ یا دس ہزار درہم ادا کرے، درہم چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے۔ دس ہزار درہم کا کل مجموعی وزن ۲۶۲۵ تولے ہے۔ اس طرح سونا، چاندی، اونٹ ادا کرے یا ان کی قیمت ادا کرے۔

قاتل کے عاقلہ:

پہلے ذکر کیا جا رہا تھا کہ دیت قاتل کے عاقلہ ادا کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ پہچانا جائے کہ کون سے وہ لوگ ہوں گئے جن ''قاتل کے عاقلہ'' کہا جائے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ قاتل کسی دفتر وغیرہ کا ملازم ہے یا نہیں۔ اگر کہیں ملازم ہے تو دیت دفتر والوں پر لازم آئے گی یعنی ہر شخص کے اپنے ڈیپارٹمنٹ پر دیت لازم آئے گی۔ دفتر والے لوگوں پر دیت کے لازم ہونے کی وجہ بھی یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی چاہیے تھا کہ وہ اس شخص کی دیکھ بھال کرتے، اسے احتیاط برتنے، سیدھی راہ چلنے کی ہدایت دیتے۔ انہوں نے چونکہ کوتاہی کی ہے لہٰذا دیت بھی ان پر لازم آئے گی۔

اگر وہ شخص کسی ادارہ کا ملازم نہیں بلکہ اپنے گھریلو کاروبار میں ہے تو دیت اس کے رشتہ داروں پر لازم آئے گی، پہلے

ان لوگوں پر جن کی معاونت اس پر اور اس کی معاونت ان پر لازم ہوتی ہے۔ پھر قریبی رشتہ داروں کے رشتہ دار پھر ان کے قریبی قبیلہ سے ہوں۔ یعنی دیت کے لئے کم از کم دو ہزار پانچ سو آدمی ہوں گے جو کل کر تین سالوں میں دیت ادا کریں گے۔ ہر شخص پر چار درہم تین سالوں میں ادا کرنے ہوں گے یعنی ہر آدمی کے ذمہ ایک تولہ اور چار صحیح چار بٹہ پانچ رتی۔ (رتی ۵۔۴۔۴، ماشہ ۰۔۱ تولہ) چاندی کی قیمت تین سالوں میں ادا کرنی لازم آئے گی۔

ایک آدمی پر اس سے زائد دیت لازم نہیں آئے گی۔ یعنی ایک آدمی پر بوجھ زیادہ نہیں ڈالا جائے گا بلکہ دیت ادا کرنے والے آدمیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا۔

پہلے ایک شعبہ کے آدمی لئے جائیں گے، پھر اس سے منسلک دوسرے شعبہ کے پھر اس کے منسلک اور شعبہ کے اس طرح تعداد پوری ہو جائے گی۔ اسی طرح پہلے قریبی رشتہ دار پھر ان کے رشتہ دار یہاں تک کہ قبیلہ کے آدمیوں کو بھی اگر جمع کرنے سے تعداد مکمل ہوتی ہو تو ایک قبیلہ کے آدمیوں کو جمع کر کے تعداد کو مکمل کیا جائے گا۔ ایک آدمی پر بیان کردہ مقدار سے بوجھ کم تو کیا جاسکے گا لیکن زیادہ نہیں۔ [1]

 OOOOO

گالی گلوچ، فحش کلامی، جھگڑا وفساد سے بچیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا:

"ان العبد لیتکلم بالکلمة ینزل بها فی النار ابعد ما بین المشرق والمغرب" (مسلم، باب حفظ اللسان، ج2، ص412)

"بے شک انسان ایک کلمہ بولنے کی وجہ سے جہنم میں چلا جاتا ہے حالانکہ اس انسان اور جہنم کے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی ہے۔"

یعنی انسان بولتے وقت یہ غور وفکر نہیں کرتا کہ اس کلام میں کتنی قباحتیں (برائیاں) ہیں اور اس کلام پر مرتب ہونے والے عذاب سے خوف نہیں رکھتا جیسے ظالم، فاسق، فاجر، غدار، لٹیرے بادشاہوں کی ناحق تعریف کر کے چاپلوسی کرنا، کسی پر ناجائز تہمت لگانا، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والا کلام کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اولیاء عظام کی شان میں گستاخانہ کلام ہر طرح کے کفریہ کلمات جہنم میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی حفاظت کرنے کا خصوصی حکم فرمایا: [من کان یومن باللہ والیوم الاخر

1۔ ہدایہ، امام ابوبکر فرغانی مرغینانی، ج4 ص577 ....
فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ، ج5، ص406

فلیقل خیرا او لیصمت] ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔'' [1]

اس لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ کلام کرنے سے پہلے اس میں غور وفکر کرے، اگر اس میں کوئی مصلحت نظر آئے تو کلام کرے ورنہ خاموش رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر] مسلمان کو گالی دینا فسق (بہت بڑا گناہ ہے) اور مسلمان کیساتھ قتال کرنا کفر ہے۔ [2]

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی مسلمان کو ناحق گالی دینا حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، ایسے ہی اگر کسی مسلمان کو اسلئے قتل کرے کہ یہ مسلمان کیوں ہے تو حقیقتاً کفر ہے اور اگر باطل طریقہ پر کسی مسلمان سے جھگڑا کیا تو یہ کفرانِ نعمت (نعمت کی ناشکری) ہے جو آخر کار انسان کو حقیقتاً کفر کی طرف پہنچا دیتی ہے کیونکہ جب انسان اسلامی بھائی چارے (اخوتِ اسلامی) کا پاس نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چھوڑ دے تو ایسے انسان سے کفریہ کلمات سرزد ہونا کوئی بعید نہیں۔ جس کسی انسان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ نہ ہو تو یہ انسان کامل مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، کامل مسلمان وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

کسی مسلمان کا کافر کہنے کا وبال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما'' (بخاری و مسلم مشکوۃ باب حفظ اللسان 411)

''جو شخص بھی کسی دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ وہ دونوں میں ایک کی طرف لوٹے گا۔''

یعنی اگر ایک شخص نے دوسرے کو کافر کہا وہ فی الوقع ہے ہی کافر، تو ٹھیک ہے یہ کفر اس کی طرف جائے گا کیونکہ وہ تو کافر ہے، لیکن اگر اس کا کافر ہونا یقینی نہ ہو تو اس شخص نے اگر حلال سمجھ کر اسے کافر کہا تھا گناہ اور وبال اس کی طرف آئے گا۔

خصوصی توجہ کے قابل!!!

اگر کسی شخص کی کتاب میں کفریہ عبارات ہوں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عبارت سے کفر لازم آرہا ہے یہ ''لزوم کفر'' ہے۔ لزوم کفر کفر نہیں لیکن اگر اس شخص کو بتایا جائے کہ تمہاری یہ عبارت کفریہ ہے وہ کوئی صحیح جواب نہ دے سکے اور کسی قسم کی صحیح تاویل نہ کرسکے اور اپنی کفریہ عبارت پر قائم رہے (ڈٹ جائے) باوجود بتانے کے عبارت کو نہ نکالے تو اب کافر ہوگا کیونکہ یہ

1۔ بخاری و مسلم، بحوالہ مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبتہ والشتم، ج 2 ص 411

2۔ بخاری و مسلم، بحوالہ مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبتہ والشتم، ج 2 ص 411

التزام کفر ہے اور التزام کفر کفر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم" "دو شخص ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں جو کہیں گے اس تمام کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہوگا، جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔"

(مسلم، باب النہی عن السباب، ج2، ص321)

گالی سن کر صبر کرنا، معاف کر دینا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انعام واکرام فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والے کی تعریف ان الفاظ مبارکہ سے کی ہے۔[وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُ مُوْرِ] "اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔" (پ۲۵/۵)

معاف کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی شخص بدلہ لینا چاہے تو اس مقدار میں یہ بھی گالی دے سکتا ہے جس مقدار میں اس نے اسے گالی دی ہیں، اس سے تجاوز نہ کرے۔ انصاف سے بدلہ لینے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:[وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰئِكَ مَاعَلَیْهِمْ مِنْ سَبِیْلٍ] "اور بیشک جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا، ان پر کچھ مواخذہ (پکڑ) کی راہ نہیں۔" (پ۲۵،۵)

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی شخص اسے ناحق زنا وغیرہ کی تہمت لگائے تو یہ جواباً تہمت نہیں لگا سکتا۔ البتہ "حد قذف" لگائی جائے۔ اگر کوئی اس کے متعلق کسی قسم کا جھوٹ بولے تو یہ اس کے جواب میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

اگر کوئی شخص سلف صالحین کو گالی دے تو یہ اس کے جواب میں گالی نہیں دے سکتا۔ یعنی معاذ اللہ اگر کوئی شخص حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم پر لعن وطعن کرے تو اس کے جواب میں اہلِ بیت کی شان میں گستاخی حرام ہے، دونوں ایک جیسے لعنتی ہوں گے۔

اسی طرح اہلِ بیت کی شان میں گستاخی کرنے والے کے جواب میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی حرام ہے، دونوں ایک جیسے حرام کام کر رہے ہیں۔

جو لوگ شیعہ حضرات کی مخالفت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی شان کو چھپاتے ہیں وہ نادان واحمق ہیں۔ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار کی شان کو تسلیم کرنے کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں۔

حکایت:

ہارون الرشید کے بیٹوں میں سے ایک غصہ کی حالت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: فلاں کوتوال کے لڑکے نے مجھے ماں کی گالی دی ہیں۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر اپنی بادشاہی کے ارکان کو طلب کیا، ان کے جمع ہونے پر پوچھا کہ ایسے شخص کا بدلہ کیا ہونا چاہیے جو بادشاہِ وقت کے بیٹے کو ماں کی گالی دے؟ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے نے

مشورہ دیا اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ تیسرے نے مشورہ دیا کہ اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور اسے جلاوطن کر دیا جائے۔

ہارون الرشید نے بیٹے کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا: اے بیٹے! کرم تو یہ ہے کہ تو معاف کر دے۔ اگر تو معاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو بھی اسے کی گالی دے دے، لیکن یہ خیال کرنا کہ جتنی گالی اس نے تجھے دی تھیں اتنی ہی ہوں، ان سے تجاوز نہ ہو۔ اگر تم نے تجاوز کیا تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہوگا، اب اس لڑکے کو تم پر زیادتی کا بدلہ لینے کے لئے دعویٰ کرنے کا حق ہوگا۔

نمرو است آں بنزدیک خردمند
کہ با پیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آں کسی از روئے تحقیق
کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

عقلمندوں کے نزدیک وہ شخص بہادر پہلوان نہیں جو مست ہاتھی کے ساتھ لڑائی کرے بلکہ حقیقتاً بہادر شخص وہ ہے جس کو غصہ آئے تو وہ اپنے غصہ پر قابو پا سکے اور بے ہودہ کلام نہ کرتا پھرے۔ (1)

کاش!! آج کے ظالم حکام کو بھی عدل وانصاف کرنے کا سلیقہ آتا، بے تدبیر مشیر و وزیر کی بات کو کوئی حیثیت نہ دیتے، بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے حضرت علی رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین) بن حسین بن علی بن ابن طالب سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا اچھا اسلام یہ ہے کہ وہ لایعنی اشیاء کو چھوڑ دے۔ [من حسن الاسلام ترکہ مالا یعنیہ] یعنی انسان کے کامل ایمان اور اچھے اخلاق اور اسلام کے محاسن وکمالات میں سے یہ ہے کہ انسان لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔ (2)

فضول ولغو باتیں ہوں یا کام، اسی طرح نظر وفکر میں فتور سب لایعنی چیزیں ہیں۔ ہر قول وفعل، نظر وفکر جس میں دینی اور دنیاوی فائدہ نہ ہو، اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی نہ ہو، اس کے بغیر زندگی بسر ہو سکے، اس کے چھوڑنے میں کوئی نقصان نہ ہو تو ایسی چیزوں سے انسان کو دوری اختیار کرنی چاہیے کیونکہ انسان کو ایسے امور میں مشغول ہونا چاہیے جو اس کے لئے دین ودنیا میں بہتری کا سبب بنیں۔ کمالات علمی حاصل ہوں اور ایسے عملی فضائل حاصل ہوں جن کی وجہ سے انسان کی عاقبت سنور سکے۔ اعلیٰ اور دائمی سعادت حاصل ہو سکے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والوں کی شان بیان فرمائی: [وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ] ''یہ وہ لوگ ہیں جو لغو بے ہودہ سے اعراض کرتے ہیں۔''

1۔ گلستان سعدی، شیخ سعدی رحمہ اللہ، ص 60 حکایت 34

2۔ مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی، بیہقی، مشکوۃ باب حفظ اللسان ج 2 ص 413

صوفیائے کرام کا تقویٰ:

صوفیائے کرام تو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہیں سیر کے لئے جائے تو قدرتی مناظر دیکھے۔ پہاڑ، نہریں یا اور راستہ میں کئی واقعات درپیش آتے ہیں، کئی لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، انسان سیر کے لئے اچھا لباس زیب تن کرتا ہے، اچھے اچھے کھانے کھاتا ہے، سیر سے واپس ہو کر ان چیزوں کا ذکر بھی بلا مقصد اور لا یعنی ہے، ان چیزوں کے ذکر کے بغیر بھی چارہ کار ہے لہٰذا ان کو بھی چھوڑ دے۔ خیر یہ تو تقویٰ کی بات ہے۔ مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ انسان اگر سچے حقائق بیان کرے، جھوٹ نہ ہو، بڑھا چڑھا کر بات کو بیان نہ کرے، کسی شخص کی مذمت نہ کرے اور کسی کی غیبت نہ کرے اور فخریہ طور پر اپنے کمالات بیان نہ کرے تو جائز ہے۔ (1)

حکایت:

ایک بزرگ، ولی اللہ عارف باللہ کہیں سے گذرے۔ ایک دو منزلہ مکان دیکھ کر پوچھا: یہ کب سے بنا ہے؟ اتنا پوچھتے ہی خیال آیا کہ اس سوال کو کوئی مقصد نہیں تھا، اپنے نفس کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا: تو لا یعنی چیزوں کا سوال کرتا ہے؟ اب ایک سال روزے رکھ کر اس کفارہ ادا کرنا ہے۔ (2)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دے رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے "یتعجب ویتبسم" آپ یہ معاملہ دیکھ کر تعجب اور تبسم فرما رہے تھے۔ جب اس شخص نے زیادہ ہی گالی دینی شروع کر دیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی کسی بات کو جواب دے دیا" فغضب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقام "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غصہ سے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کو جا ملے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مجھے گالی دیتا رہا، آپ تشریف فرما رہے اور میں نے اس کی کسی ایک گالی کا جواب دیا تو آپ وہاں سے اٹھ کر کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا: "کان معك ملك يرد عليه فلما رددت عليه وقع الشيطان" تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے اسے جواب دے رہا تھا، جب تم نے خود جواب دیا تو شیطان آ گیا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تین چیزوں حق ہی ثابت ہو کر رہتی ہیں:

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9 ص 151

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9 ص 152

" ما من عبد ظلم بمظلمة فيغمض عنها الله عزوجل الا اعز الله بها نصره وما فتح رجل باب عطية يريد بها قلة الا زاد الله بها كثرة وما فتح رجل باب مسئلة يريد بها كثرة الا زاد الله قلة "

(مسند احمد، مشکوۃ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق، ج2 ص433)

"جب کسی انسان پر ظلم کیا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر درگذر کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے اس کی عزت افزائی فرماتا ہے اور جب بھی کوئی انسان اپنے اقرباء پر صلہ رحمی کی خاطر اپنے عطیات کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ خیر و برکت کی کثرت سے اس کے مال کو بڑھا دیتا ہے اور جب انسان کثیر مال جمع کرنے کی غرض سے اپنے آپ پر سوال کرنے (مانگنے) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بہت ہی کم کر دیتا ہے۔"

حدیث پاک کی وضاحت:

نبی کریم ﷺ تعجب فرما رہے تھے کیونکہ آپ کی موجودگی میں ایک شخص کا گالیاں دینا اور آپ سے بھی حیا نہ کرنا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کامل صبر اور آپ کی وفا، یہ تعجب کے اسباب تھے۔

اور آپ کے مسکرانے کی وجہ کیا تھی؟ کہ دونوں شخصوں کا فرق آپ کے سامنے ہونا اور ایک کے فعل پر کامل سزا اور دوسرے کے فعل پر کامل رحمت کا مرتب ہونا اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کا آپ پر کامل منکشف ہونا، یہ آپ کے مسکرانے کے اسباب تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعض کلام کا جواب دیا جو جائز تھا لیکن شانِ صدیقی بلند و بالا ہونے کی وجہ سے آپ کے لائق یہ بھی نہیں تھا، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے غصہ فرمایا: کہ تمہاری شان کے مطابق صبر کرنا ہی تھا۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا: [حسنات الابرار سيئات المقربين] "کہ نیکوکار کی نیکیاں بھی مقربین کے لئے ناروا کام ہوتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کا غیظ و غضب آپ کے چہرے کے آثار سے سمجھ آجاتا تھا۔ ان آثار سے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے غضب کو پہچانا، آپ کا مجلس سے اٹھ کر چلا جانا اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق تھا: [وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ] (پ۲۰) "ایمان والے جب لغو باتیں سنیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے کام محبت تھے (بلکہ محبوب بھی) یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ناراض ہو کر اٹھ جانے کو آپ برداشت نہ کر سکے تو آپ کو جا ملے اور آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے حکمت تو بتائیں کہ اس کی گالیوں کو آپ رہے اور میرے جواب کو آپ نے برداشت نہ کیا اس میں کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کامل صبر پر آپ کی معاونت فرشتہ کررہا تھا۔ کتنی عظیم آپ کی شان ہے، آپ نے جواب دیا تو گویا اپنے نفس کی بات کو تسلیم کیا اور اپنی معاونت خود کی۔ یہ اصل میں شیطانی وسوسہ تھا کیونکہ انسان جب مظلوم ہوتا ہے شیطان اسے ظالم بنانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ طریقہ یعنی ظالم بننا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو نا پسند ہے۔ [1]

حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء فرماتے ہیں: [کن عبد الله المظلوم و لا تکن عبد الله الظالم] ''مظلوم بندہ بن کر رہو ظالم بندہ نہ بنو۔''

حدیث پاک میں ہے: تین چیزیں ہو کر رہتی ہیں، پہلی چیز: کسی پر ناحق ظلم کیا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اسے معاف کرے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ سے اپنی امداد سے نوازتا ہے۔

ظلم کی تعریف لغت کی معتبر کتاب القاموس میں ہے: [الظلم وضع الشیء فی غیر موضعه] ''کسی چیز کو اپنی جگہ نہ رکھنا ظلم ہے۔'' اسی وجہ سے فاسق و فاجر کی مدح سرائی بھی ظلم ہے، لہٰذا کسی کو گالی دینا، فحش کلامی، غیبت، چغل خوری، جسمانی ایذاء پہنچانا، کسی کو کھیل کود میں مبتلاء کر کے نیکی سے دور کرنا سب ظلم ہیں۔ اسی طرح مجرم کو اگر معاف کرنے سے اس کے جرائم میں اضافہ ہو تو معاف کرنا بھی ظلم ہے۔ اور غیر مجرم کو مجرم کہہ کر قیدی و بند کی صعوبتیں پہنچانا ظلم عظیم ہے۔

• حدیث پاک میں ایک لفظ استعمال ہوا ''فیغمض'' یہ ''اغمضاء'' سے لیا گیا ہے، اصل اس کا معنی آنکھوں کی پلکوں کو ملانا یعنی آنکھیں بند کرنا پھر اس کا معنی اعراض کرنا، درگذر کرنا لیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر طور پر اہل علم معاف کرنے کی جگہ چشم پوشی کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ حدیث پاک کے بعض نسخوں میں ''فیعفی'' بھی استعمال ہوا ہے جو ''اعفاء'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہی عفو ہے یعنی معاف کرنا درگذر کرنا ہے۔

معاف کرے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے اللہ کی رحمت و نصرت کا مستحق ہوگا اور اگر فخر کے طور پر یا اپنا چرچا کرنے کے لئے، ریا کاری کے لئے معاف کرے تو اس فضل کا مستحق نہیں ہوگا۔

دوسری چیز جس کا ذکر فرمایا وہ اپنے اقرباء پر عطیات کا دروازہ کھولنا۔ حدیث شریف میں لفظ عطیہ استعمال ہوا ہے، شارحین نے زیادہ طور پر اس کا معنی صدقہ کیا ہے کیونکہ صدقہ اس عطیہ کو کہتے ہیں، جو ثواب کی غرض سے دیا جائے اور ہبہ میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی لیکن عطیہ کا معنی اگر عام ہی رکھا جائے جو صدقہ اور ہبہ دونوں کو شامل ہو تو بہتر ہے، اس شخص کا عطیات میں ارادہ نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ اس کے مال میں ظاہری، باطنی برکتیں عطا فرماتا ہے۔

تیسری چیز اپنے پر سوال کا دروازہ کھولنا لیکن مال کو زیادہ کرنے کی غرض سے سوال کرتا ہے اپنی احتیاج کی وجہ سے

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9 ص 303

نہیں۔ہاں! وہ محتاج جس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہیں وہ اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لئے سوال کرے تو جائز ہے۔ یہ سوال بھی مخلوق سے مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بار بار سوال کیا جائے، جتنا زیادہ سوال کیا جائے وہ خوش ہوتا ہے "یحب یسئل وافضل العبادة انتظار الفرج "اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، اس لئے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

"(فان الله) ای لاتصافه بانه کریم منعم وهاب معط غنی مغن باسط " [1]

اللہ تعالیٰ کو کیوں پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اس لئے کہ وہ کریم ہے، انعام عطاء فرمانے والا ہے، بخشش کرنے والا ہے، عطاء کرنے والا ہے، غنی کرنے والا ہے، کشادہ رزق کا مالک ہے، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے بار بار مانگے، زیادہ سے زیادہ مانگے گا کیونکہ وہ ایسی صفات کا مالک ہے کہ ان کا صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ جب دینے والے کی رحمت میں کوئی کمی نہیں تو لینے والوں کو اپنی حماقت سے اپنے دامن کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ افضل عبادت یہ ہے کہ دعاء بھی کرتا رہے اور ساتھ ساتھ مصائب وآلام سے نجات کے لئے صبر وتحمل سے منتظر رہے۔

اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [من لم یسئل الله یغضب علیه] "جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

اس حدیث پاک کی وضاحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" لان ترك السؤال تکبر و استغناء وهذا لا یجوز للعبد والمراد بالغضب ارادة ایصال العقوبة " (مرقاۃ المفاتیح، ج5، ص303)

"اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرنا علامتِ تکبر ہے اور رب سے مستغنی ہونے کی علامت ہے، یہ بندے کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھے بلکہ یہ بدبختی کی علامت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے۔

کسی مسلمان کے سامنے اس کے کافر آباء واجداد کی برائی؟

روایت بیان کی گئی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ایک قبر کے متعلق پوچھا: یہ کس کی قبر ہے؟ آپ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان شخص سعید بن عاص کی قبر ہے۔ اس شخص کا بیٹا عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھا، وہ سن کر غصہ میں آ گیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اس شخص کی قبر ہے جو ابوقحافہ (والد ابی بکر) سے زیادہ مہمان نواز اور بہادر تھا۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج ص

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے ساتھ ایسی کلام کررہا ہے (حالانکہ اس کا باپ کافر ہے اور میرے باپ مسلمان ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! درگذر کرو۔ آپ وہاں سے چلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! جب تم کافروں کا ذکر کرو تو عمومی طور پر ذکر کیا کرو۔ خصوصی طور پر (ان کا نام لے کر) ذکر نہ کیا کرو کیونکہ اس طرح ان کے بیٹوں کو غصہ آتا ہے۔ (1)

فوت شدہ انسان کو گالی دینا عظیم جرم ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [انهاك ان تشتم مسلما و تعصى اماما عادلا والتعرض للاموات اشد] میں تمہیں مسلمان کو گالی دینے یا عادل حاکم کی نافرمانی کرنے سے منع کرتا ہوں اور فوت شدہ کے در پے ہونا بہت ہی شدید ہے۔ یعنی کسی فوت شدہ کو گالی دینا' اسے برا کہنا بہت شدید جرم ہے۔ تو انسان کا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے کسی شخص کے متعلق پوچھا: فلاں کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمای: اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ میں نے کہا: وہ شخص فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "رحمہ اللہ" اللہ اس پر رحم کرے۔ میں نے کہا: یہ کیسے؟ یعنی پہلے تو آپ لعنت کی دعا کررہی تھیں، اب رحمت کی۔ آپ نے فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لا تسبوا الاموات فتؤذوا به الاحياء] جو لوگ فوت ہو جائیں انہیں گالی نہ دو، اس سے تم زندہ کو تکلیف پہنچاتے ہو۔ (2)

○○○○○

برا مزاح گناہ ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لا تمار اخاك ولا تمازحه] اپنے بھائی کو حقیر نہ سمجھو، جھگڑا نہ کرو اور مزاح نہ کرو۔ "لا تمار ممارات" سے لیا ہوا جس کا مطلب ہے کسی کے کلام میں طعن پیش کرنا، کسی کے کلام میں خلل اور غلطیاں نکالنا اور اپنی برتری ظاہر کرنا اس میں اپنے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچانا لازم آتا ہے اور ایسا شخص زیادہ طور پر جھوٹ بولتا ہے، دوسرے سے جھگڑا کرتا ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔ (3)

مزاح کی دو قسمیں ہیں:

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، باب اللعن، ج3 ص211

2۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، باب اللعن، ج3 ص212

3۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، باب المزاح والضحک، ج3 ص215

①: ایک یہ ہے کہ مزاح سے کسی کو ایذاء پہنچائی جائے اسے "تحریت" کہتے ہیں، یہ ہر صورت میں ناجائز ہے۔

②: دوسری قسم مزاح کی یہ ہے کہ اس میں خوش طبعی پائی جائے، کسی کو ایذاء نہ پہنچائی جائے۔

اس میں بھی زیادتی اور ہمیشگی منع ہے کیونکہ کثرتِ مزاح سے کثیر ہنسی حاصل ہوگی اور کثیر ہنسنے سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ دل کی سختی گویا کہ دل مردہ ہونے کے مترادف ہے، دل کے مردہ ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دینی معاملات میں تفکر سے دور ہو جاتا ہے۔

زیادہ مزاح کرنے سے انسان بعض اوقات تو دوسروں کو تکلیف دینے کا سبب بنتا ہے اور انسانوں کے درمیان کھوٹ، کینہ کا سبب بنتا ہے اس طرح زیادہ مزاح کرنے والے کا رعب و وقار ختم ہو جاتا ہے۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" من كثر ضحكه قل هيبته "جو شخص زیادہ ہنسے، اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔

" من كثر كلامه كثر سقطه ومن كثر سقطه قلّ حياءه ومن قلّ حياءه قلّ ورعه ومن قلّ ورعه مات قلبه " ❷ " جو شخص مزاحیہ کلام زیادہ کرنے کا عادی ہو جائے، وہ زیادہ گھٹیا ہو جاتا ہے۔ جو شخص زیادہ گھٹیا ہو جائے اس کی حیاء میں کمی آ جاتی ہے، اور جس شخص کی حیاء میں حیاء میں کمی آ جائے اس کی نیکی اور تقویٰ میں کمی آ جاتی ہے، اور جس شخص کی نیکی اور تقویٰ میں کمی آ جائے، اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو عید الفطر کے دن ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اگر ان لوگوں کو اپنی مغفرت کا یقین ہو چکا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے والے لوگ اس طرح نہیں ہنستے اور اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہماری مغفرت نہیں ہوئی تو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے لوگ بھی اس طرح ہنستے۔ ❸

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مزاح کو مزاح کیوں کہتے ہیں؟ احباب نے جواب دیا: ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا:" لانه ازاح صاحبي عن الحق "آپ نے فرمایا: اسے مزاح اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مزاح کرنے والے کو حق سے دور کر دیتا ہے۔ یعنی مزاح کا لفظ "ازاحۃ" سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے: ہٹانا، دور کرنا۔ ❹

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج 3، ص 216
2۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج 3، ص 216
3۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج 3، ص 216
4۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج 3، ص 217

مزاح کی جگہ دینی محافل قائم کرے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مزاح کی محافل قائم کرنے سے اجتناب کرو، اس سے دلوں میں کھوٹ، کینہ، کدورت پیدا ہوتی ہے، جو انسان کو برائیوں کے ارتکاب کی طرف پہنچاتا ہے۔ تم ذکرِ قرآن کی محافل قائم کیا کرو یعنی ایسی محفلیں قائم کرو جن میں قرآن و احادیث بیان کی جائیں، اگر تمہیں اس قسم کی محفلیں قائم کرنے میں مشکل درپیش آئے تو نیک لوگوں کی نیک باتیں ہی بیان کرلیا کرو۔ (احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج3، ص217)

کسی کی مصیبت پر ہنسنا، ناجائز ہے:

ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے اونٹ پر سوار ہیں، آپ کا اونٹ جوان، پھرتیلا، سرکش ہے۔ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر سلام کہتے ہوئے کوئی بات پوچھنا چاہتے ہیں تو ان کا اونٹ منہ زور ہو کر انہیں دور لے جاتا ہے۔ صحابہ کرام اس منظر کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں، یہ معاملہ کئی مرتبہ درپیش آیا۔ آخر کار اونٹ نے انہیں گرادیا، وہ شہید ہوگئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاعرابی قد صرعه قلوصه وقد هلك فقال نعم و افواهكم ملاء من دمه

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کو اونٹ نے گرادیا ہے، وہ شہید ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں لیکن تمہارے منہ اس کے خون سے بھرے ہوئے ہیں۔"

(احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج3، ص217)

مقصد یہی تھا کہ ان کا اونٹ سرکش تھا، جوان کے قابو میں نہیں تھا، وہ بے بس تھے۔ اونٹ کو قریب لانا چاہتے تھے وہ انہیں دور لے جاتا، تم ان کی بے بسی پر ہنس رہے تھے۔ ان کا اس بے بسی کی حالت پر فوت ہونا اور تمہارا اس حالت پر ہنسنا گویا ان کے خون سے اپنے مونھوں کو بھرنا تھا۔

اچھا مزاح سنت و مستحب ہے:

جب مزاح میں صرف خوش طبعی مقصود ہو، مزاح میں کثرت نہ ہو، ہمیشہ مزاح کرنے کے عادت نہ بنالی جائے، مزاح میں جھوٹ نہ ہو بلکہ حق بات ہو، مقصد مخاطب کو خوش کرنا ہو تو یہ جائز و مستحب ہے۔ ایسا مزاح انسان کے حسنِ اخلاق کو ظاہر کرتا ہے، ہنس مکھ چہرہ سے کلام کرنا ہی اخلاقِ کریمانہ ہیں، کشادہ روئی جنت والوں کی علامت ہے اور مرجھایا ہوا چہرہ، ماتھے پر بل، اکڑ کر رہنا جہنمیوں کی علامت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! [انك تداعبنا قال انی اقول الا حقا] "بے شک آپ ہمارے ساتھ مزاح فرمالیتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔"

صحابہ کرام کا تعجب کرنا اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اپنے بھائیوں سے مزاح نہ کرو۔ اسی وجہ سے ازروئے تعجب صحابہ کرام نے آپ کے مزاح کی وجہ پوچھی کہ آپ ہمارے ساتھ مزاح فرمالیتے ہیں۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔ میرے کلام میں عدل وانصاف اور حق وصداقت ہوتی ہے۔ تم میں سے ہر آدمی اس طرح کی بات کرنے پر قادر نہیں، اس وجہ سے تمہیں منع کیا ہے۔ اگر تم بھی مزاح کا یہی حق ادا کرسکو تو تمہارے لئے بھی جائز ہے۔ (1)

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی درخشاں مثالیں:

" وعن انس ان رجلا من اهل البادیة کان اسمه زاهر بن حرام و کان یهدی للنبی ﷺ من البادیة فیجهزه رسول الله ﷺ اذا اراد یخرج فقال النبی ﷺ ان زاهرا بادیتنا ونحن حاضروه و کان النبی ﷺ یحبه و کان دمیما فاتی النبی ﷺ یوما وهو یبیع متاعه فاحتضنه من خلفه وهو لا یبصره فقال ارسلنی من هذا ؟ فالتفت فعرف النبی ﷺ فجعل لا یألو ما الزق ظهره بصدر النبی ﷺ حین عرفه وجعل النبی ﷺ یقول من یشتری العبد فقال یا رسول الله اذا والله تجدنی کاسدا فقال النبی ﷺ لکن عند الله لست بکاسد"

(مشکوۃ المصابیح، ص416)

"دیہات میں رہنے والے ایک شخص نبی کریم کے پاس دیہاتی تحفے پیش کرتے۔ جب وہ واپس جانے کا ارادہ فرماتے تو آپ ان کے لئے اسباب مہیا فرماتے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زاہر ہمارا جنگل ہے، ہم اسکے شہر ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس شخص سے محبت کرتے تھے، اگرچہ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ تشریف لائے وہ اپنا سامان فروخت کررہے تھے۔ آپ نے آکر ان کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا، انہیں نظر آرہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔ پھر انہوں نے پہچان لیا کہ نبی کریم ﷺ ہیں پہچاننے پر اپنے پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے' نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: یہ غلام کون خریدے گا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، آپ اسے کھوٹا پائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کھوٹا نہیں۔"

وضاحت حدیث:

یہ صحابی زاہر بن حرام حجازی تھے۔ باہر جنگل، دیہاتی، صحرائی تحفے، پھل، نباتات، خوشبوئیں اور دوائیں وغیرہ بطور ہدیہ لاتے اور نبی کریم ﷺ انہیں مدینہ طیبہ سے واپسی پر ان کی واپسی کے اسباب مہیا فرماتے اور دیہاتوں میں جن شہری

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ ج3، ص218

چیزوں کی ضرورت واقع ہوسکتی، وہ عطا فرماتے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [زاھرا بادیتنا و نحن حاضروہ] کا مطلب ہے کہ بے شک زاہر ہمارا ہے، جو صحرا میں رہتا ہے ہم اس سے صحرائی تحفے وصول کر کے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اگر چہ یہ معنی لینا بھی زیادہ قریب ہے کہ زاہر ہمارے صحراء میں رہتا ہے لیکن پہلا معنی مراد لینے میں زیادہ حلاوت (مٹھاس) ہے اور فرمایا کہ ہم اس کے ہیں، جو شہر میں رہتے ہیں وہ یعنی وہ ہمارے شہری تحفوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس طرز عمل سے اقوال سے یہ واضح سے ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینا محبت کے بڑھنے کی علامت ہے۔ صرف ہدیہ وصول کرنے کی طرف ہی نظر نہ رکھے بلکہ ہدیہ دینے والے کو ہدیہ اور محبت وشفقت سے نوازے، یہ ہی نہ کہتا رہے: میں تمہارے پاس آؤں تو کیا دو گے؟ اور جب تم میرے پاس آؤ تو لاؤ گے۔

حدیث شریف میں جو لفظ ''دمیما'' اس کا معنی [قبیح المنظر کریھۃ الصورۃ] یعنی بدصورت ہے۔ نبی کریم ﷺ ان سے بہت سے زیادہ محبت فرماتے تھے، اگر چہ وہ بدصورت تھے لیکن ان سے محبت کی وجہ ان کا حسنِ سیرت کا تھا۔ ہر انسان کسی کو محبوب بنانے، شادی کرنے میں یہی نقطہ نظر رکھے کہ خوبصورت بدکردار کے بجائے، بدصورت لیکن دیندار کو پسند کرے۔ اسی میں دین ودنیا کی کامیابی ہے۔

ایک دن حضرت زاہر بازار میں یا کہیں کھلی فضاء میں اپنا سامان فروخت کررہے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے ''فاحتضنہ'' ان کو بغل کے نیچے پہلوؤں میں لیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک ان کی بغل کے نیچے سے گذار کر ان کو پیچھے کی جانب سے گلے لگایا، ان کی آنکھوں پر بھی ہاتھ رکھے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے تھے، یا آپ ﷺ کے پکڑنے کا انداز ایسا تھا کہ وہ پیچھے نہیں دیکھ سکتے تھے اور کہہ رہے کہ یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔

جب حضرت زاہر نے آنکھ کے ایک کنارے سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء ہیں تو پہچاننے پر اپنی پیٹھ کو آپ کے سینہ سے ملنے لگے، یہ ظاہر کرنے لئے کہ حضور میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''من یشتری العبد'' یہ غلام کون خریدے گا؟

یہی بات سمجھنے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جو مزاح کرتا ہوں وہ حق ہوتا ہے تو آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب کیا ہوسکتا ہے کہ آپ نے آزاد شخص کو غلام کہا اور غلام بیچا نہیں جاسکتا؟ تو آپ نے کیسے فرمایا، اسے کون خریدے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزاح میں ظاہری مطلب اور ہوتا تھا لیکن در حقیقت اور مطلب مراد ہوتا تھا جو حق تھا۔ یہاں بھی آپ نے لفظ ''عبدا'' استعمال فرمایا اور اس کا ظاہری معنی غلام ہے لیکن اس سے آپ کی مراد عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہے۔

اسی طرح ''یشتری'' لفظ ''اشتراء'' سے لیا ہوا ہے جس کا ظاہری معنی خریدنا لیکن یہ لفظ کبھی ''مقابلة الشیء بالشیء'' (ایک چیز کے مقابل دوسری کا ہونا) کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کا معنی ''تبدیل کرنا'' ہوتا ہے۔

اب پورے کلام کا معنی اس طرح ہوگا: اللہ کے بندے کو میری محبت کے مقابل (اکرام تعظیم) کون عطا کرے گا؟

دوسرا معنی یہ ہے: اس اللہ کے بندے جیسا میرے پاس کون لائے گا کوئی ایسا محبوب اور بھی ہوسکتا ہے۔

اس کا تیسرا معنی یہ ہوگا: اس اللہ کے بندے کو کون لے گا کوئی ہے جو اس سے ایسی ہی محبت کرے جیسے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

حضرت زاہر نے نبی کریم ﷺ کے ظاہری الفاظ کو دیکھے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ اس غلام کو کھوٹا سکہ پائیں گے، یہ تو سستا بکے گا، اسے کون خریدے گا؟ اس بدصورت کو کون پسند کرے گا؟

قربان جاؤں! میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ نے کیا خوبصورت جواب دیا: آپ فرماتے ہیں ''لکن عند الله لست بکاسد'' ''لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم تو کھوٹے نہیں۔ یعنی جب تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہو تو وہ شخص کیسے کھوٹا سکہ، بے قدر و منزلت ہوسکتا ہے جو محب اللہ اور محب رسول اللہ ﷺ ہو بلکہ اس سے بڑھ کے محبوب رسول اللہ ﷺ بھی ہو۔ (مرقاۃ، ج9، ص174)

اصل محبت محبانِ مصطفیٰ ﷺ سے محبت ہے:

پیر طریقت، رہبر شریعت، ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب مدظلہ العالی سے صرف تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک یادگار ملاقات دورانِ حج مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن آپ سے اور آپ کے حلقۂ ارادت کے دو مرید (قادری برادارن) یعنی حافظ قاری محمد آصف قادری صاحب اور حافظ قاری محمد عارف قادری صاحب مدظلہما العالی سے بہت ہی محبت صرف اسی واسطہ سے ہے کہ یہ سینے محبتِ مصطفیٰ ﷺ کے انوار سے منور ہیں۔

لپٹا جو دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے وہ یگانہ ہو گیا
جس کے حضور ﷺ ہوگئے اس کا زمانہ ہو گیا

جو محبت مصطفیٰ ﷺ سے دور ہیں ان بے نور روحوں سے ہم بھی دور ہیں ان سے کبھی محبت نہیں ہوسکتی۔

جو تجھ سے یار پھرتے ہیں　　　یونہی دربدر خوار پھرتے ہیں

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی ایک اور مثال:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک بڑھیا حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کی خدمت میں حاضر ہوئی اور

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں [ان الجنة لا تدخلها عجوز] بیشک جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوں گی۔ راوی کہتے ہیں: وہ روتے ہوئے واپس ہو رہی تھی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے خبر دے دو کہ جنت میں بوڑھی عورتیں اس حال میں نہیں جائیں گی کہ وہ اس وقت بھی بوڑھی ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ [اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا] "ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے پس ہم نے بنادیا انہیں کنواریاں۔"

یہاں اہلِ جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی، اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں۔ مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی ہو گئیں تھیں، لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی، مجسم حسن و رعنائی ہوں گی، اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے عرض کرنے پر حضور نے فرمایا:

"یا ام سلمة هن للواتي قبضن في الدنيا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلهن الله بعد الكبر اترابا على ميلاد واحد في الاستواء" (1)

"اے ام سلمہ (رضی اللہ عنہا)! ان سے وہی بیویاں ہیں اگرچہ وفات کے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں، ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔"

نبی کریم ﷺ کے مزاح کی صرف دو مثالیں پیش کیں ہیں۔ مقصد یہ سمجھانا ہے کہ مزاح، خوش طبعی کے طور پر جب کہ اس میں صداقت ہو، کذب بیانی نہ ہو، متکبرانہ انداز نہ ہو اپنی برتری اور کسی کی حقارت بیان کرنا مقصود نہ ہو تو جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مزاح فرمایا لیکن بات حق اور سچ ہوتی صرف سننے والا ابتدائی طور پر دوسرا معنی سمجھ کر بعض اوقات غلطی میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے نبی کریم ﷺ کے کئی اور مزاح بھی "احیاء العلوم" اور کتب احادیث میں ملتے ہیں سب کی نوعیت ایک ہی ہے۔

کسی کو حقیر و ذلیل کرنے کرنے کی غرض سے مزاح ہو یا کسی قسم کا کوئی بھی کلام ہونا جائز ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو عاجز، دوسروں سے کمتر سمجھنا اور دوسروں کو فوقیت دینا اور انہیں اپنے آپ سے برتر سمجھنا ہی "کمال" ہے۔

✽ ✶ ✶ ✶ ✽ ✶ ✶ ✶ ✽

1۔ احیاء العلوم، امام غزالی رحمہ اللہ، ج 3 ص 218 .... مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 9 ص 174
.... تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5 ص 92

فصل دوم

توبہ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ .... (سورۃ التحریم 28:20)

"اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے (سچی توبہ کرو) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے اتار دے اور تمہیں باغوں (جنات) میں لے جائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔"

"نصوحا" مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کا معنی ہے زیادہ نصیحت کرنا، یہ توبہ کی صفت ہے یعنی بہت نصیحت کرنے والی توبہ ہو یعنی ایسی توبہ ہو جو توبہ کرنے والے شخص کو جن گناہوں سے وہ توبہ کر رہا ہے ان کی طرف آئندہ نہ لوٹنے کی نصیحت کرنے والی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مقصد یہ ہوگا' کہ اتنی خالص سچی توبہ ہو کہ جس سے توبہ کرنے والے حضرات خود ہی اپنے نفسوں کو نصیحت کر سکیں۔ [1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ما التوبة النصوح ؟] یا رسول اللہ "توبہ نصوح" کیا چیز ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا:

"ان يندم العبد على الذنب الذی اصاب فيعتذر الى الله تعالى ثم لا يعود اليه كما لا يعود اللبن الى الضرع" [2]

"انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عذر پیش کرے (یعنی گناہوں کی معافی طلب کرے) پھر ان گناہوں کی طرف نہ لوٹے (یعنی پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا) جیسے (دوہا ہوا) دودھ تھنوں کی طرف نہیں لوٹتا۔"

اہل عرب "نصاحة الثوب" کا لفظ بولتے ہیں جس کا معنی لیتے ہیں "کپڑے کو سینا" اور رفو کرنا، اس طرح "التوبة النصوح" کا معنی ہوگا کہ انسان کے گناہوں کی وجہ سے اس کے جو دین میں جو خلل واقع ہوا ہے اس شخص کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اسے پُر کر دے گا، گویا توبہ سے اس کے دین کی چادر کے سوراخ رفو ہو جاتے ہیں۔

عربی زبان میں "عسل ناصح" بولتے ہیں جس کا معنی ہوتا ہے، خالص شہد یعنی ملاوٹ سے پاک و صاف۔ اب

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 30، ص 47 2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14، ص 157

توبہ نصوح کا معنی ہوگا خالص توبہ، سچے دل سے توبہ ہو جس پر انسان قائم رہنے کا عزم صمیم (پختہ ارادہ) کرے اور پہلے نصیحت گناہوں پر نادم ہو، آئندہ گناہوں کی طرف نہ لوٹنے کا وعدہ کرے۔

''النصوح'' بہت نصیحت کرنا' اس معنی کے لحاظ پر ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی توبہ ہو جو دوسرے لوگوں کو نصیحت کرنے والی ہو یعنی لوگ جب توبہ کرنے والے کو دیکھیں کہ یہ شخص کتنا ہی گنہگار تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل و کرم سے کیسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی کہ اب یہ نیک، متقی صالح ہو گیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی گناہوں سے توبہ کریں، نیک متقی بن جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت اور اس کے فضل و کرم سے ہم بھی بہرہ ور ہو جائیں۔

امور اسلامیہ میں سب سے اہم چیز توبہ، مقاماتِ ایمانیہ میں سے اول توبہ، سالکین کے راستہ کا مبدأ توبہ، واصل باللہ ہونے والے حضرات کے دروازہ کی چابی توبہ ہے۔

توبہ اس وقت حقیقت میں توبہ ہوگی جب گناہ کو گناہ سمجھ کر توبہ کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف مدنظر ہو۔ اگر کسی آدمی کو کسی گناہ سے بدن میں کوئی ضرر پہنچے یا مال متاع میں کوئی نقصان ہو وہ ان نقصانات کی وجہ سے گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے کہ میں گناہ کو چھوڑ رہا ہوں تاکہ نقصانات سے بچ سکوں ایسی توبہ در حقیقت توبہ نہیں، اس کی قبولیت کی کوئی امید نہیں۔ ●

صوفیائے کرام کا تقویٰ تو یہاں تک ہے کہ توبہ کرتے وقت جنت میں داخل ہونے کا طمع اور جہنم سے بچنے کا خوف بھی مدنظر نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف ہو، جنت تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حاصل ہو جائے گی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"التوبة ما استجمعت ثلاثة امور، ان يقلع عن المعصية، وان يندم على فعلها وان يعزم عزما جاريا على ان لا يعود الى مثلها ابدا فان كانت تتعلق بادمي لزم رد الظلامة الى صاحبها او وارثه او تحصيل البراءة منه، وركنها الاعظم الندم"

''علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقی توبہ یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جائیں:

(۱) گناہ کو چھوڑ دے۔ (۲) پہلے جو گناہ کر چکا ہے، اس پر نادم ہو۔

(۳) آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ میں گناہ کبھی نہیں کروں گا۔

حقوق اللہ میں یہ تین چیزیں ہیں لیکن حقوق العباد میں ان تین کے علاوہ ایک اور چوتھی چیز بھی ہے: وہ یہ ہے کہ جس کسی کا حق دبایا ہوا ہے وہ اسے لوٹا دے وہ فوت ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹا دے یا اس شخص سے براءت حاصل کر لے یعنی

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 14، ص 158

2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 14، ص 158

وہ اسے معاف کر کے بریٔ الذمہ قرار دے دے۔

توبہ کا سب سے بڑا رکن کیے ہوئے گناہوں پر نادم ہونا ہے۔[وعلامة الندم طول الحسرة و الخوف انسکاب الدمع] نادم ہونے کی تین علامتیں ہیں:

﴿۱﴾: لمبی حسرت یعنی بہت پشیمان رہنا، ہر وقت پشیمان رہنا۔

﴿۲﴾: اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہونا۔

﴿۳﴾: آنسو بہانا یعنی گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خیال کر کے رونا۔

ضابطۂ قبولیت:

جس گناہ کا وہ ارتکاب کر رہا ہے، اس کو توبہ کے لئے چھوڑنا ضروری ہے۔ کافر کی توبہ کفر سے باز آنا۔ مشرک کی توبہ شرک کو ترک کرنا اور منافق کی توبہ منافقت کو چھوڑنا ہے۔

قاعدہ:

صرف توبہ سے ہی گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں، باقی عبادات سے صغائر تو معاف ہوتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے ۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صغائر یا کبائر معاف فرما دے تو اس کی مہربانی ہوگی، البتہ شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ النساء 15:5)

"بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ الزمر 3:24)

"اے محبوب! آپ فرما دیجئے۔ اے میرے بندو! وہ جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"

جب نفسانی جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے انتہائی قبیح حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ جب انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بڑے حلیم الطبع لوگوں کے ہاتھ سے بھی عدل و انصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ غلط ماحول کے باعث غلط نظریات دل میں جم جاتے ہیں، ان حالات میں اگر کوئی شخص گناہوں اور بدکرداریوں سے اپنا دامن آلودہ کر لے اور

اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اور گناہ وعصیاں کی دلدل میں بڑی بے باکی سے بڑھتا چلا جائے گا، اس طرح خود بھی برباد ہوگا اور کئی معصوم زندگیوں کو بھی دفن کر کے رکھ دے گا۔

اسی طرح اگر یہ بات کسی کے ذہن نشین ہو جائے کہ گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کے سامنے ہمارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے؟ ہم کچھ بھی کرتے رہیں، وہ بخش دے گا اور جنت کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ ایسا انسان بھی عمر بھر اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں کھلونا بنا رہتا ہے۔ خونریزی، بدکاری، راہزنی، حق تلفی سے اسے کوئی نفرت نہیں رہتی۔ لوگوں کے حقوق پامال کرنے کے باوجود اور ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کے باوجود اس کے دل میں خلش بھی پیدا نہیں ہوتی جو اس کو بے چین کر دے۔

یہ دونوں کیفیتیں انسان کے لئے سم قاتل (قتل کرنے والا زہر) ہیں اس طرح وہ نہ فقط دوسروں کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے، بلکہ اپنی ذات پر بھی ظلمِ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کو تعمیری صلاحیتیں اور نیکی کی قوتیں بخشی گئی تھیں ان سے اگر وہ صحیح کام لیتا تو آسمان شہرت پر مہر وماہ (سورج وچاند) بن کر چمکتا اور قیامت تک دنیا اس کی نیکیوں کو یاد کرتی، اسے دعائیں دیتی، اب بے کار پڑی رہیں۔ اور برگ وبار (بارش اور ہوا سے جھڑے ہوئے پتے) لائے بغیر ختم ہو گئیں۔

اسلام جو دین فطرت ہے جس کا مقصد اولین فرد کی نشو ونما اور رہنمائی کرنا ہے تاکہ سلجھے اور اصلاح یافتہ افراد سے ایک ایسی قوم معرض وجود میں آئے جو قیادتِ امم (امتوں) کی ذمہ داری سنبھال سکے اور انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے۔ اس لئے اسلام نے انسان کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ خرمستیاں (گدھے کی طرح مستیاں) کرتا رہے، چمنِ حیات کی نازک اور معصوم کلیوں کو مسلتا رہے۔ اور ان کی رنگ ونکہت کو لوٹتا رہے اور اس کے باوجود دل میں اپنی بخشش کا بھی یقین رکھے اور نہ اسلام نے انسان کو مایوسیوں اور ناامیدیوں کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا بلکہ صحیح خطوط پر اس کی تربیت کا پروگرام پیش کیا۔

ایک طرف اسے اپنے اعمال نیک وبد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اُسے ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس کے اچھے یا برے اعمال پر سنتِ الٰہی کے مطابق مترتب ہو کر رہیں گے۔ تاکہ قبول کرنے کے لئے تیار رہے اس کے ساتھ اس کو مایوس بھی نہیں ہونے دیا۔ اسے بتا دیا کہ گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر جب اور جہاں سے وہ نئی پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تمہارے گناہ بے شمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں، معاف کر دیئے جائیں گے تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔ (1)

اس آیت کریمہ میں انسان کو کئی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی امید دلائی ہے تاکہ انسان اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر گناہ گار ہی اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائے، بلکہ سچے دل سے توبہ کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت حاصل کرے۔

(1) گناہ گار انسان کو عبد کہا، عبد کا مطلب ہے محتاج، مسکین۔ اپنے آپ کو حقیر سمجھنے والا، کریم اور رحیم ذات کے لائق ہی یہ

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج4، ص277-278

ہے کہ وہ رحمت وخیر کا فیضان محتاج ومسکین کو پہنچائے۔

﴿۲﴾: رب تعالیٰ نے گناہ گار بندوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا [یاعبادی] اے میرے بندو! گویا اس سے یہ بتایا گیا کہ ایمان والے انسان اگر تو اپنے نفس پر زیادتیاں کر بھی لے تو میں تجھے پھر بھی اپنا بندہ سمجھ کر توبہ کی مہلت دیتا ہوں کیونکہ کوئی اپنے بندے کو بلا وجہ عذاب نہیں دیتا بلکہ مولیٰ تو اپنے بندے کو جہاں تک ممکن ہو کوشش کرتا ہے عذاب سے بچانے کی۔

﴿۳﴾: [اسرفوا علی انفسھم] (جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں) کہہ کر اشارہ فرمایا کہ گناہوں کا نقصان تمہیں ہے، تمہارے گناہوں سے مجھے کوئی نقصان نہیں۔ اگر تم گناہوں سے توبہ کر کے اپنے آپ سے ضرر مٹالو تو مجھے معاف کرنے سے کیا نقصان ہے؟ اگر تم نے اپنے گناہوں کے زنگ کو مٹا دیا تو اب میں اپنے وسیع فضل وکرم سے تمہیں معاف کر دوں گا۔

﴿۴﴾: اور فرمایا [لا تقنطوا من رحمة الله] اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ گویا کہ اپنے کرم کے متعلق فرمایا کہ میں کریم ہوں لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کریم کے کرم سے نا امید نہ ہو۔ وہ اپنے دربار میں آئے ہوئے، معافی کی طلب کا دامن پھیلائے ہوئے اپنے جرموں پر نادم ہونے والے اور آئندہ نہ جرم کرنے کا عزم صمیم (پختہ ارادہ) رکھنے والے اپنے عاجز بندوں کو اپنے کرم سے کبھی مایوس نہیں فرمائے گا۔

﴿۵﴾ پہلے فرمایا [یا عبادی] اے میرے بندو! اس کے بعد عربی محاورہ اور انسانی عقل کے تقاضا کے پیشِ نظر [لا تقنطوا من رحمتی] "(میری رحمت سے نا امید نہ ہو) ہونا چاہیے تھا لیکن اسے چھوڑ کر جب رب کائنات نے اپنی حکمت کے مطابق اس طرح ارشاد فرمایا [لا تقنطوا من رحمة الله] اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ تو اس سے یہ واضح کیا کہ میرا اسم گرامی اللہ ہے جو تمام کامل صفات کا جامع ہے یعنی تمام کامل صفات اس لفظ اللہ میں جمع ہیں جو اللہ وہ رحمٰن، رحیم، کریم غفور اور رحیم بھی ہوتا ہے اور ساتھ جبار وقہار بھی ہوتا ہے۔ اگر تم جرائم کے مرتکب ہوئے، میرے احکام کے باغی ہوئے تو مجھے اللہ سمجھتے ہوئے میری صفات قہر وجبر کو مد نظر رکھنا اور اگر تم عاجز بندے بن کر گناہوں کی معافی طلب کرنے کی غرض سے میرے دربار میں آ گئے تو مجھے رحمٰن ورحیم سمجھنا کیونکہ میں اللہ ہوں۔ جو اللہ ہوتا ہے وہ رحمٰن ورحیم بھی ہوتا ہے۔

﴿۶﴾: [لا تقنطوا من رحمة الله] کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا [ان الله یغفر الذنوب جمیعا] اگر تم نے سچے دل سے توبہ کی، اللہ تعالیٰ بھی تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ یہ نہیں کہ بعض گناہ معاف کرے اور بعض نہ معاف کرے۔ دوبارا اپنا اسم گرامی ذکر کیا اور کہا [ان الله] اور "انہ" نہیں کہا۔ تو اس سے بھی یہ واضح کیا کہ میں تمہیں بار بار بتا رہا ہوں کہ میں اللہ ہوں میری رحمت کے دامن میں آ کر تو دیکھو میں کس طرح بخشش کرتا ہوں۔

۷: [ان اللہ یغفر الذنوب] (بے شک اللہ گناہوں کو بخشے گا) سے مقصد تقریباً حاصل تھا لیکن پھر بطورِ تاکید لفظ "جمیعا" کو ذکر کر کے اپنی وسعتِ رحمت کا اعلان فرمایا کہ میں تمام گناہوں کو بخشنے والا ہوں۔

۸: اپنی صفت غفور ذکر فرمائی جس کے معنی میں مبالغہ ہے یعنی بہت بخشنے والا۔ اس طرح جب انسان توجہ کرے گا کہ میرا رب کریم ہے، بہت بخشنے والا ہے تو مجھے بھی چاہیے کہ میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کر کے اس کی مغفرت سے فائدہ حاصل کرلوں، تاکہ روزِ قیامت عذاب میں مبتلاء نہ ہونا پڑے۔

۹: رب تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کے بعد رحیم ہونے کا ذکر فرمایا کہ مغفرت کے بعد میری رحمت بھی ہوگی۔ میں اپنے انعامات سے بھی نوازوں گا، اس طرح انسان کو متوجہ کیا کہ اے انسان! میری مغفرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اپنے آپ کو پاک صاف کرنے کے ساتھ ساتھ میری رحمت کے ہیرے اور موتی بھی حاصل کرلے۔

۱۰: [انه هو الغفور الرحیم] میں لفظ "انه" کے بعد "هو" کو ذکر کیا۔ عربی گرائمر کے مطابق اس میں حصر کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے جس کا مطلب ہے کہ غفور اور رحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے بغیر کوئی غفور و رحیم نہیں، لہٰذا اپنے گناہوں کی معافی اسی سے مانگو، وہی تمہیں معاف فرمائے گا۔ [1]

سچی توبہ سے ڈاکوؤں کا سردار زمانہ کا ولی بن گیا:

حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں چوروں کے سردار تھے۔ بیابان میں خیمہ لگایا ہوا تھا، خوبصورت موٹا لباس اور صوف کی کلاہ پہنے ہوئے اپنے خیمہ میں بیٹھے رہتے تھے۔ آپ کے احباب و آشنا تمام چور اور ڈاکو تھے۔ چرایا ہوا مال اور ڈاکہ سے لوٹا ہوا مال ان کے پاس لاتے تھے، یہ ہی ان میں تقسیم کرتے تھے۔

ایک رات کو ایک قافلہ کہیں جارہا تھا، اس میں ایک شخص یہ آیۂ کریمہ پڑھ رہا تھا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ .... (سورۃ الحدید 20:27)

"کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا؟ اہلِ ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یادِ الٰہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے"

یہ آیۂ مبارکہ سن کر آپ کے دل پر رقت طاری ہوگئی۔ اور آپ کو راہ ہدایت دکھائی گئی آپ نے اپنے دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کب تک تو رہزنی کرتا رہے گا؟ کیا تو نے خدا کے حکم کو نہیں سنا؟ یہ کہتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری اور روتے ہوئے عرض کرنے لگے: اے مولائے کائنات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں توبہ کر رہا ہوں، تیرے دربار کی طرف رجوع کر رہا ہوں، اس طرح روتے ہوئے خیمہ سے جنگل کی راہ لی۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 13، ص 15 .... تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 27، ص 4-3

وہاں پر ایک قافلہ اترا ہوا تھا، جو آپ کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے کہ فضیل ڈاکوؤں کا سردار ہے، اس کے ساتھی لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہیں۔ ڈاکو ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک عورت پر بھی عاشق ہونے کی وجہ سے راہِ راست سے بھٹکا ہوا انسان ہے۔ وہ کب سیدھی راہ پر آ سکتا ہے؟ آپ نے ان کی باتوں کو سن کر اپنا تعارف کرایا کہ فضیل میں ہی ہوں۔ میں اللہ کے فضل و کرم سے آج سے توبہ کر چکا ہوں، آئندہ مجھے اس جنگل میں کبھی ڈاکہ مارتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔ فضیل نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ (1)

حضرت فضیل کا مقامِ ولایت:

ایک رات ہارون الرشید نے اپنے وزیر برمکی سے کہا کہ مجھے آج کی شب کسی ایسے بزرگ کے پاس لے چلو جس سے میرے قلب کو سکون و راحت ہو۔ وزیر ہارون الرشید کو سفیان کے پاس لے گیا، جب ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو سفیان نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: امیر المؤمنین۔ سفیان نے کہا: مجھے پہلے کیوں نہیں خبر دی تا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے اپنے وزیر کو کہا: یہ وہ شخص نہیں، جس سے میرا دل مطمئن ہو سکے۔ تو وزیر نے کہا: جس شخص کی آپ کو تلاش ہے وہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہو سکتے ہیں۔

ہارون الرشید اور اس کا وزیر جب حضرت فضیل کے گھر پہنچے تو آپ یہ آیۃ کریمہ تلاوت کر رہے تھے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا .... (سورۃ جاثیہ 19:25) "یعنی بد اعمال لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو نیک اعمال اشخاص کے برابر مرتبہ دیں گے۔"

یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا: اگرچہ میرے لئے یہی کافی ہے لیکن پھر بھی دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ وزیر نے دستک دی، آپ نے پوچھا: کون؟ وزیر نے کہا: امیر المؤمنین۔ آپ نے فرمایا: امیر المؤمنین کو مجھ سے کیا کام اور مجھے اس سے کیا واسطہ؟ جاؤ! اپنا کام کرو، میرا وقت ضائع نہ کرو۔ وزیر نے کہا: بادشاہ کی اطاعت لازم ہے، آپ نے پھر فرمایا: مجھے پریشان نہ کرو۔ وزیر نے کہا: ہم حکماً داخل ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اجازت تو نہیں دیتا، البتہ اگر تم شاہانہ حکم سے آنا چاہتے ہو تو میں رد نہیں کر سکتا۔

اس طرح ہارون الرشید اور اس کا وزیر آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنا چراغ گل کر دیا تا کہ بادشاہ مجھے دیکھ نہ سکے، اسی دوران ہارون کا ہاتھ کہیں آپ کے ساتھ چھو گیا۔ آپ نے فرمایا: کتنا نرم ہاتھ ہے، دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ یہ کہہ کر آپ پھر اپنی نماز میں مشغول ہو گئے۔

بادشاہ آپ کی اس بے توجہی کو دیکھ کر رونے لگا اور عرض کیا: کچھ فرمایئے! آپ نے فرمایا: تمہارا باپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

1۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ، ص 75

چچا تھا (یعنی تم عباسیہ خاندان کے ہو) انہوں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صوبہ کی امارت (گورنری) طلب کی تو آپ نے فرمایا: اے چچا! تمہیں تمہارے نفس کا امیر بنایا جاتا ہے یعنی مخلوق کی ہزار سال طاعت کرنے سے نفس کا خالق کی طاعت میں رہنا بہتر ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: کچھ اور نصیحت فرمائیں: آپ نے کہا: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے چند بزرگوں کو بلا کر پوچھا: میں اس بارِ گراں (بھاری بوجھ) کو کیسے اٹھا سکوں گا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر تم قیامت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ضعیف مسلمانوں کو باپ کی طرح، نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح، چھوٹوں کو بچوں کی طرح اور عورتوں کو بہنوں کی طرح سمجھو۔ آپ نے فرمایا: اسلامی ملک ریاست کو گھر کے برابر سمجھو۔ تمام مخلوق کو ماں، باپ، بہن بھائی اور بچوں کے برابر سمجھو۔ ان سے اچھا سلوک رکھو۔ یہ خوف ذہن میں ہمہ وقت رکھو کہ کتنے ہی خوب صورت چہرے آگ میں پڑ کر بدصورت ہو جائیں گے اور کتنے ہی سردار وہاں قید ہو جائیں گے۔ ہر غریب کے حقوق اس تک پہنچاؤ ورنہ قیامت کے دن غریب بڑھیا عورت بھی تمہارے دامن پکڑنے والی ہوگی، جو یہاں بھوکی سوگئی۔

آپ کی یہ نصیحتیں سن کر ہارون الرشید پر گریہ وزاری طاری ہو گیا۔ روتے روتے بے ہوش ہو گیا، پھر ہارون نے آپ سے پوچھا: تم نے کسی کا قرض تو نہیں دینا، آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا قرض میرے ذمہ ہے۔ اگر اس میں کوتاہی ہو گئی، اور ادا نہ کر سکا تو میری حالت افسوسناک ہوگی۔ ہارون نے کہا: میرے پوچھنے کا یہ مقصد تھا کہ آپ نے دنیا میں کسی انسان کا قرض تو نہیں دینا۔ آپ نے فرمایا: نہیں! اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں حاصل ہیں۔

ہارون نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار دیناروں کی تھیلی پیش کی، آپ نے کہا: افسوس!! میری نصیحتوں کا تم پر کوئی اثر نہیں۔ غصہ سے دیناروں کی تھیلی واپس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ بادشاہ اور اس کا وزیر بھی مجبوراً اٹھے آپ نے دروازہ بند کر دیا۔ ہارون نے وزیر سے کہا: واقعی فضیل بن عیاض اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ولی ہیں۔ [1]

سبحان اللہ! یہ فضیل بن عیاض ایک عورت کا عاشق، تمام مال ودولت اور راتیں اس پر قربان کرنے والا، ڈاکو، راہزن، چور، لٹیرہ، ڈاکوؤں کا سردار۔ لیکن توبہ کرنے سے، اپنے گناہوں پر نادم ہونے، گناہوں کو چھوڑنے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے عزم صمیم سے ولایت کے بہت بلند مقام پر فائز ہو گیا۔

گناہ گار بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ، ص 78-77

"للہ اشد فرحا بتوبة احد کم من احد کم بضالته اذا وجدھا" ❶ "اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی گم شدہ چیز کو پا کر خوش ہوتا ہے۔"

دوسری حدیث شریف میں زیادہ وضاحت ہے:

حضرت حارث بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حالتِ مرض میں عیادت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دو حدیثیں بیان فرمائیں: ایک حدیث اپنی طرف سے اور ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ آپ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو خوفناک بے آب وگیاہ جنگل میں ہو۔ اس کے ساتھ ایک سواری ہو جس پر اس کا کھانے، پینے کا سامان لادا ہو تو یہ شخص سو جائے۔ جب بیدار ہو تو دیکھے کہ میری سواری غائب ہے، اس کی تلاش میں نکلے، پیاس غالب آ جائے (عاجز آ کر) کہے: جہاں سے آیا تھا وہاں ہی واپس جا کر سو جاتا ہوں تا کہ موت ہی آ جائے۔ واپس آ کر اپنا سر کلائی کے اوپر رکھ کر سو جاتا ہے تا کہ موت آ جائے لیکن کچھ دیر کے بعد جاگتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بمع کھانے پینے کے سامان کے اس کے پاس کھڑی ہے۔ اس وقت اس شخص کو اپنی سواری اور کھانے پینے کی اشیاء دیکھ کر جتنی خوشی ہوگی، اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوگی۔ ❶

کتنی ہی مرتبہ غلطی سرزد ہو پھر توبہ کرتا ہی رہے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة] "جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے گناہوں پر مصر (قائم رہنا) نہیں رہتا، اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ بھی اس سے غلطی کیوں نہ سرزد ہو۔" ❷

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے، غلطی سے کئی مرتبہ بھی اس کے گناہ سرزد ہو جائیں تو توبہ کرنے سے شرم محسوس نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ توبہ نہ کرنا، گناہ پر نادم نہ ہونا، یہ گناہ پر اصرار ہے اور گناہ پر اصرار سے گناہوں میں زیادتی ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں ہے [لا صغیرة مع الاصرار ولا کبیرة مع الاستغفار] اصرار سے صغیرہ نہیں اور استغفار سے کبیرہ نہیں رہتا۔ یعنی گناہ پر اصرار (بار بار کرنے) سے وہ صغیرہ اپنی پہلی حیثیت پر صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، کتاب التوبہ، ج2، ص354 قدیمی کتب خانہ کراچی

2۔ جامع ترمذی، ج2 ص204...... ابوداؤد، ج2 ص238...... مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ، ج2، ص204

اور اگر کبیرہ بھی سرزد ہو جائے تو توبہ واستغفار کرنے سے وہ کبیرہ نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔ (1)

انسان تو گناہ گار ہی ہے لیکن رب تعالیٰ "غفار" ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم و لجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ فیغفر لھم"

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، ایک اور قوم کو لے آتا جو گناہ کرتے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتا ہے۔"

(صحیح مسلم، ج2، ص355، مشکوٰۃ باب التوبۃ، ج2 ص203)

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ انسان کا گناہوں سے معصوم ہونا، فرشتوں کی طرح ہمہ وقت نیکیوں میں مشغول ہونا، اس نظامِ دنیا کے ہی مخالف ہے کیونکہ دنیا کو امتحان گاہ بنایا کہ کون ایمان لاتا ہے؟ اسی طرح کون نیکیاں کرتا ہے اور کون برائیاں؟ پھر برائیوں سے کون توبہ کرتا ہے اور کون برائیوں پر قائم رہتا ہے؟ توبہ کرنے والوں کو رب تعالیٰ معاف فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کو انعامات دینا پسند ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند ہے کہ گناہ گار اس سے معافی طلب کریں تو وہ انہیں معاف فرمائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون] ہر انسان خطاء کار ہے لیکن اچھے لوگ وہ ہیں جو غلطی کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لیتے ہیں۔ (2)

یعنی انسان ہے ہی بھولنے والا، کثیر غلطیاں کرتا رہتا ہے لیکن رب تعالیٰ مغفرت فرمانے والا ہے، انسان کا کام ہے غلطیاں کرنا لیکن رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کام ہے اپنی رحمت سے مغفرت فرمانا، لیکن انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں۔

اسی لئے اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [واما الانبیاء صلوات اللہ علیھم فاما مخصوصون عن ذالك واما انھم اصحاب صغائر والاول اولی] "جو حکم عمومی ذکر کیا ہے کہ ہر انسان خطاء کار ہے اس سے انبیائے کرام خاص ہیں یا بعض لوگوں کا قول ہے کہ انبیاء کرام سے صغائر سرزد ہوتے ہیں لیکن پہلا قول ہی معتبر ہے کیونکہ صحیح

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج5 ص135

2۔ ترمذی، ج2 ص18 ...... ابن ماجہ ص313 ...... مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ، 204

محققین کا مسلک یہی ہے کہ انبیاء کرام صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان المؤمن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلکم الران الذی ذکر الله تعالیٰ (کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون"

(مسند احمد، رقم الحدیث 7939 .... ترمذی، ابن ماجہ، ص 313 .... مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبۃ، ج ۲، ص 204)

"بے شک مؤمن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ گناہ زیادہ کرنے شروع کر دے تو اس کے دل کی سیاہی زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام دل پر چھا جاتی ہے۔ یہ ان کے دلوں پر زنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) نہیں! نہیں! در حقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔"

حدیث شریف سے واضح ہو رہا ہے کہ جس طرح نیک اعمال سے دلوں میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، ان کے دل کا آئینہ صاف وشفاف ہوتا ہے اسی طرح گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، نورانیت وچمک دمک ختم ہو جاتی ہے، دل زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح لوہے کے زنگ صقل (ذکل) سے دور کیا جاتا ہے اسی طرح دل کے زنگ کو توبہ سے دور کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کی توبہ کا عجیب واقعہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے، پھر علاقہ میں جو شخص بڑا عالم تھا اس سے سوال کیا (کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟) اس نے ایک راہب کی راہنمائی کی۔ وہ شخص اس کے پاس آیا، اسے بتایا کہ میں نے ننانوے قتل کیے ہیں۔ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا: نہیں۔ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا، اسی طرح اس نے سو قتل مکمل کر لیے۔

پھر علاقہ کے کسی بڑے عالم سے سوال کیا۔ اس نے اس کی ایک اور عالم کی طرف راہنمائی کی کہ اس سے سوال کرو۔ اس عالم کے پاس آ کر اس شخص نے بتایا کہ میں نے سو قتل کیے، میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! یقیناً توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا کون سی چیز ہے جو تمہارے اور توبہ کے درمیان حائل ہے؟ جو توبہ قبول نہ ہونے دے، تم فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اپنی زمین (اپنے علاقہ) کی طرف لوٹ کر نہ آنا، یہ برائیوں والی زمین ہے۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 5 ص 135 .... اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج 3، ص 525

وہ شخص چل پڑا........... جہاں عبادت گذار لوگوں کے پاس جانا تھا........... ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ وہ فوت ہو گیا۔ اب رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس شخص کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے: اس کی روح ہم لے کر جائیں گے............ کیونکہ یہ سچے دل سے توبہ کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا...... اسلئے کہ اتنے دور سے نیک لوگوں کے پاس جا رہا تھا۔ عذاب کے فرشتے کہنے لگے: اس کی روح ہم لے کر جائیں اس نے کوئی نیک کام آج تک کیا ہی نہیں۔

اتنے میں ایک اور فرشتہ انسانی شکل میں آ گیا۔ ان فرشتوں نے یہ معاملہ اپنے جھگڑے کا اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا: دونوں طرف زمین کو ناپ لو، جس طرف کی زمین تھوڑی ہے یہ شخص ان کے لئے ہی ہوگا۔ یعنی اگر وہ زمین قریب ہے جس میں نیک لوگ عبادت کر رہے ہیں تو یہ نیک لوگوں کا ساتھی متصور ہوگا کیونکہ یہ زیادہ فاصلہ طے کر چکا تھا تھوڑا باقی رہ گیا تھا۔ اور اگر وہ زمین جو گناہوں والی ہے جہاں سے یہ آ رہا تھا تو ابھی گنہگار ہی متصور ہوگا کیونکہ ابھی اس نے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا اور زیادہ باقی رہتا تھا۔ جب انہوں نے زمین کو ناپا تو وہ زمین قریب تھی جہاں جا رہا تھا۔ تو اس طرح اس کی روح کو ملائکہ رحمت نے لے لیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتایا کہ جب اس شخص پر موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے سینہ کو اٹھایا۔ (یعنی صرف سینہ کا اس سرزمین کی طرف ہونا ہی اس کی بخشش کا سبب بنا)[1]

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

① اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ رب کتنا ہی رحیم ہے۔ انسان جب اپنے جرائم پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دامن میں لے کر اسے معاف فرما دیتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا یہ کتنا بڑا مجرم ہے۔

② یہ واقعہ پہلی امتوں کا ہے۔ ہماری شریعت میں ارادۂ قتل کرنے سے توبہ کے ساتھ ساتھ مقتول کے ورثاء کا معاف کرنا بھی ضروری ہے۔ قتل کے اقسام و احکام کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

③ عابد سے عالم بہتر ہے کیونکہ پہلے وہ شخص راہب کے پاس گیا جو عبادت گذار تو تھا لیکن صاحب علم نہیں تھا، اس لئے وہ اس کی صحیح راہنمائی نہ کر سکا اور خود بھی قتل ہو گیا۔ دوسری مرتبہ ایک عالم کے پاس گیا، اس کی بہتر طریقہ سے راہنمائی کی تو وہ توبہ کی غرض سے جا رہا تھا، باوجود منزل مقصود تک نہ پہنچنے کے وہ بخشا گیا۔ یہ عالم باعمل کی نیک اور درست راہنمائی کا ہی نتیجہ تھا۔

1- صحیح مسلم شریف، امام مسلم قشیری رحمۃ اللہ کتاب التوبہ، ج2 ص359

④ حضرت ابن عباد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ❶] ایک عالم فقیہ بنسبت ہزار عابد کے شیطان پر غالب ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ عابد فقط اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں ہوتا ہے اور عالم باعمل اپنے آپ کو بچانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی بچانے کی سعی کرتا ہے۔

⑤ انسان جب نیکی کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب مرتب کرتا ہے۔ جس طرح یہ شخص اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا لیکن نیکی کے ارادہ اور توبہ کی غرض سے جا رہا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، نیکی کے پختہ ارادہ پر ثواب مرتب فرما دیا۔

⑥ جس سرزمین پر برائیاں ہو رہی ہوں، اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ کسی دوسری جگہ انسان کو چلا جانا چاہئے تاکہ برائیوں کی نحوست سے بچ سکے۔

⑦ نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھنے سے ان کی نیکیوں کے اثرات حاصل ہوتے ہیں، انسان دیکھ کر ان کی نیکیوں جیسی نیکیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے قرب کی وجہ سے اس کو بھی نیک بنا دیتا ہے اور توبہ کی توفیق عطاء فرما دیتا ہے۔❷

فائدہ:

سوال کرنے سے کسی کے علم کی نفی نہیں ہوتی، سوال کرنے میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر جاننے کے باوجود سوال فرمائے، اس سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بخشش اسے لئے فرما دی کہ وہ حقیقتاً سچا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اسے دامن گیر تھا لیکن ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا، جو عیب تو ہے مگر جرم نہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمان کو جلانا حرام ہے۔ تو پھر اسے جائز سمجھ کر اس قسم کی وصیت کرے (مجھے جلا دینا وغیرہ) تو کافر ہو جائے گا۔❸

موت کے یقین ہونے سے پہلے توبہ کرے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرر] بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے، جب تک اس کی جان حلقوم میں نہ آ جائے۔❶

1۔ ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ج 1، ص 34

2۔ شرح صحیح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 359

3۔ شرح صحیح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 359

یعنی جب موت کا یقین نہ ہو تو توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ اگر موت کا یقین آ جائے تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق اس طرح ارشاد فرمایا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ (سورۃ آل عمران پ4ع14)

''اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی (توبہ) جو کافر مرے۔''

یعنی جو لوگ ساری زندگی گناہوں میں گذار دیتے ہیں، اپنی نادانی، بے وقوفی کی وجہ سے توبہ نہیں کرتے۔ زندگی میں تو عیش و عشرت، طرب و نشاط نے انہیں گناہ میں مبتلاء رکھا، ہر قسم کے فسق و فجور میں ملوث رہے لیکن جب موت کا وقت آ گیا پھر کہنے لگے: ہائے میری توبہ! اللہ مجھے معاف فرما۔ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں، البتہ اس کی مرضی ہو تو معاف فرما دے تو اس کی مہربانی۔

موت کا یقین ہونے پر جان کا حلقوم میں آ جانے پر کافر کی توبہ تو قبول نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق ذکر فرمایا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

(سورۃ یونس 14:11)

''اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا، سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آ لیا، بولا: میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب (تو ایمان لاتا ہے، توبہ کرتا ہے) اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا، آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کیلئے نشانی ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔''

یہاں سے واضح ہوا کہ موت کے یقین آنے پر فرعون کو ایمان لانا فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اس کی توبہ اس حال میں قبول نہیں ہوئی، حلقوم میں جان آنے پر کافر کی توبہ کا قبول نہ ہونا واضح ہوا۔

مؤمن اس وقت توبہ کرے جب اسے موت کا یقین ہو جائے تو اس کی توبہ کو ضرور قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ نہیں فرمایا، البتہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، چاہے تو قبول فرمائے، چاہے تو نہ قبول فرمائے۔

1۔ جامع ترمذی بحوالہ ابن ماجہ، ص 314........ مشکوۃ، باب الاستغفار والتوبہ، ص 204

اہل علم نے یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ ابھی جس آیۃ کریمہ اور حدیث شریف کو ذکر کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت بالکل توبہ قبول ہی نہیں لیکن دوسری حدیث سے روح المعانی نے نقل فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ جان حلقوم میں بھی ہو تو پھر بھی توبہ کا وقت ہے۔تو اس طرح ان میں تطبیق ہو جائے گی کہ قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا، ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾ (سورۃ النساء 4:14)

''اور توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں۔ ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اللہ علم حکمت والا ہے۔''

وہ حدیث جو روح المعانی نے نقل فرمائی جس سے پتہ چلتا ہے کہ حلقوم میں جان آنے پر توبہ کی جائے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی موت سے پہلے ایک سال توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا، پھر فرمایا: جس شخص نے موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا، پھر ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی موت سے ایک دن پہلے توبہ کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا: دن بھی بہت ہے جو موت سے ایک گھڑی پہلے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، پھر فرمایا: گھڑی بھی بہت ہے۔ یہ فرما کر اپنے حلق مبارک کی طرف اپنے ہاتھ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص جان کے یہاں آنے پر بھی توبہ کرے تو قبول ہے۔'' [1]

ان آیات اور احادیث میں تطبیق اسی طرح ممکن ہے جیسے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مومن موت کے یقین سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا وعدہ فرمالیا، اس کی قبولیت کا یقین ہے اور اگر موت کے وقت توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو قبول فرمائے اور چاہے تو نہ قبول فرمائے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اپنے جرائم پر قائم رہنے کے بجائے معافی طلب کرے، تاخیر نہ کرے بلکہ جلدی کرے دیر سے یعنی موت کے وقت پر توبہ کی قبولیت پر یقین نہ رکھے۔

نیک انسان بھی توبہ واستغفار کرتا رہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [و اللہ انی لاستغفر اللہ و اتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ] ''قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں ہر دن ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔'' [1]

1۔ تفسیر روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج3، ص239

حدیث شریف میں جو ستر مرتبہ ذکر ہے اس سے مراد کثرت ہے کہ میں بہت ہی زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں کیونکہ دوسری حدیث میں سو مرتبہ استغفار کا ذکر ہے۔

حضرت ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار [لیس لذنب لانه معصوم] کسی گناہ کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی کیونکہ آپ تو معصوم ہیں۔ آپ یہ خیال کر کے توبہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام ہے، اس کے حضور کھڑے ہو کر میں اس کی عبادت اور عجز وانکساری میں کہیں کوتاہی نہ کر دیتا ہوں۔ یہ خیال کر کے اپنے عجز کا اظہار کرنے کے لئے توبہ فرماتے تھے۔

سبحان اللہ!!! کیا ہی شان ہے رب تعالیٰ کی بلند شانوں والے بھی کہتے ہیں: [ما عرفناك حق معرفتك وما عبدناك حق عبادتك] ''ہم نے تجھے ایسے نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے اور ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسے عبادت کرنے کا حق ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی:

''وحث لامته على التوبة والاستغفار فانه صلی اللہ علیہ وسلم مع كونه معصوما و كونه خير المخلوقات اذا استغفر و تاب الى ربه في كل يوم اكثر من سبعين مرة فكيف بالمذنبين'' (2)

''اور آپ نے تعلیمِ امت کے لئے توبہ فرمائی، امت کو اس پر برانگیختہ کرتا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے اور تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہونے کے باوجود ہر دن میں ستر مرتبہ سے زائد توبہ واستغفار فرماتے ہیں تو گناہ گاروں کا کیا حال ہوگا؟ کہ وہ توبہ واستغفار نہ کریں۔''

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شان کے لحاظ پر کوئی بلند وبالا نہیں ہو سکتا تو کوئی شخص اپنی نمازوں صدقات وخیرات اور نیکیوں پر ناز نہ کرے بلکہ ہر حال میں اپنے آپ کو عاجز سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہے، اس سے مدارج بلند ہوں گے۔

کسی مسلمان کے متعلق نہ کہو کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی:

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

1- صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ 203

2- مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 2 ص 123

" ان رجلا قال واللہ لا یغفر اللہ لفلان وان اللہ تعالی قال من ذا الذی یتألّی علیّ انی لا اغفر لفلان فانی غفرت لفلان واحبطت عملك " (او کما قال)

(مسلم،مشکوۃ باب الاستغفار والتوبۃ 204)

" ایک شخص نے کہا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ (اللہ تعالیٰ کے دربار میں جب پہنچے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے کس نے کہا تھا؟ کہ تم قسم اٹھاؤ کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ بے شک میں نے فلاں کی مغفرت کردی اور تمہارے عمل کو ضائع کردیا۔" (اوکما قال)

حدیث پاک سے معلوم ہوا:

① رسول اللہ ﷺ نے آنے والے حالات کو اپنی زندگی مطہرہ میں دیکھ کر بیان فرمادیا۔ یہ مکالمہ قیامت کو ہوگا لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اور اس کے بندے میں گویا کہ یہ بات چیت ہوچکی ہے۔

② انسان کسی کی برائیوں کو زیادہ سمجھ کر اور اپنی نیکیوں پر ناز کرتے ہوئے تکبرانہ انداز سے یہ نہ کہے کہ فلاں کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔

③ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جھوٹی قسم کی سزا دینے کے لئے اور اسے ذلیل کرنے کے لئے اس دوسرے شخص کو بخش دے گا اور اس کے اعمال کو ضائع کردے گا۔ اعمال کے ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سزا ان پر غالب آجائے گی جب عذاب میں مبتلاء ہوگا گویا کہ اس کے نیک اعمال نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔●

یہ خیال رہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ گستاخ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا، شرک کرنے والوں، کفر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اس طرح کہنا جائز ہوگا کیونکہ یہ سب کافر ہیں، یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا۔

❁ ✕ ✕ ✕ ❁ ✕ ✕ ✕ ❁

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج5، ص123

باب سوم

احوالِ قبر

فصل اول

منکر اور نکیر کے احوال

قبر میں انسان کی روح کو لوٹا دیا جائے گا اور فرشتے اس سے سوال کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [فتعاد روحه في جسده فياتيه ملكان فيجلسانه] ❶ انسان کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے وہ آ کر اس شخص کو بٹھالیں گے۔ روح کو لوٹانا' فرشتوں کا آ کر اس شخص کو بٹھانا اور سوال و جواب یہ مومنوں کافروں' نیک' برے سب لوگوں سے ایک جیسا ہوگا۔ البتہ مومنوں اور کفار کے جوابات میں فرق ہوگا' اور قبر میں راحت وعذاب میں فرق ہوگا۔

قبر میں آنے والے فرشتوں کے نام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" اذا اقبر الميت اتاه ملكان اسودان ازرقان يقال لاحدهما المنكر وللآخر النكير "

" جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، دونوں کے رنگ سیاہ ہوں گے، آنکھیں دونوں کی نیلی ہوں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔"

"فان ظهر عن الميت اثر الاسلام سأل عنه المنكر وان ظهر عنه الكفر سأله النكير"

"اگر میت سے اسلام کی علامات ظاہر ہورہی ہوں تو وہ فرشتہ سوال کرے گا جس کا نام منکر ہوگا اور اگر کفر کی علامات ظاہر ہورہی ہوں گی تو سوال کرنے والے فرشتے کا نام نکیر ہوگا۔

(حاشیۂ نبراس ص319)

رنگ سیاہ، آنکھیں نیلی کیوں ہوں گی؟

اللہ تعالیٰ ان کو اس صفت پر (یعنی رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی) اس لئے بھیجے گا تاکہ ان میں دہشت اور ہولناکی پائی جائے "ويكون خوفهما على الكفار اشد ليتحيروا في الجواب" اور ان دیکھ کر کفار متحیر ہو جائیں گے اور ان سے ڈریں

1۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب عذاب القبر، ج1، ص25-26

گے اس طرح وہ جواب دینے میں متحیر ہو گے۔

" واما المؤمنون فلھم فی ذالك ابتلاء فیثبتھم الله فلا تخافون ویأمنون جزاء لخوفھم منه فی الدنیا "

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص203)

" لیکن مؤمنون کی صرف آزمائش ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو ثابت رکھے گا وہ کسی قسم کا کوئی خوف محسوس نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مومن دنیا میں عذابِ قبر اور منکر نکیر سے ڈرتا ہے تو اس وجہ سے قبر میں اللہ تعالیٰ اسے منکر و نکیر سے امن میں رکھ کر دنیا کے خوف کا بدلہ عطا فرمائے گا۔"

ان کے نام منکر اور نکیر کیوں رکھے گئے؟

"منکر" اسم مفعول کا صیغہ ہے "انکر" سے لیا ہوا ہے اور معنی اس میں "نکر والا ہے" یعنی اجنبی ہونا، کسی کو نہ پہچاننا، اسی طرح "نکیر" فعیل کا وزن ہے "نکر" سے ماخوذ اور معنی اس میں بھی مفعول والا ہے۔ یعنی دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے کہ وہ اجنبی کی طرح ہوں گے ان کو کوئی پہچانتا ہی نہیں ہوگا۔ منکر اور نکیر دونوں کا معنی ہوا "نہ پہچانا ہوا" کیونکہ میت کے سامنے ان کی صورتیں اجنبی کی حیثیت ہوگی، اس سے پہلے میت نے ایسی صورت کبھی نہیں دیکھی ہوگی کیونکہ ان کو قبر میں آنے کے لئے اور میت کی آزمائش کے لئے سیاہ رنگ، قبیح صورتیں، نیلی آنکھیں، ایک جگہ ٹکٹکی باندھ کر (دوسرے کو ڈرانے) دیکھنے والی آنکھیں دی گئی ہوں گی، یہ منظر یقیناً میت کے لئے عجیب و غریب ہوگا۔ [1]

تنبیہ:

قبر میں فرشتوں کا آنا، سوال جواب، پھر مومن کو راحت اور کافر کو عذاب کا تعلق صرف قبر سے نہیں، چونکہ اکثر طور پر قبر کا ذکر کیا جاتا ہے ورنہ کوئی شخص مرے اسے درندے کھا جائیں، پانی میں غرق ہو جائے، اسے مچھلیاں کھا جائیں۔ آگ میں جلا دیا جائے اس کی راکھ کو طیارہ کے ذریعے ہوا میں بکھیر دیا جائے پھر بھی سوال و جواب راحت و عذاب کا تعلق ہوگا۔

" ان الله تبارك وتعالی یعلق روحه الذی فارقه بجزئه الاصلی الباقی من اول عمرہ المستمر علی حاله حالتی النمو و الذبول الذی تتعلق به الروح اولا فیحیا و یحیا بحیاته سائر اجزاء البدن لیسئل فیثاب او یعذب ولا یستبعد ذالك فان الله تعالی عالم بالجزئیات والكلیات

" بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ روح کا جسم سے تعلق ٹوٹنے کے بعد پھر انسان کے اس جزء اصلی سے اس کا تعلق قائم کر دیتا ہے جو انسان کی ابتداء عمر سے آخر عمر تک ایک ہی حال پر رہتا ہے خواہ انسان کے جسم میں موٹا پا ہو یا لاغری۔ اس جزء اصلی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ وہ اپنے ایک حال پر برقرار رہتا ہے

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص203

كلها حسب ما هي عليها فيعلم الاجزاء بتفاصيلها و يعلم مواقعها و محالها و يميز بين ما هو اصل و فصل و يقدر على تعليق الروح بالجزء الاصلي منها حالة الانفراد و تعليقه به حالة الاجتماع فان البنية عندنا ليست شرطا للحياة بل لا يستبعد تعليق ذالك الروح الشخصي الواحد بكل واحد من تلك الاجزاء المتفرقة في المشارق والمغارب فان تعلقه بتلك الاجزاء ليس على سبيل الحلول حتى يمنع الحلول في جزء آخر "①

سب سے پہلے روح کا تعلق اس جزءِ اصلی سے ہوتا ہے اس کو زندگی حاصل ہوتی ہے پھر اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ بدن کے تمام اجزاء کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے' اس پر ثواب و عذاب مرتب ہوتا ہے۔ قدرت خداوندی سے کوئی بعید بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جزئیات اور کلیات کو جانتا ہے خواہ وہ کسی حال پر بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انسان کے جسم کے تمام اجزاء کو جانتا ہے، پوری تفصیل اس کے علم میں ہوتی ہے۔ ان کی جگہ، مقامات کو جانتا ہے، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون سے اجزاء اصلیہ ہیں جو ہر حال میں برقرار رہتے ہیں اور کون سے اجزاء وہ ہیں جو موٹاپے کی حالت میں آجاتے ہیں اور لاغری کی صورت میں جدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے روح کا تعلق جسم اور بدن کے تمام اجزاء سے اجتماعی حالت میں قائم فرمایا اسے یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ وہ جسم کے اجزاءِ اصلیہ سے انفرادی حالت میں روح کا تعلق ان سے قائم کر دے کیونکہ ہمارے نزدیک زندگی کے لئے جسم کا پورے بدن کی صورت میں ہونا ضروری ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ ایک انسان کی ایک ہی روح کا تعلق اس انسان کے ہر جزء سے جوڑ دے خواہ اس کے اجزاء مشرق و مغرب میں بھی کیوں نہ ہوں کیونکہ زندگی کے لئے صرف یہ روح داخل ہو کر اس کے اندر سما جائے گا تو پھر دوسری جزء میں کیسے سمائے گا۔ یہ صورت ہی نہیں بلکہ روح کا تعلق جسم کے تمام اجزاء سے قائم کر دیا جائے گا وہ اجزاء خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔

رئیس المحققین والمدققین، شہبازِ خطابت، منبع جود و سخاوت، صاحبِ حسنِ سیرت، پیکر اخلاص و محبت، شاہ شفقت و عنایت استاذی المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف نے مشکوٰۃ شریف پڑھاتے ہوئے............ غالباً مشکوٰۃ شریف میں نے آپ سے جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں پڑھی............ ارشاد فرمایا:

> اس کی مثال سمجھنے کے لئے سورج کو مدنظر رکھا جائے، یہ عقدہ ایک لمحہ میں حل ہو جائے گا' جس طرح سورج کا تعلق تمام روئے زمین کے نباتات سے ہے زمین کے کسی حصہ میں کوئی پودا بھی ہو وہ اپنی نشو ونما میں سورج سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور سورج کی شعاعوں سے تمام روئے زمین کا ایک حصہ منور ہو رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نباتات کو سورج کی شعاعوں سے فیضان

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر ج 1 ص 203

لینے اور مشرق و مغرب کی زمین کے تمام حصوں کو جگمگانے میں میں کوئی مشکل درپیش نہیں اور سورج کو اپنا فیضان پہنچانے میں کوئی دقت حاصل نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کیسے بعید ہو سکتا ہے کہ روح کا تعلق جسم کے تمام اجزاء سے خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں ہوں نہ ہو سکے۔

اہم فائدہ:

جس طرح ایک شخص سے ایک روح کا تعلق اس کے تمام اجزاء سے ہوتا ہے خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ اسی طرح "حقیقت محمدیہ ﷺ تمام کائنات میں موجود ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ "عقیدہ حاضر و ناظر" میں واضح کیا ہے۔

دو فرشتے تمام مُردوں سے کیسے سوال کریں گے؟

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: [و کیف یسالانهم فی وقت واحد مع کثرتهم فی الآفاق و الاطراف و بعد المسافة شرقا و غربا قیل جمیع الارض مکشوف لهما وفی نظرهما کما لملك الموت ●] "دو فرشتے منکر اور نکیر تمام فوت ہونے والوں سے کیسے سوال کریں گے حالانکہ کثیر تعداد میں لوگ بیک وقت فوت ہوتے ہیں اور دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، کوئی مشرق میں ہوتا ہے اور کوئی مغرب میں اتنی دوری کے باوجود صرف دو فرشتوں کا ہر جگہ پہنچنا کیسے ممکن ہو سکے ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام روئے زمین ان پر منکشف ہوگی، سب مرنے والے ان کی نظر کے سامنے ہوں گے جس طرح ملک الموت فرشتہ (حضرت عزرائیل علیہ السلام) تمام روئے زمین میں ایک وقت کتنے ہی لوگ فوت ہونے والے کیوں نہ ہوں، سب کو جانتا بھی ہے، سب تک پہنچتا بھی ہے، سب کی روحیں قبض کرتا ہے۔"

میت اپنے اصحاب کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان العبد اذا وضع فی قبره و ولی عنه اصحابه انه یسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فیقعدانه"

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ ص 26)

"بے شک انسان کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، دو فرشتے آ کر اسے بٹھا لیتے ہیں (پھر سوال کرتے ہیں)

"قال ابن الملك ای صوت دقها وفیه دلالة علی حیاة المیت"

"ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ حقیقتاً جوتوں کی آواز سنتا

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر ج 1 ص 204

فی القبر لان الاحساس بدون الحیاۃ ممتنع عادۃ و ان المیت یعلم من یکفنہ فمن یصلی علیہ ومن یحملہ و من یدفنہ "[1]

ہے، یہ حدیث پاک میت کی قبر میں زندگی پر دلیل ہے اس لئے کہ بغیر زندگی کے احساس یعنی سننا عادۃً منع ہے اور بے شک میت اپنے کفن دینے والے، نماز جنازہ پڑھنے والے، چارپائی اٹھانے والے اور دفن کرنے والے کو جانتا ہے۔"

میت کو بٹھانے کی کیا وجہ ہوگی؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" یمکن ان یقوم من الفزع و الخوف والھیبۃ والدھشۃ و الحیرۃ فیقعدانہ و یحتمل ان یراد بالاقعاد الایقاظ والتنبیہ وانما یسألان عنہ باعادۃ الروح "

(مرقاۃ المفاتیح، باب اثبات عذاب القبر، ج 1، ص 198)

"ممکن ہے کہ میت منکر اور نکیر کو دیکھ کر گھبراہٹ میں مبتلاء ہوجائے، اس پر خوف و ہیبت طاری ہو جائے، دہشت اور حیرت میں آ کر کھڑا ہو جائے تو منکر نکیر اس کو ابتداء تسلی دے کر بٹھالیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے "اقعاد" بٹھانے کے معنی میں نہ استعمال ہو بلکہ بیدار کریں گے متنبہ کریں گے اور ان کا سوال ہی روح کو لوٹانے کے بعد ہوگا۔"

یہ سوال و جواب میت کی قبر کی (برزخی) زندگی پر دلالت کر رہے ہیں۔

❁ ✻✻✻ ❁ ✻✻✻ ❁

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 198

فصل دوم

سوالاتِ منکر نکیر

قبر میں تین سوال:

﴿۱﴾: پہلا سوال: میت سے کریں گے "من ربك" تیرا رب کون ہے؟

﴿۲﴾: دوسرا سوال یہ ہوگا "ما دینك" تیرا دین کیا ہے؟

﴿۳﴾: تیسرا سوال یہ ہوگا "ما تقول فی ھذا الرجل محمد" اس شخص محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟ [1]

ایک ہی وقت میں نبی کریم ﷺ تمام قبروں میں کیسے ہوں گے؟

اس تیسرے سوال کے متعلق کہ............ یہ پوچھا جائے گا کہ............ اس شخص محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟ یہ سوال ہر میت سے ہوگا۔ ایک وقت مرنے والے کئی لوگ ہوتے ہیں کوئی کیسے ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے قبر میں تشریف لانے کی کیفیت کیا ہوگی؟

جواب:

اس عقدہ کو حل کرتے ہوئے استاذ المحققین والمدققین، رئیس الاذکیاء استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ............ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور............ نے فرمایا:

"نبی کریم ﷺ کا عام لوگوں کی قبر میں موجود ہونا معنوی ہوگا یعنی آپ کا عکس و پرتو صاحبِ قبر کے سامنے ہوگا اور کچھ ان سے زائد مراتب والے لوگوں کی قبروں اور نبی کریم ﷺ کے مزارِ انور کے درمیان سے حجاب اٹھا لئے جاتے ہیں اور اگر مزید مرتبہ رکھنے والے حضرات ہوں گے تو ان کی قبروں میں نبی کریم ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لا کر جلوہ گر ہوں گے۔ جب موت دینے والا فرشتہ ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ایک وقت میں کئی جگہ

1۔ صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ ص 25

حاضر ہوسکتا ہے، تو نبی کریم ﷺ کا ایک وقت میں کئی جگہ تشریف لے جانا کیسے منع ہوگا؟ جبکہ وہ بھی اللہ کی قدرت پر موقوف ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کرلیا جائے کہ وہ کیسے نبی کریم ﷺ کو تمام جگہ پہنچادے گا؟ رب قدوس کی شان میں اور قدرت میں تردّد رکھنا تو یقیناً کفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو قادر تسلیم کرلیا جائے اور پھر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ ہر جگہ جاسکیں تو اس کا مطلب معاذ اللہ یہ ہوگا کہ آپ کی شان کو شیطان سے بھی کم درجہ دے دیا جائے کیونکہ شیطان کو رب تعالیٰ نے ہر جگہ جانے اور انسانوں کو وسوسہ ڈالنے کی اجازت دے دی ہے، اسے یہ طاقت بھی حاصل ہے کہ وہ ہر جگہ جاتا بھی ہے۔"

اصل میں یہ تینوں قول مرقاۃ باب اثبات عذاب القبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں۔ استاذی المکرم حضرت مفتی محمد حسین صاحب نے ان میں ہی تطبیق دی ہے۔

پہلا قول:

"وفی الاشارة ایماء الی تنزیل الحاضر المعنوی منزلة الصوری مبالغة"

لفظ "ہذا" اسم اشارہ ہے، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کا قبر میں تشریف لانا معنوی طور پر ہوگا جو کہ صوری کی طرح ہی ہوگا۔ اسم اشارہ کو ذکر کرنے میں مبالغہ ہے یعنی نبی کریم ﷺ کا عکس اور تمثیل سامنے ہوں گے، بالکل یہی صورت سمجھ آئے گی آپ خود بذاتہ تشریف فرما ہیں۔

دوسرا قول:

" رفع الحجب بین المیت وبینہ ﷺ حتی یراہ و یسئل عنہ" "میت اور نبی کریم ﷺ کے درمیان سے حجاب اٹھالئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہوگا اور اس وقت اس سے سوال کیے جارہے ہوں گے۔"

خیال رہے کہ اس قول کو مرقاۃ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے رد کے لئے ذکر کیا گیا ہے تاہم ایک قول ہے جیسے کہ خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ تحریر کئے "علی ما قیل" جیسے کہا گیا ہے۔

تیسرا قول:

"و علی تقدیر صحته یحتمل ان یکون مفیدا لبعض دون بعض و الاظهر ان یکون مختصا بمن ادرکه فی حیاته" جب یہ تسلیم کیا جائے کہ اسم اشارہ "ہذا" کا استعمال اسی لئے ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر میں خود تشریف فرما ہوں گے تو اس

و تشرف برؤیته طلعته الشریفة "① کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض قبروں میں تشریف لاتے ہوں اور بعض میں نہ آتے ہوں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو ظاہری حیات میں پایا ہے یعنی صحابہ کرام ان کی قبروں میں خود تشریف لے جاتے ہوں، یا اسی طرح آپ کی زیارت سے کوئی شخص بھی کسی وقت میں مشرف ہوا تو اس کی قبر میں آپ خود بنفس نفیس تشریف لے جاتے ہوں۔

یہ تین قول اگرچہ اس مسئلہ میں تین قسم کے مذہب ہیں لیکن ان تمام میں تطبیق دے کر بطور محاکمہ قبلہ مفتی صاحب مدظلہ العالی نے ان تمام کو جمع کیا ہے۔

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف:

حضرت پیر صاحب نور اللہ مرقدہ کا مؤقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود تشریف لاتے ہیں۔ اسم اشارہ کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ لفظ "ہذا" مفرد مذکر محسوس مبصر پر دلالت کرے۔ یہ اس کا حقیقی معنی ہے اور قانون ہے کہ کسی لفظ کا حقیقی معنی لیا جا سکے تو مجازی معنی نہیں لیا جاتا۔ اس لئے لفظ ہذا کے حقیقی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

اس مسئلہ پر سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا مؤقف مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے شیخ الحدیث صاحب کے سامنے پیش کرنا اور حج میں جاتے ہوئے دورانِ سفر مدرسہ کے ایک طالب علم مولوی صاحب سے گفتگو فرمانے کا مکمل واقعہ نقل کر رہا ہوں جو بہت ہی مفید ہے کیونکہ یہ بہت ہی علمی بحث ہے۔

درودِ مستغاث پر گفتگو:

❁ جہاز میں ایک صاحب درودِ مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ: [المستغاث الی حضرة الله تعالی الصلوة والسلام علیك یا رسول الله] اللہ تعالیٰ کے حضور آپ سے ہی فریاد طلب کی جا رہی ہے، یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر صلوۃ وسلام ہو بار بار آتا ہے۔

یہ درود شریف اکثر بزرگانِ دین اور خصوصاً حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور ان کے متوسلین کے معمولات سے ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ناغہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس میں عجیب و غریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے مؤلف کے متعلق ان نواح میں طبع شدہ نسخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مجھے رجب ہندی کی دکان واقع مدینہ عالیہ پر اس کا ایک نسخہ مطبوعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام "سید احمد کبیر رفاعی" تحریر تھا۔ جو مشاہیر عراق میں سے ہوئے ہیں اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ان سے مستفیض تھے۔ آپ

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر، ج 1 ص 199

کے ملفوظات کا مجموعہ "البرھان المؤید" کے نام موسوم ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی کے بھائی مولوی ظفر احمد تھانوی نے کیا ہے اور مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اس پر تقریظ تحریر کی ہے۔

اگر درودِ مستغاث شریف حضرت احمد رفاعی کی ترتیب ہے تو ندائے غائبانہ کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ کا عمل دلیل بن جاتا ہے جس کی ولایت پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

جن وظیفہ خواں حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا وہ خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی (ہزاروی) رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ جب مکرانی مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جواز میں ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا "حدیثِ بخاری" (جس کی وضاحت آرہی ہے) وہ کہنے لگے: حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی تیس برس سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں اور ایسی ندائے غائبانہ کو............ ناجائز ......قرار دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: حاجی صاحب بھی ہماری طرح کے ہی ایک انسان ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا: کیا ان کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ دیں گے۔ فرمایا: ہاں! کہہ دوں گا۔

ان دِنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی مدرسہ صولتیہ کی صدارت پر متمکن تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا کیونکہ اگلے سال ہی ۱۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ جہاز میں حضرت سے درود مستغاث پر گفتگو کرنے والے مولوی صاحب مدرسہ صولتیہ میں طالب علم تھے اور وطن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے مکہ شریف میں پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے وہ صاحب ملیں تو انہیں لے آیئے گا، ان کے دلائل سنیں گے مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس مولانا محمد غازی جوش میں آگئے اور انہوں نے حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور اَدق (پیچیدہ) علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔ [1]

استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت گولڑوی سے پہلی ملاقات:

مولانا غازی موچی کڈی علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔ مولانا احمد حسین کانپوری سے تعلیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علمِ حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علومِ متداولہ میں تبحر رکھتے تھے، خصوصاً علمِ تجوید و قرأت میں مہارتِ تامہ تھی۔

جب حضرت قدس سرہ سے ملاقات ہوئی تو اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے مستعفی ہو کر گولڑہ شریف آگئے اور باقی زندگی اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزار دی۔ حضرت آغا جی صاحب (حضرت پیر مہر علی شاہ

1۔ مہر منیر ص 117-118 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی) کے پہلو میں دفن ہیں۔ ردِ وہابیت میں "عجالہ" آپ کی یادگار تحریر ہے۔

حضرت بابو جی (پیر غلام محی الدین مدظلہ) کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام معین الدین المعروف جناب بڑے لالہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاذ محمد غازی صاحب فرماتے تھے:

کہ ابتداءً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا چرچا ہوا کہ پنجابی سید بڑا عالم فاضل اس سال حج کے لئے آیا ہے اور اس کی مکرانی طالب علم سے درود مستغاث پر جہاز میں گفتگو کا حال بھی معلوم ہوا تو انہیں دیکھنے کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کئے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا۔ جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جونہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہوگئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔

میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آنسو چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا، کیسی شیخی سے آیا تھا کیسے رو رہا ہے؟ مگر جب میں نے بالآخر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے ہم سے حال دریافت کیا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کار میں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش قیام کے لئے عرض کیا تو آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: مولوی صاحب!! میرے لئے یہی جگہ اچھی ہے لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا: اچھا! وہیں ٹھہر جاؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کیلئے سہولت ہوگی۔ یہاں بپاسِ ادب بہت دور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ ان دنوں حضرت پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یادِ خدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاذبیت ہوتی، جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا: مولوی صاحب! آپ کی والدہ صاحبہ کا تقاضہ ہے کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی فنِ قرأت میں کچھ اسباق مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں، سند لے کر ان شاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: مولوی صاحب! کیا ہوا "ابراہام" نہ پڑھا "ابراہیم" پڑھ لیا۔

بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا۔ مغربی استاذِ محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا: اچھا! میں پڑھتا جاتا ہوں، آپ سنتے جائیں تاکہ اس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے۔ لہٰذا اس طور سے تکمیل کی۔[1]

1۔ مہر منیر، ص 118 مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

مولانا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات:

مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پوچھا: جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے (بطورِ معذرت کہا کہ) آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے؟ فرمایا: میں جائز سمجھتا ہوں، مولانا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ" کی نداء حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں۔

حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث (یعنی مسلم و بخاری میں بھی ہے) کہ نکیرین مردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے "ماکنت تقول فی هذا الرجل محمد" (تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے تھے) ہذا موضوع محسوس مبصر کے لئے اور الرجل موضوع ہے مذکر مفرد کے لئے جو آدم سے ہو۔ لہٰذا وہاں قبر میں محسوس مبصر مرد کا ہونا ضروری ہے اور وہ خود آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلافِ اصل ہے۔ جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسبِ مضمونِ حدیث مذکور ہر جگہ رسول پاک ﷺ کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہوگئے اور فرمایا کہ یہ علم لدنی ہے۔ ہم سالہا سال بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کئے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور مصنف مزاج عالم تھے، اس لئے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمالیا۔

اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و ملفوظات میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ایک مکتوب بھی قابل دید ہے، آپ کی کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" کے آخر میں ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔ [1]

دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ:

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی

1۔ مہر منیر، ص 119 مطبوعہ گولڑہ شریف

ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوئی، آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ پہلی حدیث لفظ [یطوف] آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ کے کسی نہ کسی اسم صفاتی کا مظہر ہوتا ہے اور دیگر اسماء اس اسم کے معاون اور ماتحت ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اسم ہادی کے مظہر ہوتا ہیں اور اس اسم کے دو معاون اسماء کی معاونت سے اس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجال اسم مضل کا مظہر ہے اور اس اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اس اسم کا طواف کر رہا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی اس تاویل کا ماخذ فتوحات مکیہ تھا اور مولانا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی یعنی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشاہدہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک [یھدی من یشاء] کے اسباب میں سرگرم عمل و کمر بستہ ہے۔ ہادی اور مضل کا موصوف چونکہ ذات واحدہ ہے لہٰذا عالم رؤیا میں آنحضرت ﷺ کا ایک ہی بیت اللہ مشہود ہوا۔ دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے، ہمارا ایمان ہے کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔ [1]

آمدم برسر مطلب:

منکر نکیر کے قبر میں سوالوں کا ذکر ہوا تھا۔ ایک سوال [ما تقول فی هذا الرجل محمد] پر بحث کچھ طویل ہوگئی، اب ان سوالوں کے جوابات پھر ان جوابات پر فرشتوں کا ارشاد اور قبر کا عذاب، پھر چند گناہوں سے عذابِ قبر جو حدیث سے ثابت ہے، پھر ایمان والوں کا منکر نکیر کو جواب دینا اور ان پر انعام و اکرام، قبر میں ان پر راحت، پھر اصحابِ قبور سے استمداد۔ صحابہ کرام، اولیائے کرام، علمائے کرام کا امداد حاصل کرنا ذکر کروں گا۔

ان شاء اللہ اسی ترتیب کو مدنظر رکھنے کا ارادہ ہے۔ اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس طرح مختلف احادیث مبارکہ کے مفہوموں کو جمع کرنے میں آسانی ہوگی۔

1۔ مہر منیر، حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ، ص 120-119 مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

فصل سوم

کفار کا منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دینا

منکر ونکیر کے تینوں سوالوں کا جواب کافر دے گا ''ھاہ ھاہ لا ادری'' جس طرح کوئی شخص مبہوت ہو، متحیر ہو تو بلا اختیار بڑبڑا کر بولتا رہے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ میں کیا لفظ نکال رہا ہوں، کیا نکالوں؟ ایسے ہی کفار کے جوابات میں ہاہ ہاہ کا کوئی خاص معنی نہیں ہوگا۔ یہ فقط چیخنا، چلانا ہوگا۔ جس طرح پریشانی میں ہم ہائے ہائے کرتے ہیں۔ جواب کا مطلب: ہاہ، ہاہ۔ میں نہیں جانتا۔ ❶

آسمانوں سے آواز:

''فینادی مناد من السماء ان کذب فافرشوہ من النار و البسوہ من النار''

آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دے گا: یہ جھوٹا ہے، اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو۔

یہ شخص جو یہ کہہ رہا ہے ''لا ادری'' میں نہیں جانتا گویا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مجھ میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے درایت (سمجھ) عطاء ہی نہیں کی تھی، یہ اس میں جھوٹا ہے۔ اس نے تو اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، دینِ اسلام کی حقانیت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تھا۔ اب اس کا کہنا مجھے سمجھ عطاء نہیں ہوئی تھی، سراسر جھوٹ ہے۔

''و افتحوا لہ بابا الی النار قال فیأتیہ من حرّھا و سمّھا'' (مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر ج1، ص26)

اس کے کے لئے آگ تک دروازہ کھول دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس (کافر) کی قبر تک آگ کی شدید گرمی اور گرم لو پہنچے گی۔''

یعنی اس شخص کی قبر کا براہِ راست جہنم کی آگ سے تعلق ہوگا۔ جہنم سے اس کی قبر تک ایک دروازہ کھول دیا جائے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، تا قیامت یہ قبر کے اس عذاب میں مبتلاء رہے گا کہ قبر میں ہی جہنم کی شدید حرارت میں پگھل رہا ہوگا، گرم لو سے اس کا جسم جھلس رہا ہوگا۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر ج1، ص26

"و یضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه"
(مشکوۃ المصابیح، ج1، ص26)

"اس شخص پر اس کی قبر تنگ کردیا جائے گا یہاں تک کہ قبر میں اس کی پسلیاں مل جل جائیں گی۔

یعنی قبر اس طرح تنگ ہوگی کہ اس کے دبانے سے اس شخص کی پسلیاں دائیں طرف کی بائیں اور بائیں طرف کی دائیں ہوجائیں گی۔ اس طرح مل جل جائیں گی جس طرح کسی ٹوٹنے والی چیز کو ہاتھوں میں لے کر دونوں ہاتھوں سے دبایا جائے تو ٹوٹ جائے اور خلط ملط ہوجائے۔

قبر میں برے عمل کا بری شکل میں آنا:

" و یأتیه رجل قبیح الثیاب منتن الریح فیقول ابشر بالذی یسوؤك هذا یومك الذی کنت توعد فیقول من انت فوجهك یجیء بالشر فیقول انا عملك الخبیث فیقول رب لا تقم الساعة "

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمۃ اللہ، باب مایقال عند من حضرہ الموت، ج1 ص143

"قبر میں کافر کے پاس ایک شخص آئے گا جو بہت بدصورت ہوگا، اس کے کپڑے بہت گندے ہوں گے، اس سے بدبو آرہی ہوگی، وہ اسے کہے گا: تم خوش ہوجاؤ! تمہیں پریشان کن عذاب ملنے والا ہے، یہی وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا رہا اور عذاب کا وعدہ کیا جاتا رہا، وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت بدصورت ہے جو شر ہی شر لارہا تھا۔ وہ کہے گا: تمہارا برا عمل ہوں وہ قبر والا شخص کہے گا: اے میرے رب! قیامت کبھی قائم نہ ہو۔"

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ اعمال کو جسمانی شکل دی جائے گی جیسے زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال سانپ کی شکل میں آکر اس کے لئے عذاب بن جائے گا۔

برے اعمال سے مراد عام ہے: برے عقائد، برے اعمال، برے اخلاق سب کو شامل ہے۔ اعمال بد کو جو شکل دی جائے گی وہ بری ہوگی، پھر اسے جسمانی شکل دے کر جو لباس دیا جائے گا وہ برا ہوگا۔ جس سے واضح ہورہا ہے کہ برے اعمال سے بچنا ضروری ہے۔ بدبو آئے گی، اس سے پتہ چلا کہ برے اعمال گندگی کا ڈھیر ہیں۔

قبر میں عذاب دینے کے لئے اندھے، بہرے کا مقرر ہونا:

"ثم یقیض له اعمی اصم معه مرزبة من حدید لو ضرب بها جبل لصار ترابا فیضربه ضربة یسمعها ما بین المشرق والمغرب الا الثقلین فیصیر ترابا ثم یعاد فیه الروح"

"پھر اس پر اندھا اور بہرہ مسلط کردیا جائے گا جس کے پاس لوہے کی گرز ہوگا۔ اگر اس سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی کی طرح ذرہ ذرہ ہوجائے گا پس اسی گرز سے اس شخص کو مارا

جائے گا۔جس کی آواز کو مشرق ومغرب والے سنیں گے سوائے انسانوں اور جنوں کے،وہ انسان (تباہ ہو کر) مٹی ہو جائے گا پھر اس کی روح کو لوٹا دیا جائے گا۔"

(مسند احمد،ابوداؤد،رقم الحدیث:4753،مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر،ج1،ص26)

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ اس شخص کو عذاب دینے میں اس پر کسی قسم کا رحم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس پر اندھے کو مسلط ہی اس لئے کیا جائے گا کہ نہ اس کی آنکھ ہو، نہ دیکھ سکے اور نہ ہی اس کی حالتِ زار اسے نظر آسکے اور نہ رحم کر سکے۔اسی طرح اس کا بہرا ہونا بھی اسی مقصد کے پیش نظر ہو گا کہ اس کی چیخ و پکار، آہ وزاری، فریاد کو سن کر اسے رحم نہ آئے،لہٰذا عذاب دینے کے لئے بہرا مقرر ہو گا تا کہ نہ سنے اور نہ رحم کرے۔

اس ضرب کی آواز اور اس شخص کے چیخ چلانے کی آواز سوائے انسانوں اور جنوں کے سب سنیں گے اس حدیث مذکور میں [فیضربه ضربة یسمعها] ہے جس کا معنی ہے وہ اس سے ماریں گے اور اس ضرب کی آواز سنیں گے (سوائے ثقلین کے) اور دوسری حدیث مشکوۃ کے اسی باب میں ہے:

"ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة یسمعها من یلیه غیر الثقلین"[1]

"لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے ایسا ماریں گے کہ وہ چیخ چلائے گا اس کی چیخ وپکار کو اس کے قریب جتنی چیزیں ہوں گی سب سنیں گے سوائے انسانوں اور جنوں کے۔"

اب مفہوم اس طرح واضح ہوا کہ قبر میں اندھا، بہرا اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے گا جس کی ضرب کی آواز اور اس شخص کی مار کی وجہ چیخ وپکار کو فرشتے اور تمام حیوانات، حشرات الارض وغیرہ سنیں گے سوائے ثقلین کے یعنی یہ نہیں سن سکیں گے ثقلین سے مراد انسان اور جن ہیں کیونکہ ثقل کا معنی ہے وزن، بھاری ہونا، بوجھ۔چونکہ انسان اور جن بھی اللہ تعالیٰ کی زمین پر بوجھ ہی ہیں اس لئے ان کو ثقلین کہا گیا ہے۔

جنوں اور انسانوں کے نہ سننے میں حکمت ہے کہ ان کا "ایمان بالغیب" برقرار رہے۔اگر ان کو یہ چیخ وپکار سنا دی جائے تو وہ ڈر کے مارے مجبوراً ایمان لے آئیں گے۔اس طرح کا ایمان بھی معتبر نہیں اور ان لوگوں کا ایمان تو ظاہری اسباب اور حواس سے حاصل ہوتا ہے "ایمان بالغیب" نہ رہتا حالانکہ اصل تو وہ ایمان معتبر ہے جو غیب پر ایمان ہو اللہ تعالیٰ، ملائکہ، جنت و دوزخ وغیرہ تمام پر ایمان صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات پر اعتبار کرتے ہوئے لایا جاتا ہے اور یہی ایمان معتبر ہے۔اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لانے کا مطالبہ یہود کا تھا جو اس مطالبہ کی وجہ سے رب تعالیٰ کی گرفت میں آگئے تھے۔

دنیا کو انسان کا مقامِ امتحان بنایا گیا ہے۔اگر قبر میں دیئے جانے والا عذاب اور قبر والے کی آواز کو سنا دیا جاتی تو یہ

1۔ مشکوۃ المصابیح،خلیب تبریزی رحمہ اللہ،باب اثبات عذاب القبر ج1 ص25

مقامِ امتحان نہ رہتا۔ اگر لوگ آواز سن لیں تو اتنے خوف زدہ ہو جائیں کہ ہر قسم کی تدبیر، صنعت کاری، کاروبار چھوڑ دیں اس طرح اسبابِ معیشت، ذرائع آمدنی منقطع ہو جائے۔ نظامِ عالم دنیا معطل ہو کر رہ جائے۔

دنیا کا نظام بے وقوفوں سے بھی قائم ہے۔ [لولا الحمقی لخربت الدنیا] اگر بے وقوف نہ ہوتے تو نظام دنیا برباد ہو جاتا۔ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا: تم نے حکمت کس سے سیکھی؟ تو آپ نے کہا: نابینوں سے کہ جب وہ قدم رکھنے کی جگہ کا یقین نہ کر لیں اس وقت تک قدم نہیں رکھتے۔ اس طرح بے وقوفوں کو دیکھ کر انسان عقل حاصل کر لیتا ہے، بے وقوف سے عبرت حاصل کرنا کمال ہے، اس جیسا ہو جانا حماقت ہے۔

دنیا کا نظام امید سے بھی قائم ہے۔ [لولا الامل لاختل العمل] ''اگر امیدیں نہ ہوتیں تو تمام کاموں میں خلل واقع ہوتا۔ اسی طرح انسان کو دنیا کے مال و دولت کی لالچ اور بڑی بڑی امیدوں میں لگا کر قبر و آخرت سے غافل کر کے اس دنیا کو امتحان گاہ بنا دیا۔ ❶

قبر میں سانپوں کا ڈسنا:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعۃ و تسعون تنینا تنھسہ وتلدغہ حتی تقوم الساعۃ لو ان تنینا منھا نفخ فی الارض ما انبتت خضراء'' ❷

''کافر کی قبر میں ننانوے سانپ مقرر کیے جائیں گے جو اسے نوچیں گے اور ڈسیں گے، یہ سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا، ان میں سے اگر ایک سانپ زمین میں پھونک مار دے تو زمین پر کوئی سبزہ نہ اُگے۔''

وضاحت حدیث:

سانپ عذاب اور اذیت دینے کے لیے قبر میں مسلط کیے جائیں گے۔ [تِنِّیْن] اس سانپ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا (اژدہا) ہو اور بہت ہی زیادہ اس میں زہر پائی جاتی ہو۔

ننانوے تعداد کیوں؟

ننانوے سانپ قبر میں کیوں مسلط ہوں گے؟ حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگا۔ تاہم ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے مرقاۃ میں دو وجہیں بیان کی ہیں:

1۔ مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 200

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر، ج 1 ص 26

ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء گرامی ہیں۔ مشرک چونکہ اس ذات سے شریک ٹھہراتا ہے، جس کے یہ اسماء گرامی ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے ہر اسمِ گرامی کے بدلے اس کی قبر میں ایک اژدہا مقرر کر دے گا کہ اُس نے اس ذات سے شریک ٹھہرایا جو رحیم ہے۔ اس ذات سے شریک ٹھہرایا جو رحمان ہے، باقی اسماء گرامی کا بھی یہی لحاظ ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے:

"ان اللہ تعالی مائۃ رحمۃ انزل منھا واحدۃ فی الدنیا بین الانس والجن والبھائم والھوام فبھا یتعاطفون و بھا یتراحمون و بھا تعطف الوحش علی ولدھا و اخر تسعۃ و تسعین الی الآخرۃ لعبادہ المؤمنین یسلط علی الکافر بمقابلۃ کل رحمۃ للمؤمنین تنینا"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 209)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک سو رحمتوں میں سے ایک رحمت کو دنیا میں انسانوں، جنوں، چوپاؤں، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کے لئے نازل فرمایا، اسی رحمت کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور اسی رحمت کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی رحمت کے ذریعے وحشی جانور اپنی اولاد پر مہربان ہوتے ہیں اور باقی ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو آخرت میں عطا فرمائے گا مؤمنوں کو جو رحمتیں عطاء ہوں گی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر رحمت کے بدلے کافر پر ایک سانپ (اژدہا) کو مقرر فرمائے گا۔"

ترمذی شریف میں ایک حدیث پاک میں ستر ۷۰ سانپ مسلط کئے جانے کا ذکر بھی ہے اور ایک قول میں سانپوں کی تعداد کے متعلق یہ بھی ہے کہ انسان کے جتنے برے اخلاق ہوں گے، ان کی تعداد کے مطابق ہی قبر میں سانپ مقرر ہوں گے۔ اسی طرح برے اخلاق، بری عادات کی تعداد کی کمی و بیشی سے سانپوں کی تعداد میں بھی کمی و بیشی ممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[تنھسہ] ماخوذ ہے، النھس سے (سین مہملہ) جس کا معنی ہے گوشت کو دانتوں سے پکڑنا اور اگر النھش (شین معجمہ) سے ماخوذ ہو تو معنی ہوتا ہے پورے نگل جانا، یہاں چونکہ سین مہملہ ہے اس لئے معنی ہوگا دانتوں سے کاٹنا نوچنا۔

[تلدغہ] اللدغ ضرب السن بالا قطع لکن مع ارسال فیہ "" دانتوں کا مارنا بغیر کاٹے کے لیکن زہر پہنچا دینے کو لدغ کہتے ہیں، اس طرح معنی ہوگا وہ شخص کو ڈسیں گے۔" [1]

❁ ✖✖✖ ❁ ✖✖✖ ❁

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 210

فصل چہارم

وہ گناہ جن سے عذابِ قبر ہوتا ہے

ابھی تک عذابِ قبر کا جوذکر کیا گیا اس کا سبب کفر وشرک بیان کیا گیا ہے۔اس طرح کئی گناہ ایسے بھی ہیں جن سے عذابِ قبر ہوتا ہے۔دو تین کا اگرچہ پہلے ضمناً ذکر بھی ہو چکا ہے لیکن یہاں ایک جگہ جمع کرنے کیلئے پھر ان کا مختصر بیان کرنا ضروری ہوگیا ہے،اس لئے تکرار نہ سمجھا جائے بلکہ مقصود متنبہ کرنا ہے۔

پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا اور چغل خوری:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے تو فرمایا:

"اما انهما ليعذبان وما يعذبان فی كبير اما احدهما فكان يمشی بالنميمة واما الآخر فكان لايستتر من بوله قال فدعا بعسيب رطب فشقه باثنين ثم غرس علی هذا واحد وعلی هذا واحد ثم قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا" (صحیح بخاری،باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ ج1 ص35-34،صحیح مسلم،امام مسلم قشیری رحمہ اللہ،ج1 باب الدلیل علی نجاسۃ البول)

"ان دونوں کو کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا تھا،ان میں سے ایک شخص چغل خوری کرتا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔راوی کہتے ہیں:پھر آپ نے کھجور کی ٹہنی منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کئے،ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھا اور فرمایا(ایسا میں نے کیوں کیا) تا کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف ہو۔"

حدیث پاک سے حاصل ہوا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا اور چغل خوری کرنا عذاب کے سبب ہیں۔ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے:

"استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه"[1] "پیشاب سے بچ جاؤ کیونکہ عام عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے۔"

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پردہ میں یعنی عام لوگوں کے سامنے سے ہٹ کر پردہ فرما کر پیشاب کیا۔تو

1۔ مشکوۃ المصابیح بحوالہ شرح الصدور،امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 217

ایک منافق کہنے لگا: دیکھو! یہ شخص ایسے پیشاب کرتا ہے جیسے عورتیں پیشاب کرتی ہیں کیونکہ وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے بلا حجاب پیشاب کرتے تھے۔ صرف عورتیں پردہ کرتیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس کی بات سنی تو آپ نے فرمایا:

" ویحك اما علمت ما اصاب صاحب بنی اسرائیل کانوا اذا اصابھم البول قرضوہ بالمقاریض فنھاھم فعذب فی قبرہ "

"اللہ تم پر رحم کرے! کیا تمہیں معلوم نہیں، بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو پہنچا۔ (بنی اسرائیل کی شریعت کا یہ قانون تھا) کہ ان کو جب پیشاب پہنچتا (یعنی ان کے جسم، کپڑوں وغیرہ کو اگر پیشاب کے قطرات لگ جاتے) تو وہ قینچیوں سے (ان مقامات کو) کاٹتے تھے۔ ایک شخص نے انہیں اس سے منع کیا، وہ عذاب قبر میں مبتلاء ہو گیا۔"

(ابوداؤد، ج1 ص15 ...... ابن ماجہ، ص29 .... مشکوٰۃ، کتاب الطہارۃ ج1 ص42)

یہاں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس طرح پیشاب کے چھینٹوں، قطرات سے نہ بچنا عذابِ قبر کا سبب ہے اسی طرح پیشاب سے نہ بچنے کی تبلیغ کرنا بھی عذاب قبر کا سبب ہے۔

اس حدیث شریف میں لفظ "ویحك" استعمال ہوا، جو رحمت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابل "ویلك" ہلاکت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کرنے کی حکمت مرقاۃ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

فوضعہ ویحك موضع ویلك ایماء الی کمال رأفتہ و اشار الی ارادۃ الفتنۃ فانہ رحمۃ للعلمین و حریص علی ھدایۃ الکافرین"

آپ نے ویلك کی جگہ ویحك استعمال فرمایا جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ کو کامل طور پر مہربان بنا کر بھیجا گیا اور وہ شخص فتنہ کا ارادہ رکھتا تھا، اسے ناکام کر دیا کیونکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں آپ کافروں کی ہدایت کی بھی خواہش رکھتے تھے۔

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص367)

اس طرح مطلب یہ ہوگا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یعنی تمہیں ہدایت عطا کرے اور نور ایمان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔

ایک دوسرے سے پردہ کرنا ضروری ہے، ناف سے لے کر گھٹنے تک کسی کے سامنے جسم کا ننگا کرنا مرد کے لئے اور تمام جسم سوائے پاؤں اور ہاتھوں اور چہرہ کے ننگا کرنا عورت کے لئے حرام ہے۔ ہر ایسا کھیل جس میں جسم کے یہ مقامات ننگے ہوں وہ کھیلنا اور اس کو دیکھنا حرام ہے عورت کو کپڑے پہن کر بھی مردوں کے سامنے ہر قسم کا کھیل کھیلنا حرام ہے۔

مسلم شریف کی جس حدیث پاک کا ذکر ہو رہا تھا اسی کے فوائد میں شرح مسلم میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ کا سبز شاخوں کا رکھنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے انکے لئے شفاعت فرمائی جو ٹہنیوں کے سبز رہنے تک قبول فرمائی گئی [و قیل لکونھا یسبحون ما داما رطبین] کیونکہ سبز ٹہنیاں جب تک سبز رہیں گی، اس وقت تک تسبیحات پڑھتی

رہیں گی" ان کی تسبیحات کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا، چونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[وان من شیء الا یسبح بحمدہ] ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے، لیکن اس سے مراد جب تک وہ زندہ ہو۔[حیاۃ کل شیء بحسبہ فحیاۃ الخشب مالم ییبس والحجر مالم یقطع] ہر چیز کی زندگی اس کے مطابق ہے لکڑی کی زندگی جب تک وہ خشک نہ ہو اور پتھر کی زندگی جب تک کاٹا اور توڑا نہ جائے۔

"و استحب العلماء قراءۃ القرآن عند القبر لھذا الحدیث لانہ اذا کان یرجی التخفیف بتسبیح الجرید فبتلاوۃ القرآن اولی"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص351)

"علمائے کرام نے اسی لئے قبر کے پاس قرآن پڑھنا مستحب قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے سبز ٹہنیوں کی تسبیحات سے عذاب کی تخفیف کی امید فرمائی تو قرآن پاک کی تلاوت سے تو اس سے بھی زیادہ بہتر امید کی جاسکتی ہے۔"

بخاری شریف میں ہے:

"ان بریدۃ بن الحصیب الاسلمی الصحابی اوصی ان یجعل فی قبرہ جریدتان" (1)

"حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں انہوں نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر دو سبز شاخیں رکھ دینا۔"

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:[ففیہ انہ تبرک بفعل النبی ﷺ] بخاری کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی نے نبی کریم ﷺ کے فعل سے تبرک حاصل کرنے کے لئے یہ وصیت فرمائی۔ (2)

سبحان اللہ! صحابہ کرام، محبان رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کیسے توفیق عطا فرمائی کہ وہ ایصال ثواب کی طریقوں سے کیسے فوائد حاصل کرتے رہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شان اور ان کی قبر کا تنگ ہونا:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ اوس کے سردار تھے، آپ کے ایمان لانے کی وجہ سے ہی "بنو عبدالاشہل" ایمان لے آئے تھے، آپ جلیل القدر اور اکابر صحابہ سے ہیں آپ کو نبی کریم ﷺ "سید الانصار" کہتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے لئے چلے جب ان پر

1۔ بخاری شریف، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، باب الجرید علی القبر ج1 ص181

2۔ نووی شرح مسلم، امام نووی رحمہ اللہ، ج1، ص141

نمازِ جنازہ ادا کر لی گئی اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا' اور قبر تیار ہو گئی تو:

"سبح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتی فرجه الله عنه"

(مسند احمد، مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر، ج1 ص26)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل تسبیحات پڑھیں تو ہم نے طویل تسبیحات پڑھیں، پھر آپ نے تکبیر پڑھی، ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیوں تسبیحیں اور پھر تکبیریں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی جب میں نے تسبیحات اور تکبیرات پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر قبر کی تنگی بکریوں کے پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے تھی۔

حدیث شریف سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "العبد الصالح" کہہ کر حضرت سعد کی شانِ امتیازی اور رفعتِ درجات کی طرف بھی اشارہ کیا اور ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو قبر کی تنگی کا خوف بھی دلایا اور یہ واضح فرمایا کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ بندہ بھی قبر کی تنگی میں مبتلاء ہو گیا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

②: تکبیرات و تسبیحات اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو ختم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کہیں آگ لگی ہوئی ہو تو اسے دیکھ کر تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

③: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ حضرت سعد کی شان بیان کر کے قبر کی تنگی سے ڈرایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ معمولی شان کے آدمی نہیں تھے بلکہ بہت بلند مقام رکھتے تھے لیکن پھر بھی قبر کی تنگی میں مبتلاء ہوئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"هذا الذی تحرّك له العرش وفتحت له الحجاب السماء وشهده سبعون الفا من الملائكة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه"

(نسائی، مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر، ج1 ص26)

"یہ وہ شخص ہے جس کیلئے عرش نے حرکت کی اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار فرشتے نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے، تحقیق قبر بِل گئی تھی، پھر کشادہ کر دی گئی۔"

④: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عرش کو یہ طاقت فرمائی کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ظالم کی تعریف ہو رہی ہے تو وہ اس کے ظلم سے کانپتا ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اللہ کے تقرب کو دیکھ کر اور ان کی کرامت کو دیکھ کر عرشِ الٰہی خوشی سے

جھوما اور حرکت کی۔

(۵): آسمانوں کے دروازے رحمت کے نزول اور ملائکہ کے نزول کے لئے کھول دیئے گئے [او تزیینا لقدومہ وطلوع روحہ] یا آپ کے آنے اور روح کے اوپر چڑھنے کے لئے استقبالیہ طور پر آسمانوں کے دروازے کھولے گئے تھے کیونکہ مؤمنوں کی روح کا مقام جنت آسمانوں کے اوپر ہے یا آسمانوں کے دروازے اس لئے کھولے گئے تھے کہ کئی نیک، متقی مومنین کے لئے یہ آزادی ہوتی ہے کہ ان کی روحیں آسمانوں کے جس دروازے سے چاہیں جنت کی طرف چلی جائیں اور جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہیں، جنت میں داخل ہو جائیں۔ (1)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قبر کے ذکر سے رونا:

"وعن عثمان انہ کان وقف علی قبر بکی حتی یبل لحیتہ فقیل لہ تذکر الجنۃ والنار فلا تبکی، اتبکی من ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القبر اول منزل من منازل الآخرۃ فان نجا منہ بعدہ ایسر منہ وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد منہ قال وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رأیت منظرا قط الا و القبر افظع منہ" (مشکوۃ شریف ج1، ص26)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب بھی قبر کے نزدیک کھڑے ہوتے تو اتنے روتے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا: آپ جنت اور دوزخ کے ذکر سے نہیں روتے اور قبر کے پاس آکر روتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر اس سے کسی نے نجات حاصل کر لی تو اس کے لئے بعد والی منازل آسان ہو جائیں گی اور اگر اس سے ہی نجات نہ حاصل ہو سکی تو بعد کی منازل بھی اُس پر سخت ہو جائیں گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کوئی منظر پریشان کن، گھبراہٹ میں مبتلاء کرنے والا سوائے قبر کے نہیں دیکھا۔ (یعنی تمام مناظر سے خوفناک منظر قبر کا ہے)

وضاحت حدیث:

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں یعنی ان دس میں سے جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی لیکن پھر آپ کا قبر کے خوف سے رونا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہے اور دوسرے لوگوں کیلئے تعلیم کا سبب بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی شان کا مالک ہونے کے باوجود عذاب قبر سے بے خوف نہیں ہوں تو تمہیں بھی ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ [القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران] "قبر جنت کے باغات سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔" اس لئے قبر کے حالات سے آنے والے قیامت کے حالات کا پتہ چل جائے گا کہ آئندہ کیا حال ہوگا۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ، ج1 ص208

ضغطۃِ القبر: ضغطہ کا معنی ہے تنگی، ایک مرتبہ نچوڑنا، ایک مرتبہ بھینچنا، سختی بے آرامی۔ [لم یخلص من ضغطۃ القبر سعید الّا الانبیاء] ضغطۂ قبر سے بڑے بڑے نیک آدمی بھی سوائے انبیاء کرام کے محفوظ نہیں لیکن بعض مؤمنین کو ضغطۂ قبر عذاب دینے کی وجہ سے، حقیر و ذلیل کرنے کے لئے اگرچہ نہیں ہوگا لیکن پھر بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے اگرچہ دبانے والے کا مقصد تکلیف پہنچانا نہیں ہوتا، اسی طرح بعض مؤمنوں سے قبر کا سلوک بھی ایسا ہی ہوگا۔

" واما ضغطۃ القبر لبعض المؤمنین بل اکابر الموحدین کسعد بن معاذ سید الانصار الذی حمل جنازتہ سبعون الف ملك واھتز لموتہ عرش الرحمن فانما ھو ضمتہ للارض کمعانقۃ الام المشتاقۃ لولدھا "

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص 208)

" لیکن بعض مؤمنوں بلکہ بڑے بڑے حضرات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق دینے والوں کو بھی ضغطۂ قبر حاصل رہا جیسے حضرت سعد بن معاذ سید الانصار رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا باوجود اس کے جنازہ اٹھانے اور جنازہ پڑھنے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، آپ کی موت پر خوشی سے عرش الٰہی جھوما اور متحرک ہوا لیکن یہ زمین کا ملنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے مشتاق ماں اپنے بچے کو محبت سے گلے لگائے۔"

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کے کشادہ ہونے کی دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یعنی تسبیحات وتکبیرات ان کی کشادگی قبر کے لئے ہی پڑھی تھیں۔ بعض جگہ پر واضح طور پر ملتا ہے کہ وہ بکریوں کے پیشاب کے چھینٹوں سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ اس طرح ان کی قبر کا ملنا سزا بھی تھی لیکن مؤمن کو سزا دیتے وقت بھی اس سے محبتِ الٰہی دور نہیں ہوگی۔

عقائد اہلِ سنت کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو عذابِ قبر ہوگا:

"لو ان قدریا او مرجئا مات انبش بعد ثلث لوجد الی غیر القبلۃ "

" اگر قدریہ اور مرجئہ فرقہ سے کوئی مرجائے تو اس کی قبر تین دن کے بعد کھود کر دیکھا جائے تو اس کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا نظر آئے گا۔"

اسی طرح ابن ابی الدنیا نے ابواسحاق فزاری سے روایت بیان کی کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے بتایا کہ میں کفن چوری کیا کرتا تھا تو میں کئی آدمیوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ [1]

یہ عذاب تو وہ ہے جو عام آدمی بھی دیکھ سکتا تھا لیکن وہ عذاب جو انسانوں اور جنوں سے مخفی رکھا گیا ہے اس کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا شدید عذاب ہوگا؟ یہ دونوں فرقے مذہب اہل سنت وجماعت کے مخالف ہیں:

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 267-268

1۔ قدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور اس فرقے کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے کسی چیز کا علم نہیں ہوتا بلکہ کسی کام کے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے۔

2۔ مرجئہ وہ فرقہ ہے جو اس کے قائل ہیں کہ مؤمن کو گناہوں سے کوئی نقصان نہیں جس طرح کافروں کو نیکیوں کا کوئی فائدہ نہیں یعنی مؤمن جتنے گناہ بھی کرتا رہے، اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا یہ فرقہ باطل راہ پر ہے۔

گستاخ اہل بیت کا عبرتناک واقعہ:

ابن عساکر نے حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر پاخانہ کردیا۔ وہ پاگل (مجنون) ہوگیا اور کتوں کی طرح بھونکتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو اسی کی قبر سے چیخنے اور کتوں کی طرح بھونکنے کی آواز آتی تھی۔

چوری، زنا اور شراب نوشی وغیرہ پر عذاب قبر:

"ما من میت یموت وھو یسرق او یزنی او یشرب او یاتی شیئا من ھذہ الا جعل معہ شجاعان ینھشانہ فی قبرہ"

شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 225

"جب بھی کوئی شخص مرجائے ایسے حال میں کہ وہ چوری کرتا یا زنا کرتا یا شراب پیتا یا اور اس قسم کے گناہ کبیرہ کا مرتکب تھا تو اس پر دو گنجے سانپ مقرر کردیئے جاتے ہیں جو اسے قبر میں ڈستے رہتے ہیں۔"

ایک شرابی کا ماں کی گستاخی پر انجام:

علامہ اصبہانی نے عوام بن حوشب سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں ایک دفعہ ایک قبیلہ میں گیا، وہاں ایک قبرستان دیکھا۔ اس میں ایک قبر عصر کے بعد پھٹ گئی، اس سے ایک شخص نکلا جس کا سر گدھے کی طرح تھا اور باقی جسم اور اعضاء انسانوں کی طرح تھے۔ وہ تین مرتبہ ہینکا، پھر اس کی قبر مل گئی۔ تو میں نے اس کے متعلق پوچھا: تو مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص شراب پینے کا عادی تھا، اس کی ماں اسے اکثر طور پر نصیحت کرتی تھی کہ بیٹا!! اللہ سے ڈرو اور شراب پینا چھوڑ دو، لیکن وہ ماں کو جواب دیتا......... "تو ویسے ہی گدھے کی طرح ہینکتی رہتی ہے۔" .... اس شخص کی عصر کے وقت موت واقع ہوئی اب ہر دن عصر کے وقت اس کی قبر پھٹ جاتی ہے اور یہ تین مرتبہ ہینکتا ہے، پھر اس کی قبر مل جاتی ہے۔

* * * * * * * * *

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 229 2۔ المرجع السابق 3۔ ایضاً

فصل پنجم

مومن کا منکر نکیر کو جواب دینا

منکر نکیر جب سوال کریں گے [مَنْ رَّبُّكَ] تیرا رب کون ہے؟ مومن جواب دے گا [رَبِّیَ اللّٰهُ] میرا رب اللہ ہے۔ دوسرا سوال وہ کریں گے [مَا دِیْنُكَ] تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا [دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ] میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ سوال کریں گے [مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْكُمْ] یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے؟ وہ جواب دے گا۔ [هو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم] وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرشتے اس سے کہیں گے تمہیں کیسے پتہ چلا؟ وہ کہے گا: [قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَ صَدَّقْتُ] میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر میں ایمان لایا اور اس کی میں نے تصدیق کی۔ مومن کو صحیح جوابات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ [یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ] ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حق بات پر قائم رکھے گا۔'' (1)

حاصلِ کلام:

جب فرشتے اس سے پوچھیں گے تمہیں اللہ تعالیٰ اور دینِ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے پتہ چلا تو وہ کہے گا کہ میں نے قرآن پاک پڑھا بااس کی فصاحت و بلاغت کو دیکھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ یہ تو معجزہ ہے اس کے مقابل بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اپنا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں تو یقیناً یہ اللہ کا کلام ہی ہوسکتا ہے، پھر جب میں نے اس کے معانی میں غور و فکر کیا تو میرے یقین میں اور اضافہ ہوا کہ کیونکہ اس میں مکارمِ اخلاق (اچھے اخلاق) نیک اعمال، غیبی خبریں اور پہلی امتوں کا ذکر ہے۔ جب کہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نہ پڑھا اور نہ ہی دوسروں کی مجالس میں بیٹھ کر ایسے واقعات سنے تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، میں اس پر ایمان لے آیا اور میں نے اس کی تصدیق کی

1۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ باب اثبات عذاب القبر ج 1، ص 25

تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ اللہ ہے کیونکہ رب کریم نے اپنی شان خود بیان فرمائی [فاعلم انه لا اله الا الله] یقیناً جان لو! بیشک اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں) اور فرمایا [ذلکم الله ربکم خالق کل شیء] اللہ ہی تمہارا رب ہے وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دین کے متعلق فرمایا [ان الدین عند الله الاسلام] بے شک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہی ہے) اور ارشاد ہوا [ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه] یہ جس شخص نے اسلام کے بغیر اور دین پسند کیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے متعلق رب قدوس نے ارشاد فرمایا [محمد رسول الله] محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ارشاد فرمایا: [قل یاایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا] اے محبوب! آپ فرما دیجئے، اے لوگو! بیشک میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ [1]

............مومن کے صحیح جوابات پر انعامات کی بارش............

جنتی بچھونا اور جنتی لباس:

"فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فافرشوه من الجنة و البسوه من الجنة"

(مشکوۃ المصابیح، باب اثبات عذاب القبر، ص 25)

"آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی زبان بے کیف سے آواز آئے گی) جب کہ میرے بندے نے سچ کہہ دیا ہے تو اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھا دو اور اسے جنتی لباس پہنا دو۔"

یعنی میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ یہ دنیا میں اسی اعتقاد پر تھا لہٰذا یہ اس اعزاز و اکرام کا مستحق ہے۔ اس کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ اسے "عبدی یعنی میرا عبادت گذار" کہے گا۔ اس کی شرافت کے پیشِ نظر ہی رب تعالیٰ اس کو اپنی طرف منسوب کرے گا۔ [2]

قبر میں جنت کی خوشبودار ہوا کا آنا:

"و افتحوا له بابا الی الجنة فیفتح قال فیأتیه من رَوحها و طیبها"

(اور رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا) اس شخص کے لئے جنت تک دروازہ کھول دو! دروازہ کھول دیا جائے گا نبی

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر، ج 1، ص 207

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر، ج 1، ص 207

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر، ص25) کریم ﷺ فرماتے ہیں: اس مؤمن کے پاس جنت کی خوشبو دار، راحت آمیز ہوا آئے گی۔"

حاصلِ کلام:

اس کی قبر اور جنت کے درمیان حقیقتاً رابطہ ہوگا، فی الواقع دروازہ کھولا جائے گا۔[حقیقتہ هذا هو الاظهر] حقیقتاً دروازہ کھولا جائے گا۔ یہی قول زیادہ ظاہر، واضح اور بہتر ہے۔ رَوح (راء کی زبر سے) اس کا معنی راحت اور بادِصباء بھی ہے طیب خوشبو دار یعنی وہ ہوا اس طرح خوشبودار ہوگی جس کی حقیقت اور اس کی قدر و منزلت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، انسان کے تصور سے بہت ہی بالاتر ہوگی۔ (1)

قبر کا کشادہ اور منوّر ہونا:

"ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين ثم ينوّر له فيه" (مشکوۃ المصابیح، باب اثبات عذاب القبر، ص25)

"پھر اس کی قبر کو ستر مربع ذراع (نصف گز، ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے لے کر کہنیوں تک مقدار کو ذراع کہتے ہیں) کشادہ کر دیا جائے گا پھر اس کی قبر کو منور کر دیا جائے گا۔"

دوسری حدیث پاک میں [ويفتح له فيها مد بصره] انتہائے نظر تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا یعنی جہاں تک اس کی نظر جائے گی، وہاں تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا۔

دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ ستر سے مراد کثرت ہو جائے کہ قبر کو بہت ہی کشادہ کر دیا جائے گا یا دوسری وجہ یہ ہو کہ [يمكن ان يختلف باختلاف الاشخاص] ممکن ہے کہ لوگوں کے اعمال کے مطابق قبر میں کشادگی ہو جن کے نیک اعمال زیادہ اور خلوص پر مبنی ہوں گے ان کی قبر کو زیادہ کشادہ کر دیا جائے گا' اور جن کے اعمال کچھ یا ان میں خلوص کم ہوگا ان کی قبر کو تھوڑا کشادہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

جس قبر کو وسعت دی جائے گی، اسے نور سے روشن کر دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ وسعت کے مطابق ہی نورانیت بھی ہو۔ جتنی وسعت زیادہ اتنی نورانیت زیادہ، جتنی وسعت کم اتنی نورانیت بھی کم ہو۔ (2)

گھر آکر اپنے والوں کو خوشخبری دینے کی تمنا:

"ثم يقال له نم فيقول ارجع الى اهلي فاخبرهم"

"پھر اسے کہا جائے گا: سو جا! وہ کہے گا: میں اپنے اہل وعیال کے پاس جا کر ان کو خبر دینا چاہتا ہوں۔"

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص206

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص206

وہ شخص گھر لوٹنے کی تمنا اس لئے کرے گا کہ وہ اپنے آپ پر جب قبر میں بہت زیادہ انعامات، راحت دیکھے گا تو بہت خوش ہو کر کہے گا کہ میں اپنے اہل وعیال، خویش واقرباء کے پاس لوٹنے کا ارادہ کرتا ہوں تا کہ ان کو اپنے حالات کی خبر دوں کہ کہ مجھے قبر میں بڑے انعامات سے نوازا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ مجھے کوئی غم وحزن، دکھ ودرد اور کوئی پریشانی نہیں، تا کہ یہ میرا حال سن کر وہ بھی خوش ہو جائیں۔ ساتھ ساتھ اس کی یہ تمنا وخواہش بھی ہوگی [یالیت قومی یعلمون] وہ کہے گا: کاش! کہ میری قوم کو بھی علم حاصل ہو جائے، کہ وہ بھی نیک اعمال کر کے جب قبر میں آئیں ان پر بھی قبر اسی طرح گلزار بن جائے جس طرح میرے لئے بن گئی۔

کافروں اور مومنوں کی قبروں کے حالات کو پڑھنے، سمجھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو پڑھیں تو یقیناً اب لطف پہلے سے زیادہ حاصل ہوگا، وہ ارشاد گرامی یہ ہے:

"ان القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران" "بے شک قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا (جہنم) آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

دوسرے ارشادات سے اس حدیث پاک کی وضاحت حاصل ہوگئی۔ [1]

انسان کی خواہش پر فرشتوں کا جواب:

"فیقولان نم کنومة العروس الذی لا یوقظ الا احب اهله" "فرشتے کہیں گے: سو جا! جس طرح دولہن سوتی ہے، اسے کوئی بیدار نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جو اس کے اہل سے زیادہ محبت اس سے رکھنے والا ہے۔"

(مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج1 ص25)

وضاحت حدیث:

"عروس" کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے یعنی دولہا اور دلہن دونوں کو "عروس" کہا جاتا ہے، جب تک ان کی پہلی ملاقات نہ ہو۔ پہلی ملاقات ہو جانے کے بعد عروس (دولہا، دلہن) نہیں بولا جاتا۔

خیال رہے کہ لفظ "عروس" میں کوئی علامتِ تانیث نہیں پائی گئی اور مؤنث کے ساتھ خاص بھی نہیں اس لئے لفظ کی تذکیر کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ "الذی" اور ضمیریں مذکر ہیں۔

دلہن سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اس دن بہت خوش ہوتی ہے، کامل عیش وعشرت اور راحت میں ہوتی ہے اسی طرح مؤمن قبر میں بہت خوش ہوگا اور راحت میں ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس دن دلہن آتی ہے اس دن اس کی بڑی

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص204

عزت اور تعظیم ہوتی ہے۔ سب رشتہ دار اس کے آرام کا خیال رکھتے ہیں، کوئی شخص اسے جگاتا نہیں، سوائے اس شخص کے جو اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ اسے بیدار کرتا ہے لیکن وہ بھی بڑی نرمی اور مہربانی سے، اسی طرح قبر میں ایمان والے نیک و پرہیزگار کو قبر میں عزت و تعظیم حاصل ہوگی، اس کے آرام میں کوئی خلل انداز نہیں ہوگا۔ [1]

قبر میں انعام و اکرام تا قیامت جاری رہے گا:

نبی کریم ﷺ نے قبر میں متقی پر انعامات کا ذکر فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: [حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالك] ''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس لیٹنے کے مقام سے اٹھائے گا۔'' یعنی قیامت تک اس مؤمن متقی کو قبر میں نعمتیں اور راحت حاصل رہے گی۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ خود اسے قبر سے اٹھائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا مہربان ہے۔ [2]

مومن کے پاس نیک عمل کا خوبصورت شکل میں آنا:

" قال (رسول اللہ ﷺ) یأتیہ رجل حسن الوجہ حسن الثیاب طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرك ھذا یومك الذی کنت توعد فیقول لہ من انت فوجھك الوجہ یجیء بالخیر فیقول انا عملك الصالح فیقول رب اقم الساعۃ رب اقم الساعۃ حتی ارجع الی اھلی ومالی "

(مسند احمد، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بحوالہ مشکوۃ، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب ما یقال عند من حضرہ الموت، ج، ص 142)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قبر میں) اس (مومن نیک، پرہیزگار) کے پاس ایک شخص آئے گا، جس کا خوبصورت چہرہ ہوگا اور خوبصورت لباس ہوگا۔ اس سے خوشبو مہک رہی ہوگی، وہ کہے گا: تمہیں بشارت ہو! اس چیز کی جو تمہیں خوش کر رہی ہے۔ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ وہ اس شخص سے پوچھے گا: تم کون ہو؟ چہرا تو تمہارا ہی چہرا ہے جو بھلائی لا رہا ہے۔ وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب قیامت قائم کر دو! قیامت قائم کر دو! یہاں تک کہ میں اپنے اہل اور اپنے استحقاق (مال) کو حاصل کر لوں۔''

وضاحت حدیث:

نیک عمل انسانی شکل میں قبر میں آئے گا، اس کا خوبصورت چہرا لباس اور اس خوشبو کا مہکنا اس پر دلالت کر رہے ہوں

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 207

2۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اثبات عذاب القبر 26 .... مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 207

گے کہ مرنے والا شخص جو اس قبر میں ہے، یہ نیک اعمال اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ وہ اسے بشارت دے گا کہ آج تم پر جو انعامات ہیں تمہیں خوش کر رہے ہیں، یہ وہ انعامات ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھے نہیں، کسی کان نے سنے نہیں اور کسی دل میں بھی ان کا تصور نہیں واقع ہوا کہ ایسے عظیم انعامات قبر میں بھی ملیں گے، پھر وہ نیک عمل اسے کہے گا: یہی وہ اچھا سہانا وقت ہے تمہارے لئے، جس کا تمہیں وعدہ دلایا جاتا تھا۔

مومن جب دیکھے گا کہ یہ اجنبی شخص ہے جو مجھے کتنی اچھی اور عجیب بشارت دے رہا ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کہے گا: میں تو تمہیں نہیں پہچانتا، تم مجھے اپنا تعارف تو کراؤ کہ میں بھی تمہاری تعریف کا بدلہ ادا کر سکوں۔ پھر اس کے چہرے کی خوبصورتی کو دیکھ کر اور ہی تعجب سے پوچھے گا: تمہارا چہرا تو بہت ہی حسین و جمیل چہرا ہے اور کتنا ہی کامل چہرا ہے، جس سے بھلائی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ جب وہ اپنا تعارف کرائے گا کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں تو یہ خوش ہو کر رب کے حضور دعا کرے گا کہ اے اللہ قیامت قائم ہو جائے (یہ دعا دو مرتبہ کرے گا) تا کہ میں اپنی جنتی حوروں اور غلمان (خدام لڑکوں) کے پاس پہنچ جاؤں۔ اور جن محلات و باغات کا میں مستحق ہوں ان تک پہنچ جاؤں۔

حدیث شریف میں مذکور لفظ "مالی" میں ما موصولہ ہے اس کا معنی ہے جو چیز میرے لئے اور ممکن ہے کہ مال اور یائے متکلم ہو، میرا مال۔ اور مطلب یہ ہو کہ اے اللہ! مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنے اہل و عیال اور مال کے پاس پہنچا تا کہ میں اور نیکیاں کروں اور تیری راہ میں خرچ کروں، پھر قیامت قائم ہو جائے تا کہ مجھے زیادہ ثواب حاصل ہو لیکن زیادہ مناسب پہلا معنی ہی ہے۔ [1]

فائدہ:

"عروس" کا معنی دلہن اور دولہا۔ کبھی دولہا کے لئے "عریس" کا لفظ بولتے ہیں اس کی جمع عرائس ہے۔ عرس کا معنی ولیمہ اور خوشی میں رہنا، محبت کرنا، تقریباً شادی کرنا عرس کا معنی بھی درست ہے۔

اولیائے عظام کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے دن کو "یوم وصال" کہتے ہیں یعنی ملنے کا دن۔ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس دن کو یوم فراق یا یوم فصال کہنا چاہیے کہ وہ جدا ہونے کا دن ہے لیکن دنیا سے جدا ہونا کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ حقیقی طور پر وہ وصال ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وہ دن ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو یقیناً وہ خوشی کا دن ہے۔ اسی لئے اولیائے عظام کے سالانہ ایصال ثواب کے دن کو "عرس" (خوشی کا دن) کہتے ہیں۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 26

خیال رہے کہ کسی فرقہ کے مسلک کے ترجمان اس کے علمائے کرام کے اقوال تو ہو سکتے ہیں، جہلاء کے اقوال وافعال کسی مسلک کے ترجمان نہیں ہو سکتے۔

اہل سنت و جماعت کے علمائے کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی شخص کے فوت ہونے کے بعد جب چاہے دن مقرر کر کے ہی کیوں نہ ہو ایصالِ ثواب کی محفل کا انعقاد جو تلاوتِ قرآنِ پاک، نعت خوانی، چشتیاء کے نزدیک محفلِ سماع اور تقاریر پر مشتمل ہو،............جائز ہیں۔

ڈھول، باجے، بھنگڑے اور ناچ گانوں کے ساتھ بزرگوں کے مزارات پر چادروں کا لے جانا......ناجائز......ہے۔
اسی طرح کثرتِ ہجوم میں جہاں عورتیں مردوں کے ساتھ اختلاط اور جسموں کے ٹکرانے سے نہ بچ سکیں، وہاں عورتوں کا جانا بھی ....ناجائز ہے۔

باب چہارم

زیارتِ قبور و احوالِ برزخ

فصل اوّل

زیارتِ قبور

روح کا تعلق انسان کے جسم کے ذرات سے قائم ہوتا ہے اسی وجہ سے قبر کا عذاب ہو تو اسے درد محسوس ہوتا ہے اور قبر میں نیک آدمی کو راحت سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ عام آدمی کا جسم مٹی ہو جاتا ہے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں لیکن نیک آدمیوں کے جسم بھی صحیح سلامت رہتے ہیں۔ انہیں قبر میں کامل زندگی حاصل رہتی ہے ان کی قبروں پر جا کر ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا.......... جائز.......... ہے۔

عورتیں اگر قبر پر جا کر جزع فزع نہ کریں اور کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ایسی حالت میں ان کا بھی قبروں کی زیارت کے لئے جانا...... جائز ہے۔

ان مسائل پر مکمل اور تفصیلی، تحقیقی کتاب استاذی المکرم شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ کی ''جلاء الصدور'' اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حیات الموات فی بیان سماع الاموات'' کا مطالعہ کیا جائے۔ مختصر طور پر یہاں ان مسائل کو ذکر کیا جائے گا۔ بعض اقتباسات استاذی المکرم کی کتاب سے بھی حصول تبرک کے پیش نظر ذکر ہوں گے۔

کافروں کا موت کے بعد سننا:

ہر انسان کے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں بلکہ جسم جل سڑ سکتا ہے، ہڈیاں راکھ ہو سکتی ہیں لیکن سننا اور عذاب سے درد محسوس کرنا یہ کافروں کو بھی حاصل رہے گا۔

'' عن صالح قال حدثنی نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہ اخبرہ قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا ؟ فقیل لہ تدعوا امواتا ؟ قال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون ''

'' عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم نے اپنے رب کے وعدہ کو صحیح اور سچ پا لیا ہے؟ تو آپ سے عرض کیا گیا: آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ (یعنی وہ

(بخاری مع فتح الباری ج 5 باب ما جاء فی عذاب القبر بحوالہ جلاء الصدور، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مد ظلہ العالی، ص 71)

سن نہیں سکتے، انہیں خطاب و نداء کا کیا مقصد؟) آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے ایسا جواب جو تمہیں سنائی دے۔"

صاحب قبر کو زائر سے سکون ملتا ہے؟

"اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ ما من رجل یزور قبر اخیہ و یجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتی یقوم"

(شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 84)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اسے سکون و راحت میسر ہوتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کھڑا ہوتا ہے یعنی اس شخص کے اٹھ کر جانے تک یہی کیفیت رہتی ہے کہ اس شخص سے قبر والے کو انس ہوتا ہے اور سکون حاصل ہوتا ہے۔"

قبر کی زیارت زہد اور آخرت کی یاد کا باعث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا و تذکر الآخرۃ"

(ابن ماجہ، مشکوۃ باب زیارۃ القبور، ج 1 ص 154)

"میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ اس سے دنیا میں زہد (تقوی) حاصل ہوگا اور آخرت کی یاد حاصل ہوگی۔"

وضاحت حدیث:

نبی کریم ﷺ نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا کیونکہ زمانۂ جاہلیت قریب تھا۔ لوگ بت پرستی کے عادی تھے، اس لئے منع کیا تا کہ لوگ قبر والوں کو معبود نہ سمجھ لیں۔ جب صحابہ کرام کے دلوں میں اسلام اور اسلامی طور طریقے راسخ ہو گئے تو آپ نے اجازت فرما دی۔

موت کی یاد لذتوں کو مٹا دیتی ہے، دلی کدورتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے، مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے

"اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 112-111)

"جب تمہیں کچھ معاملات میں حیرانی و پریشانی ہو تو قبروں والوں سے امداد طلب کرو۔"

اسی طرح قبروں کی زیارت سے انسان کو آخرت کی یاد حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس کی تیاری کرتا ہے، برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے اور نیکیاں کرتا ہے۔ وہ کتنے بے نصیب ہیں جو قبرستان میں بھی فحش مزاح کرنے سے باز نہیں آتے۔

عورتوں کیلئے بھی قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے:

عام طور پر ایک حدیث پاک بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ عورتوں کی قبروں کی زیارت کرنے پر لعنت ہے لیکن حدیث پاک کی مکمل وضاحت نہیں کی جاتی جو خود محدثین کرام نے بیان کی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لعن زوّارات القبور] ''قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''[1]

ترمذی نے اس حدیث پاک کو حسن صحیح کہا ہے اور خود ہی حدیث پاک کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

" قد رأی بعض اهل العلم ان هذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارة القبور فلما رخص دخل فی رخصته الرجل والنساء وقال بعضهم انما کره زیارة القبور للنساء لقلة صبرهن ولشدة جزعهن "

''امام ترمذی نے کہا: بعض اہل علم کا اس حدیث پاک میں اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی جو رخصت فرمائی ہے یہ حدیث اس سے پہلے کی ہے کیونکہ پہلے مردوں کو بھی منع کیا گیا تھا اور عورتوں کو بھی۔ جب اجازت فرمائی تو مردوں اور عورتوں تمام کے لئے اجازت فرمائی گئی۔ البتہ اگر عورتیں صبر نہ کریں اور قبروں پر جا کر رونا پیٹنا، جزع فزع کریں تو ایسی حالت میں انہیں قبروں پر جانا منع ہوگا۔''

(جامع ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ باب زیارۃ القبور، ج1 ص125)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قبروں کی زیارت کرنا:

" کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع وجهی و اقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فو الله ما دخلته الا و انا مشدودة علیّ ثیابی حیاء من عمر "

''میں اس حجرۂ مطہرہ میں داخل ہوتی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں تو میں پردے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتی تھی کیونکہ میرے خیال میں آتا کہ ایک میرے خاوند ہیں اور دوسرے میرے باپ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی حجرہ میں ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر

1۔ مسند احمد ترمذی، ابن ماجہ، ص 113...... مشکوۃ، باب زیارۃ القبور 154

(مسند احمد، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ج1 ص154)

صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن ہو گئے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ پردے کا اہتمام شروع کر دیا۔"

اس حدیث پاک کی شرح بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قولها حیاء من عمر اوضح دلیل علی حیوٰۃ المیت و علی انه ینبغی احترام المیت عند زیارته مهما امکن لا سیما الصالحون بان یکون فی غایته الحیاء و التأدب بظاهره و باطنه فان للصالحین مددا ظاهرا بالغا لزوارهم بحسب ادبهم و نیتهم و قبولهم"

(لمعات، حاشیہ مشکوٰۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ 154)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد "حیاء من عمر" میت کی حیات پر بڑی واضح دلیل ہے اور یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے وقت جتنا ممکن ہو سکے صاحب قبر کا احترام کیا جائے۔ خصوصاً نیک لوگوں کی قبروں پر جا کر نہایت حیاء کرتے ہوئے ظاہری اور باطنی ادب پاس کرے کیونکہ زیارت کرنے والے جتنا زیادہ ادب کریں گے اور خالص نیت رکھیں گے اور نیک لوگوں کی امداد کو قبول کریں گے اتنی ہی زیادہ ان کی طرف سے ان لوگوں کو کامل امداد حاصل ہو گی۔"

اس مقام میں حضرت استاذی المکرم نے ایک سوال و جواب ذکر فرمایا جو بہت ہی زیادہ مفید ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "حاضر و ناظر" ہونے پر بھی عام حلقوں کی جانب سے یہی سوال کیا جاتا ہے۔ جواب سے ان شاء اللہ مصنف مزاج حضرات کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو گا۔

سوال:

جن کی نگاہ کئی من مٹی کے اندر سے باہر دیکھ سکتی ہے کیا وہ حجاب و ستر کے اندر نہیں دیکھ سکتی؟ پھر اس اہتمام کا مقصد کیا ہوگا؟ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد پردے کا جو اہتمام کیا اس خیال سے کہ وہ مجھے قبر کے اندر سے مٹی کے ڈھیر کے نیچے سے بھی دیکھ رہے ہیں، جو اتنی نظر رکھتا ہو اس کی نگاہ میں کپڑے کے پردے کی کیا حیثیت ہو گی)؟

جواب:

جتنی قدر بندے کے طاقت میں ہے اسی قدر اس پر اہتمام و انتظام بھی لازم ہے اور شیخ نے "مهما امکن" (جتنا ممکن ہو) سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے مثلاً خلوت اور تنہائی میں بھی بندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپے۔ انسانوں وغیرہ سے نہ سہی، اللہ رب العزت سے حیاء کرتے ہوئے اس پر ستر (پردہ) لازم ہے لہٰذا جو جواب اللہ علیم و خبیر کی نسبت سے یہاں دیا

جائے گا، وہی جواب اہل قبور کی طرف سے بھی سمجھ لیا جائے۔ حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

"وعن یعلی قال ان رسول الله ﷺ رأی رجلا یغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد الله واثنی علیه ثم قال: ان الله حیی یحب الحیاء والتستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر"

(رواہ ابوداؤد والنسائی، بحوالہ مشکوٰۃ ج 1، ص 49)

"حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو کھلی جگہ میں بغیر پردہ کے غسل کرتے دیکھا تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ثناء کے بعد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ شرمیلا، پردہ پوش، حیا اور پردہ کو پسند فرمانے والا ہے لہٰذا تم میں سے کوئی شخص جب بھی غسل کرے تو ستر اور پردہ کے اندر کرے۔"

ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

"و من ثم قال ائمتنا یحرم کشف العورۃ فی الخلوۃ بغیر الحاجۃ لان فیه ترك الحیاء من الله تعالی"

"اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا: تنہائی اور علیحدگی میں بھی بلا وجہ ستر وحجاب کا ترک حرام ہے کیونکہ اس میں بارگاہِ خداوندی کے لائق شرم وحیاء کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔"

ائمہ کرام کے اس قول پر سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ظاہر اور چھپی ہوئی ہر چیز کو جانتا ہے تو اس سے پردہ کرنا اور لباس پہن کر ہی نماز ادا کرنا خواہ خلوت میں ہی کیوں نہ ہو اس کا کیا مقصد ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا:

وردوہ بانه تعالی وان احاطه علمه بهما الا انه یری المستور علی حالة تقتضی الادب و شتان ما بینهما"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 2، ص 39)

ائمہ کرام نے اس سوال کا یوں رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اگرچہ مستور و غیر مستور دونوں کو محیط ہے لیکن شرم وحیا والے مستور کو ایسی حالت میں دیکھتا ہے جس کا ادب تقاضا کرتا ہے، بخلاف غیر مستور کے۔ اور دونوں طرح کے دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔"

لہٰذا جس طرح علمِ باری تعالیٰ کے محیط ہونے کے باوجود ستر کا حکم دیا گیا ہے اور شرم وحیاء والی حالت کو اختیار کرنا لازم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ادب اور شرم وحیاء والی ہیئت کو اختیار فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ مستور کے ساتھ تقاضاءِ ادب کے مطابق سلوک فرماتا ہے، یہی حالت اہلِ قبور کی بھی سمجھنی چاہیے۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنی حیاء (جو اس کی شان کے لائق ہے) کے مطابق کسی کے مخفی اندام کی طرف توجہ نہ فرمائے باوجود علیم و خبیر وبصیر ہونے کے اور اسی طرح اپنے مقبول بندے انبیائے کرام اولیائے عظام کو علم اور نظر عطا فرمانے کے باوجود ان کی توجہ کو اس جانب سے ہٹا لے تو کوئی بعید نہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: [انی اراکم من خلفی کما اراکم من بین یدی] (اپنی صفوں کو درست کر کے ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوا کرو) میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں، جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

جب نبی کریم ﷺ پر سامنے اور پیچھے کے حالات ایک جیسے ظاہر ہیں تو یقیناً آپ پر کوئی چیز مخفی تو نہیں لیکن پھر بھی ادب کا تقاضا یہی ہے کہ لباس پہن کر نماز ادا کی جائے۔ انسان اپنی طرف سے جتنا ممکن ہو پردہ رکھے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ علم وبصارت کے باوجود کسی طرف توجہ نہ فرمائیں جو توجہ آپ کی شان کے لائق نہیں تو کوئی بعید نہیں۔ (1)

زندہ کی طرح میت کو تکلیف یا لذت محسوس ہوتی ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کسر عظم المیت ککسرہ حیا] ''مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا ہے۔'' (2)

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال الطیبی اشارۃ الی انه لا یھان میتا کما لا یھان حیا قال ابن الملك و الی ان المیت یتالم قال ابن حجر و من لازمه انه یستلذ بما یستلذ به الحی الخ وقد اخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود قال اذی المؤمن فی موته کاذاہ فی حیاته رواہ مالك وابوداؤد"

مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 79

''علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ میت کی توہین اسی طرح نہ کی جس طرح زندہ کی توہین نہیں کی جاتی۔ ابن ملک نے کہا کہ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میت کو درد محسوس ہوتا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ فوت شدہ آدمی کو اسی طرح لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح زندہ کو لذت حاصل ہوتی ہے۔''

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کو ذکر کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ کسی مؤمن کو فوت ہو جانے کے بعد تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کو تکلیف دینا ہے۔ (3)

* * * * * * * * *

1۔ جلاء الصدور فی سماع الموتی والقبور، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی، ص 100-101

2۔ رواہ مالک وابوداؤد، ج 2 ص 104 .... وابن ماجہ، ص 116 .... مشکوۃ باب دفن المیت، ج 1 ص 149

3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج 3، ص 263

سماعِ موتیٰ

ہر انسان کے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں بلکہ جسم گل سڑ سکتا ہے۔ ہڈیاں راکھ ہو سکتی ہیں لیکن سننا اور عذاب سے درد محسوس کرنا یہ کافروں کو بھی حاصل رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنوئیں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: [وجدتم ما وعد کم ربکم حقا ؟ فقیل له تدعوا امواتا؟ قال ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون] ''کہ تم نے اپنے رب کا وعدہ صحیح اور سچا پا لیا ہے؟ تو آپ سے عرض کیا گیا: آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ (یعنی وہ سن نہیں سکتے، لہٰذا انہیں خطاب وندا کا کیا مقصد؟) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ یعنی ایسا جواب جو تمہیں سنائی دے۔''[1]

قبر والے سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی قبروں سے گذرے تو ان کی طرف ''توجہ'' کرتے ہوئے فرمایا: [السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا و نحن بالاثر] ''اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے اور تمہاری بھی مغفرت فرمائے، تم ہم سے گزر گئے ہو ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔''[2]

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ انسان جب میت کو سلام پیش کرے تو اپنا چہرا اس کے چہرے کی طرف کرے ''و ان یستمر کذلك فی الدعاء ایضا'' اور ہمیشہ قبر پر جب آ کر دعا کرے۔ یعنی قبروں پر آ کر دعاء کرنے کا معمول ہی بنا لے ہمیشہ آتا رہے اور دعا کرتا رہے، اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہی دعا کیا کرے۔[3]

1۔ حیات الموات فی سماع الاموات، اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بحوالہ جلاء الصدور، شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی، ص 91

2۔ ترمذی، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور، ج 1، ص 154

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 332

یہاں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنا عام مسلمانوں کے عمل کے خلاف ہے۔ ہر دعاء قبلہ کی طرف منہ کر کے کرنا ضروری بھی نہیں کیونکہ اسی حدیث سے سمجھ آیا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعاء اصحاب قبور کی طرف "توجہ" کر کے قبلہ کی طرف منہ نہیں فرمایا۔ طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی میں، مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت، کھانے پینے کی حالت میں اور مریض کی عیادت وغیرہ میں دعا کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف نہیں کیا جاتا۔

شاید سعودیہ والے ان دعاؤں سے بے خبر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے روضۂ مطہرہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے والے کا منہ زبردستی قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

میت کی زیارت ایسے ہی کرے جس طرح اس کی زندگی میں اس کی زیارت کیا کرتا تھا۔ تو اب مرنے کے بعد اس کی قدر و منزلت کا اعتبار کرتے ہوئے، اس کی قبر سے دور ہی بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں اس کے قریب بیٹھتا تھا تو اب بھی اس کی قبر کے قریب بیٹھ جائے۔

"واذا زاره يقرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله احد ثلاث مرات ثم يدعو له ولا يمسحه ولا يقبّله فان ذالك من عادة النصارى وقال بعض العلماء لا بأس بتقبيل قبر الوالدين"

"انسان جب قبر کی زیارت کرے تو سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرے اور پھر تین مرتبہ سورہ اخلاص "قل ھواللہ احد" پڑھے پھر میت کے لئے دعا کرے، قبر نہ چھوئے اور نہ چومے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور بعض علمائے کرام نے کہا ہے کہ والدین کی قبر کو چومنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اہل علم کیلئے یہی بہتر ہے کہ وہ قبروں کو نہ چومے تا کہ جہلاء سجدہ نہ شروع کر دیں ورنہ جب والدین کی قبروں کو چومنا جائز ہے تو اساتذہ کرام، مشائخ عظام، بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کی قبروں کو چومنا بھی جائز ہے۔

میرے پیر و مرشد حضرت غلام محی الدین شاہ المعروف بابو جی رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف ہر جمعہ کے روز بعد از نماز جمعہ اپنے والد مکرم سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر دور کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے۔ مزار پر انوار کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اور نہ ہی چومتے تھے لیکن استاذی المکرم حضرت مولانا محب النبی رحمۃ اللہ علیہ (گولڑہ شریف میں ہی مدرس تھے) مزار شریف کو چومتے تھے۔

میں نے عرض کیا: استاد جی!! حضرت صاحب مزار کو نہیں چومتے اور آپ چومتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کا نہ چومنا ہی بہتر ہے اور ہمارے چومنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جائز ہے۔ تاہم جو کام "پیر و مرشد" کرتا ہے، مریدین اس سے بڑھ کر وہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ (قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ) مزار کو چومیں گے تو مرید اس سے بڑھ کر وہ کام کرنے کی کوشش میں مریدین چومنے سے تجاوز کر کے سجدہ کی حد تک پہنچ جائیں گے اور حرام کے مرتکب

ہوں گے۔ بھلا میرا کون سا مرید ہے جو مجھے دیکھ کر حد سے تجاوز کرے گا؟ اس لئے میں جواز پر عمل کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پہلے اور مُردوں کے لئے بعد میں دعا کیوں فرمائی؟

①: ایک وجہ تو یہ ہے کہ زندہ کے لئے دعا پہلے ہوتی ہے اور مردہ لوگوں کے لئے بعد میں، اسی طرح حاضر کیلئے پہلے اور غائب کے لئے بعد میں۔

②: دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء کرنا تعلیم امت کے لئے ہے۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ کسی کے لئے دعا کرنے والا پہلے اپنے لئے دعا کرے تا کہ پہلے اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے اور "مستجاب الدعوات" ہو جائے، پھر دوسرے کے لئے دعا کرے اس طرح دعاء میں زیادہ قبولیت ہوگی کیونکہ اپنے حق میں اس کی دعاء توبہ کے درجہ میں ہوگی۔ (1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے کہا کہ ابورزین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا راستہ قبرستان سے گذرتا ہے، میں فوت شدہ آدمیوں کے قریب سے گذرتے ہوئے کیا کلام کیا کروں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہا کرو:

"السلام علیکم یا اهل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف و نحن لکم تبع وانا ان شاء الله بکم لاحقون"

"اے قبر والے مسلمانو، مومنو! تم پر سلام ہو۔ تم ہمارے آگے اور ہم تمہارے پیچھے ہیں اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔"

ابورزین نے پوچھا: کیا یہ سنتے ہیں (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)؟ آپ نے فرمایا:

"یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا قال یا ابا رزین الا ترضی ان یرد علیك بعدهم من الملائکة"

"ہاں! سنتے ہیں لیکن ایسا جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے جو تم خواہش رکھتے ہو اور فرمایا: اے ابورزین! کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں قبر والوں کی تعداد کے مطابق فرشتے سلام کا جواب دیں۔"

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد خود ہی شارح اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

"و قوله لا یستطیعون ان یجیبوا ای جوابا یسمعه الحی والا فهم یردون حیث لا تسمع" (2)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا یستطیعون ان یجیبوا" (وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا جواب نہیں دے سکتے کہ زندہ ان کو سن سکے ورنہ وہ جواب تو دیتے ہیں البتہ ایسا نہیں کہ ہم سن سکیں۔"

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 4 ص 116 ...... شرح الصدور، ص 84 .... جلاء الصدور، ص 106

2۔ المرجع السابق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ما من احد یمرّ بقبر المؤمنین کان یعرفه فی الدنیا فسلم علیه الا عرفه و ردّ علیه السلام صححه عبد الحق"

"جب بھی کوئی شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر سے گذرتا ہے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو یہ اسے سلام کرتا ہے وہ اسے پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث ابن عبدالبر نے "الاستذکار و التمہید" میں ذکر کی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف حدیث اس طرح بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

اذا مر الرجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه و اذا مرّ بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام ای ولم یعرفه"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 116)

"جب بھی کوئی شخص کسی جان پہچان والے کی قبر سے گذرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان بھی لیتا ہے اور جان پہچان نہ رکھنے والے شخص کی قبر سے گذرتے ہوئے اگر سلام پیش کرے تو وہ فقط سلام کا جواب دیتا ہے یعنی پہچانتا نہیں۔"

نتیجہ یہ نکلا:

①: ان احادیث سے واضح ہوا کہ قبر والوں کیلئے دعاء کی جائے کیونکہ السلام علیکم بہت بڑی جامع دعاء ہے کہ تم ہمیشہ ہر وقت، ہر جگہ سلامتی ہو۔ اور پھر [یغفر اللہ لنا ولکم] (اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے اور تمہاری بھی مغفرت فرمائے) یہ بھی کامل دعاء ہے۔

②: سلام دینے والے کو قبر والے جواب دیتے ہیں، اگر اس کی پہچان رکھتے تھے تو اسے پہچانتے بھی ہیں۔ سلام پیش کرنے والے کو تمام قبروں والے بھی سلام کا جواب دیتے ہیں اور اتنی تعداد میں فرشتے بھی۔

③: قبروں پر جا کر دعاء کرنے والا اور سلام دینے والا کتنا خوش قسمت ہے کہ یہ خود تو ایک مرتبہ دعاء کرے لیکن اس کو مُردوں کی تعداد کے مطابق سینکڑوں، ہزاروں دعائیں ملیں۔

④: قبروں پر جا کر دعا نہ کرنے سے جہاں مردے دعاء سے محروم رہیں گے، وہاں یہ شخص بھی بدنصیب ہوگا کہ ہزاروں دعاؤں سے محروم رہے گا، قبر والوں کیلئے دعاء ان کیلئے بھی اور اپنے لئے بھی نفع مند ہے۔

والدین کی قبور کی زیارت کرنا

ماں باپ کی قبر کی زیارت کرنا مغفرت کا سبب ہے:

حضرت محمد بن نعمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:...............(سند میں صحابی کا واسطہ چھوڑا ہوا ہے براہِ راست نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث زیادہ معتبر ہوتی ہے کیونکہ تابعی بہت وثوق ہوتے ہوئے کہہ دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)..........کہ آپ نے فرمایا:

”من زار قبر ابو یه او احدهما فی کل جمعة غفر له و کتب برا رواه البیهقی فی شعب الایمان مرسلا [1]

”جو شخص اپنے والدین ......یعنی ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک جو فوت ہوا ہو......کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کرتا ہے اس کے (صغائر) گناہوں کی بخشش کی جاتی ہے اور اسے نیک، فرمانبردار، مطیع لکھ دیا جاتا ہے۔“

حدیث پاک میں جمعہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا دن بھی ہو سکتا ہے اور ہر ہفتہ میں کسی ایک دن زیارت کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر انسان کو ہر جمعہ کے دن زیارت کا وقت مل سکے تو بہتر ہے ورنہ ہفتہ میں کسی دن بھی والدین کی قبر کی زیارت کرے۔

✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽

1۔ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب زیارۃ القبور، ج2، ص154

قبورِ صالحین سے حصولِ برکت

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر سے تبرک حاصل کرنا:

حضرت یوسف علیہ السلام کے دعائیہ قول مبارک کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے: ﴿ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین پ۱۳: ۵ ﴾ اس آیت کے ماتحت جلالین میں ہے:

"تشاح المصریون فی قبرہ فجعلوہ فی صندوق مرمر و دفنوہ فی اعلی النیل لیعم البرکۃ جانبیہ"

"مصری لوگوں نے آپ کی قبر بنانے میں جھگڑا کیا تو آپ کو سنگِ مرمر کے صندوق میں بند کر کے نیل کی بلندی کی جانب یعنی پانی کے آنے والی جانب دفن کیا تا کہ دونوں طرف آپ کی برکت عام ہو۔"

(تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص199)

جلالین کے حاشیہ پر خطیب کے حوالہ سے مزید وضاحت موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جب وفات ہوئی تو ہر محلّہ کے لوگ چاہتے تھے کہ آپ کو ہمارے محلّہ میں دفن کیا جائے تا کہ ہم برکت حاصل کریں۔ اتنا نزاع برپا ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دینے کا جھگڑا پیدا ہو گیا کیونکہ یہ جھگڑا آپ کو ایک مرتبہ دفن کرنے کے بعد اہوا۔ جس جانب آپ دفن تھے وہ جانب سرسبز و شاداب و خوشحال ہو گئی اور دوسری جانب خشک رہنے لگی تو دوسرے کہنے لگے: ہمارے محلّہ میں دفن کیا جائے اور جس جانب آپ دفن تھے وہ کہنے لگے ہمارے محلّہ میں ہی دفن رہیں گے۔

اس جھگڑا کو مٹانے کے لئے آپ کو سنگِ مرمر کے صندوق میں بند کر کے نیل کے اس مقام پر دفن کر دیا گیا جہاں سے پانی مختلف علاقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ جس پر ان تمام علاقوں کو آپ کی برکت حاصل ہو گئی۔ [1]

1۔ تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص199

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا:

حضرت سلیمان تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے سنا:

"قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مررت علی موسیٰ وهو يصلی فی قبره" (1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر میرا گذر ہوا وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔

دوسری حدیث میں گذرنے کی وضاحت اس طرح موجود ہے [مررت ليلة اسری بی] میرا گذر (موسیٰ علیہ السلام پر) اس رات کو ہوا جس رات مجھے معراج کرائی گئی۔

سبحان اللہ!! کیسی ہے شانِ نبوت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہیں جس کا ایک قدم انتہائے نظر پر جاتا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے قبر میں نماز ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا، پھر بیت المقدس میں آپ سے پہلے ہی آپ کے استقبال کے لئے بھی موجود، پھر آسمانوں پر مرحبا کہتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مہربانی کیلئے (کیونکہ آپ کے مشورہ سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے حضور جاتے رہے نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ پچاس سے پانچ باقی رہیں) بھی موجود ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہانہ انداز سے سواری پر سوار ہو کر سواری کی رفتار کے مطابق چل رہے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام بغیر سواری کے اپنی شان نبوت کے مطابق چل رہے ہیں۔

❁ ✻ ✻ ✻ ❁ ✻ ✻ ✻ ❁

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام ج 2، ص 268

فصل پنجم

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

(سورۃ النساء 6:5)

''اور اگر جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں تفسیر نسفی میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن ہونے کے بعد آپ کے مزارِ انور پر ایک اعرابی حاضر ہوا۔ بے قراری کی حالت میں تڑپ تڑپ کر اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے عرض کر رہا ہے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا: ہم نے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا "ولو انھم اذ ظلموا" اور یہ کہہ رہا تھا:

"وقد ظلمت نفسی وجئتك استغفر الله ذنبی و استغفر لی من ربی فنودی من قبره قد غفر لك"

(تفسیر قرطبی بحوالہ ضیاء القرآن، ج1، ص359)

''میں نے اپنی جان پر ظلم کرلیا ہے، اب میں آپ کے پاس حاضر ہوں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کررہا ہوں آپ بھی میرے رب سے میرے لئے بخشش طلب کریں۔ آپ کی قبر شریف سے آواز دے کر اسے بتایا گیا تمہارے گناہوں کو بخشش دیا گیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف سے ہاتھ باہر نکالنا:

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور اکابر صوفیاء سے ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہوکر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے:

فِيْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِيْ كُنْتُ اُرْسِلُهَا
تُقَبِّلَ الْاَرْضَ عَنِّيْ وَهِيَ نَائِبَتِيْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظِيَ بِهَا شَفَتِيْ

دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس میں بھیجا کرتا تھا، وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارکہ چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔ اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تا کہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔"

اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اسے چوما۔ (1)

کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوّے ہزار (۹۰۰۰۰) کا مجمع مسجد نبوی میں تھا، جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی زیارت کی جن میں محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نوّر اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ (2)

نبی کریم ﷺ کے مزارِ انور سے تبرک:

حضرت ابن جوزاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ اہلِ مدینہ سخت قحط میں مبتلاء ہو گئے یعنی بارش نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آکر شکایت کی، آپ نے فرمایا:

" انظروا قبر النبی ﷺ فاجعلوا فیه کوی الی السماء حتی لا یکون بینه وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطرا حتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق" (3)

"نبی کریم ﷺ کے مزارِ انور کی طرف دیکھو اور ان کے حجرہ (روضۂ مطہرہ) سے تھوڑا سا سوراخ کر دو یہاں تک کہ آپ کی قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی چھت یعنی حجاب نہ رہے۔ پس صحابہ کرام نے ایسے ہی کیا، اتنی کثیر بارش ہوئی جس سے بہت گھاس اُگی، اونٹ وہ گھاس کھا کھا کر اتنے موٹے ہوئے کہ چربی کی وجہ سے ان کی کوہانیں پھٹ گئیں، اس سال کا نام عام الفتق (پھٹنے کا سال) پڑ گیا۔"

1۔ الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج2 ص261

2۔ البنیان المشید بحوالہ تبلیغی نصاب، باب فضائل حج، مولانا محمد زکریا صاحب ص84

3۔ دارمی، مشکوۃ، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب الکرامات ج2 ص545.........وفاء الوفاء ج2 ج4 ص1374

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں بیان کرتے ہیں:

"وقیل انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستشفع بہ عند الجدب فتمطر السماء فامرت عائشۃ بکشف قبرہ مبالغۃ فی الاستشفاء فلا یبقی بینہ وبین السماء حجاب"[1]

"بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے جب قحط سالی میں بارش طلب کی جاتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ کی چھت کھولنے کا حکم فرمایا تا کہ آپ کے مزارِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے یہ توسل میں مبالغہ ثابت کرنا تھا یعنی زیادہ سے زیادہ وسیلہ حاصل کرنا۔"

✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج6، ص141

فصل ششم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاجت روائی فرمانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ انور سے بذریعۂ خط شفا طلب کرنا:

ابو محمد اشبیلی بیان کرتے ہیں کہ اہلِ غرناطہ میں سے ایک شخص کو بیماری لاحق ہوگئی جس کے علاج سے ماہر طبیب عاجز آگئے۔ اس مرض سے صحت کی کوئی امید نہ رہی، اس شخص کی طرف سے ایک وزیر ابن ابی خصال نے ایک خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا جس میں بیماری سے شفا کی درخواست کی گئی اور اس میں کچھ شعر لکھے، ان میں سے پہلا شعر یہ ہے:

کتاب وقیذ من زمانة مشفی بقبر رسول الله احمد یستشفی

بیماری سے عاجز موت کے کنارے پر پہنچے ہوئے ایک شخص کا خط رسول اللہ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی طرف شفا طلب کرنے کے لئے۔

جب وہ خط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ انور پر پہنچا اور اس کا یہ پہلا شعر ہی پڑھا گیا۔ تو وہ شخص اپنی جگہ صحت یاب ہوگیا۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط کا جواب دینا اور لوگوں کا سننا:

سید نور الدین ایجی روضۂ مطہرہ پر جب حاضر ہوئے تو عرض کیا: [السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته] اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [وعلیکم السلام یا ولدی] (اے میرے بیٹے! اور تم پر بھی سلام ہو) آپ کے سلام کے جواب کو ان تمام لوگوں نے سنا جو اس وقت مزارِ انور پر حاضر تھے۔[2]

شیخ ابو نصر عبد الواحد بن عبد الملک کرخی فرماتے ہیں: میں نے حج کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، میں روضۂ مطہرہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران الشیخ ابو بکر الدیا بکری حاضر ہوئے۔ روضۂ مطہرہ کے پاس مواجہ شریف کے مقابل کھڑے

1۔ جواہر البحار، علامہ محمد بن اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ، ج 4 ص 24

2۔ الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج 2 ص 261

ہو کر عرض کرنے لگے "السلام علیک یارسول اللہ ﷺ" آپ فرماتے ہیں:

"فسمعت صوتا من داخل الحجرة وعليك السلام يا ابابكر وسمعه من حضر"

"میں نے (اور تمام حاضرین نے) سنا کہ روضۂ مطہرہ کے اندر سے آواز آرہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے سلام کا جواب دے رہے "وعلیک السلام یا ابا بکر" اے ابوبکر (دیار بکری) تم پر بھی سلام ہو۔"

(الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج2 ص261)

نبی کریم ﷺ کے روضۂ مطہرہ سے اذان کی آواز آنا:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں محصور ہو گئے تھے، جب یزیدی دور کے مدینہ طیبہ میں مظالم ہو رہے تھے۔ باہر سے کسی کو مسجد نبوی میں داخل نہیں ہونے دیا گیا اور اندر صرف حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ تھے انہیں باہر نہیں نکلنے دیا گیا۔ اس وقت کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

"وما في مسجد رسول الله ﷺ غيري وما ياتي وقت صلوة الا سمعت الاذان من القبر"

"رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں سوائے میرے اور کوئی بھی نہیں تھا، جب بھی نماز کا وقت ہوتا میں مزار انور سے اذان کی آواز سنتا۔"

دلائل النبوۃ، ابو نعیم، الحاوی للفتاوی، ج2 ص128

نبی کریم ﷺ نے خواب میں روٹی عطا فرمائی:

ابن جلاء کہتے ہیں: میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا، مجھ پر فاقہ تھا۔ میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی مرحمت (عنایت) فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ (1)

نبی کریم ﷺ کی محبت غلام کے گھر جلوہ گری:

مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کو "ابن ثابت" کہا جاتا تھا، ساٹھ سال تک ہر سال حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور زیارت کر کے واپس آجاتے۔

ایک سال کسی عارضہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ کچھ غنودگی کی حالت میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا: ابن ثابت! تم ہماری ملاقات کو نہ آئے، اس لئے ہم تم سے ملنے آئے ہیں۔ (2)

1۔ وفاء شریف بحوالہ تبلیغی نصاب باب فضائل حج، مولانا ذکریا صاحب ص188

2۔ الحاوی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ج2 ص262 .... فضائل حج، مولانا محمد ذکریا صاحب ص186

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بارش کی درخواست:

بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے حضرت مالک الدار سے روایت بیان کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے۔ وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط سالی میں مبتلاء ہوگئے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے مزار انور پر حاضر ہو کر عرض کیا:

" استسق لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله ﷺ في المنام فقال ائت عمر فاقرئه السلام واخبرة انهم مسقون و قل له عليك الكيس الكيس"

"یارسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ خواب میں اسے شرف ملاقات بخشتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عمر کو جا کر میرا اسلام پہنچادو اور بتادو کہ عنقریب بارش ہوجائے گی اور پیغام بھی دینا کہ تم پر "دانائی" لازم ہے یعنی میانہ روی سے کام لو۔"

وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور نبی کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے روتے ہوئے عرض کیا: اے میرے اللہ! میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ ہاں! جس سے میں عاجز ہوں اسے معاف فرمانا۔[1]

نبی کریم ﷺ کے مزار پر حاضر ہو کر کھانا طلب کرنا:

امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں طبرانی اور ابوالشیخ حرم رسول اللہ ﷺ میں تھے اور ہم پریشان حال تھے۔ بھوک کے آثار ہم پر ظاہر تھے گویا کہ ہم صوم وصال (دن رات کا مسلسل روزہ) میں تھے۔

"فلما كان وقت العشاء حضرت قبر النبي ﷺ فقلت يا رسول الله ﷺ الجوع"

"جب عشاء کا وقت ہوا میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم بھوکے ہیں۔"

پھر میں واپس آ گیا میں اور ابوالشیخ سو گئے اور طبرانی بھی بیٹھ کر کسی چیز میں نظر کر رہے تھے۔ ایک علوی شخص آئے اور ان کے ساتھ دو غلام (لڑکے) تھے۔ ہر ایک کے پاس ایک ایک توشہ دان تھا جن میں کھانے کی بہت چیزیں تھیں۔ ہم بیٹھے اور ہم نے کھانا کھایا اور وہ کھانا ہم سے بچ گیا۔ وہ ہمارے پاس ہی چھوڑ گئے، وہ شخص کہنے لگے:

" يا قوم أ شكوتم الى رسول الله ﷺ فاني رأيته في

"کیا تم نے نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی بھوک کی شکایت کی

1۔ فتح الباری شرح بخاری، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ج4.........جواہر البحار، علامہ اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ ج4 ص33

2۔ وفاء الوفاء باب علامۃ محبت، ج2، ص1380

المنام فامرني ان احمل بشيء اليكم "1" تھی کیونکہ میں نے خواب میں آپ کی زیارت کی تو آپ نے مجھے حکم فرمایا: کھانے کی اشیاء تمہارے پاس پہنچاؤں۔"

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کھانا طلب کرنا:

مولوی سید احمد کے بھانجے کے مرید اور خلیفہ مجاز سید محمد علی کہتے ہیں: آدھی رات کے قریب ہم وادیٔ سرف پر پہنچے جہاں ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار فائض الانوار ہے۔............ اللہ تعالیٰ ان پر ان اور ان کے شوہر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرمائے............ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز ہمارے پاس کھانے پینے کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ میں جب سو کر اٹھا تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی میری طاقت میں اضمحلال (کمزور پن) آ گیا۔ اور چہرہ کملا گیا تھا۔ روٹی مانگنے کے لئے میں ہر کسی کے پاس گیا لیکن مطلب کو نہ پہنچا۔

آخر بے بس ہو کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کیلئے گیا اور فقیرانہ انداز سے صدا لگائی اور میں نے سلام عرض کیا: اے میری دادی جان! میں آپ کا مہمان ہوں، کوئی چیز کھانے کی عنایت فرمائیں۔ پھر میں نے سلام عرض کیا اور فاتحہ پڑھ کر روح کو ثواب پہنچایا اور آپ کی قبر انور پر سر رکھ دیا۔

اللہ جو رازقِ مطلق ہے اور ہمارے احوال سے واقف ہے، اس کی طرف سے مجھ کو انگور کے دو تازہ خوشے ملے اور عجیب تر بات یہ کہ وہ ایام سرد تھے اور ان دنوں میں وہاں انگور کا ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا۔ ان خوشوں میں سے کچھ میں نے وہیں کھائے اور باقی حجرہ سے باہر آ کر میں نے ایک ایک دانہ ہر ایک کو تقسیم کیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے۔

یافت مریم گر بھنگام شتا
میوہ ھائے جنت از فضلِ خدا

ایں کرامت در حیاتش بود و بس
بعد موتش نقل ننمود است کس

بعد فوت زوج ختم المرسلین
رفتہ چندیں قرن ھائے دَور

بنگر از زوجے ایں کرامت یافتم
مائیہ صد گونہ نعمت یافتم

1۔ وفاء الوفاء ج 2 حصہ 4 ص 1380

ترجمہ: حضرت مریم علیہا السلام نے اگر ایام سرما میں جنت کے میوے (گرمیوں والے) فضل خدا سے پائے تو ان کی یہ کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی، ان کی وفات کے بعد یہ کرامت ثابت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی زوجہ کی وفات ان کی زندگی میں تھی، ان کی وفات کے بعد یہ ثابت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد اتنی صدیاں گذرنے کے بعد اسے دیکھنے والے دیکھ کہ میں نے آپ سے اس کرامت کو ظہور پایا اور صد ہزار نعمت کے حصول کا مرتبہ پایا۔ ●

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سے جواب دینا:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب "انفاس العارفین" میں فارسی زبان میں بیان کیا، پھر اسی واقعہ کو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب بزم جمشید ص ۱۸ پر نقل کیا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

> وہ (شاہ عبدالرحیم) قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ وسوسہ ہوا کہ نہ معلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ فوراً قبر سے آواز آئی۔
>
> مرا زندہ پندار چوں خویشتن
>
> بجاں آمد گر تو آئی بتن
>
> مجھے اپنی طرح زندہ سمجھ اگر تم جسمانی طور آئے ہو تو میں روحانی طور پر آؤں گا۔ ●

مولوی اشرف علی صاحب کے پردادا نے بعداز شہادت گھر آکر مٹھائی دی:

کہتے ہیں: میرے پردادا صاحب کا نام "فرید" زبانوں پر مشہور تھا اور پرانے کاغذات میں غلام فرید دیکھا گیا.................ایک بارات کے ساتھ کیرانہ جارہے تھے۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ پردادا صاحب اچھے تیرانداز تھے۔ بہلی میں بیٹھے بیٹھے تیر چلا رہے تھے، کسی نے ان کو دیکھ لیا اور شہید کیا۔

رات کو میری پردادی صاحبہ جس وقت وہ جاگ رہی تھیں، تشریف لائے اور باتیں کیں اور جاتے وقت کچھ مٹھائی اور پھل دے گئے کہ بچوں کو دے دیں بھوکے نہ رہیں اور فرمایا: اس کی کسی کو اطلاع نہ کریں چونکہ اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بیوہ کے پاس مٹھائی کا آنا عرفاً برا تھا۔ اس لئے جب پردادی صاحبہ نے اس کا اظہار کیا اس کے بعد وہ کبھی تشریف نہ لائے۔ ●

1۔ مخزن احمدی، ص99

2۔ بزم جمشید، مولانا اشرف علی تھانوی، ص18

3۔ بزم جمشید، مولانا اشرف علی تھانوی، ص41

نبی کریم ﷺ کے روضۂ مطہرہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے دروازہ کھلنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا: جن ہاتھوں سے تم نے حضور اقدس ﷺ کو غسل دیا تو انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حجرہ کے قریب لے جا کر جہاں حضور ﷺ کی قبر ہے، اجازت مانگ لینا۔ اگر اجازت مانگنے پر حجرے کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ابوبکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں تو میں نے دیکھا: ایک دم حجرے کے کواڑ کھل گئے اور ایک آواز آئی کہ [ضموا الحبیب الی الحبیب] (دوست کو دوست کے پاس پہنچادو)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص الکبریٰ میں ان دونوں روایات (ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی) کو ذکر کیا ہے۔ محدثانہ حیثیت سے اس روایت کو ''منکر'' بتایا ہے لیکن تاریخی حیثیت تو باقی ہے ہی۔ ●

تنبیہ:

اگرچہ مولوی زکریا صاحب نے ان روایات کی تاریخی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے لیکن روایات کو محدثانہ اصطلاح میں ''منکر'' کہا ہے حالانکہ ان روایات کو منکر کہنا درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ مشکوۃ شریف میں منکر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''شاذ کا لغوی معنی جماعت سے متفرد ہونا اور اصلاح محدثین میں شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جو ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ اگر راوی ثقہ نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (ثقہ راویوں کے خلاف غیر ثقہ راوی کی روایت مردود ہے) اگر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ ہے تو زیادتی حفظ وضبط یا تعداد کی کثرت اور ترجیحات کی وجوہ میں مرجح صورتوں میں ترجیح دی جائے گی، جس روایت کو راجح قرار دیا گیا، اسے محفوظ کہا جائے گا اور جسے مرجوح قرار دیا گیا اسے شاذ اور منکر کہا جائے گا۔'' ●

اب واضح ہوا کہ ''منکر حدیث'' وہ ہے جو ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو اور اس میں کوئی وجہ ترجیح بھی نہ پائی گئی ہو۔ اگر کوئی ایسی روایت ثابت ہو جو ثقہ راویوں نے بیان کی ہو جس میں یہ ذکر ہو کہ نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ

1۔ فضائل حج، مولانا محمد زکریا صاحب، ص96

2۔ مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص5

کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ رکھ کر اجازت نہیں طلب کی گئی اور دروازہ خود نہیں کھلا تو ان روایات کو "منکر" کہا جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ عدم ذکر منافی ذکر نہیں یعنی بعض صحابہ کرام نے کوئی واقعہ ذکر کیا ہو تو وہی واقعہ تمام صحابہ کرام کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دعا:

حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ساٹھ سال بعد قحط سالی ہوگئی۔ اہل سمرقند نے کئی مرتبہ بارش کے لئے دعاء کی لیکن بارش نہ ہوئی۔

نیک بزرگوں میں سے ایک شخص نے قاضی کو کہا: میرا خیال ہے لوگوں کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی طرف نکالا جائے۔ اور ہم ان کی قبر کے پاس جا کر بارش طلب کریں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا کرے گا، ایسے ہی کیا گیا:

" و بکی الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبه فارسل الله تعالی علیه السماء بماء غزیر اقام الناس من اجله نحو سبعة ایام لا یستطیع احد الوصول الی سمرقند من کثرة المطر "❶

"لوگ آپ کی قبر کے پاس جا کر روئے، صاحب قبر کو وسیلہ بنا کر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اتنی موسلا دھار بارش عطا فرمائی کہ لوگ بارش کی کثرت کی وجہ سے سات دن تک سمرقند تک نہ پہنچ سکے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام بخاری کی ملاقات کے لئے تشریف لانا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور آپ کو قبر میں رکھ دیا گیا یعنی دفن کے لئے قبر میں اتارتے ہی [فاح من تراب قبره رائحة طيبة كالمسك] آپ کی قبر مٹی سے کستوری کی طرح خوشبو آنے لگی اور لوگ ایک مدت تک آپ کی قبر پر آتے رہے اور وہ مٹی لے کر اس کی خوشبو سے تعجب کرتے رہے۔

اس وقت ایک شخص نے بتایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی بھی ایک جماعت ہے۔ آپ یہاں (قبر کی جگہ) ہی کھڑے ہیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا، آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا: [ما وقوفك هنا يا رسول الله! قال انتظر محمد بن اسمعيل] یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے یہاں تشریف فرما ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل (بخاری) کی انتظار کر رہا ہوں۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 16

2۔ تذکرۃ الموتی والقبور، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ بحوالہ مرقاۃ ج 1، ص 15

وہ شخص بیان کرتے ہیں کہ چند دنوں کے بعد ہی مجھے خبر ملی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ تو پتہ چلا کہ آپ کی وفات کا وہی وقت ہے جس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (خواب میں) زیارت کی تھی۔ (1)

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے تبرک حاصل کرنا:

" و قبرہ ظاهر ببغداد یزار و یتبرك به و کشف لما دفن بجنبه بعض الاشراف بعد موته بمائتين وثلاثين سنة فوجد كفنه صحيحا لم يبل وجثته لم تتغير " (2)

" حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر بغداد میں مشہور معروف ہے آپ کی قبر کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، آپ کی وفات کے دو سو تیس (۲۳۰) سال بعد کسی بزرگ نے آپ کی قبر کے ایک طرف مکاشفہ سے دیکھا کہ آپ کا کفن صحیح ہے پرانا نہیں ہوا اور آپ کا جسم بالکل صحیح حالت میں ہے اس میں بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جب حق مسئلہ بیان فرمایا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، حادث نہیں بلکہ قدیم ہے تو اسی پر آپ کو ظالم حاکم نے سزا کے طور پر کوڑے لگوائے کیونکہ وہ "خلق قرآن" (قرآن پاک کے مخلوق ہونے) کا قائل تھا لیکن آپ نے صبر و تحمل سے سختیوں کو برداشت کیا۔

آپ کو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا تو آپ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا تو آپ نے اس زیارت کر کے سوال کرنے والے شخص احمد بن محمد کندی کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور فرمایا کہ اے احمد!! [هذا وجهي فانظر اليه فقد ابحتك النظر اليه] تم پر میری زیارت مباح کر دی گئی، اس لئے تم میری زیارت سے مشرف ہو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں پیغام بھیجا کہ مجھے وہ قمیص دے دی جائے جس کو پہنے ہوئے آپ کو مارا گیا تھا۔ آپ کی خواہش کے مطابق وہ قمیص آپ کو دے دی گئی۔ [فغسل الشافعي وشرب ماء ه وهذا من اجل مناقبه] "امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دھویا اور پھر اس کا پانی پیا۔ اس لئے کہ امام احمد بہت مناقب کے مالک تھے۔" (3)

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 15-16

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 22

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 22

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سرانور کا کلام کرنا:

شرح الصدور ص ۳ ۷ میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عساکر کے حوالہ سے بیان کیا کہ منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اس وقت دمشق میں تھا، جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اٹھا کر لے جایا جار ہا تھا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی! میں نے دیکھا کہ ایک شخص قرآن پاک کی سورۃ کہف کی تلاوت کر رہا ہے، جب وہ اس مقام پر پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ (سورۃ الکہف ۱۵:۱۳)

"کیا تمہیں معلوم ہے پہاڑ کی غار اور جنگل والے ہماری ایک عجیب نشانی ہیں۔"

راوی کہتے ہیں:

"فانطلق الله الرأس بلسان ذرب ای فصیح فقال اعجب من اصحاب الكهف قتلي وحملي "[1]

"اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو فصیح زبان سے بولنے کی طاقت عطا فرمائی تو آپ کے سر مبارک نے کہا: مجھے شہید کرنا اور مجھے اٹھا کر لے جانا اصحاب کہف سے بھی زیادہ عجیب ہے۔"

* * * * * * * * *

1۔ شرح الصدور، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، ص 17

صحابہ کرام کے گستاخوں کا عبرتناک انجام

حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے گستاخ کا انجام:

قیروانی نے بعض بزرگوں کا واقعہ بیان کیا کہ میرا پڑوسی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں نکالتا تھا۔ ایک دن اس نے ان دونوں حضرات کو بہت زیادہ گالیاں دیں تو میری اور اس کی بہت زیادہ لڑائی ہوگئی ہے۔ میں جب واپس گھر آیا تو بہت زیادہ پریشان حال تھا، شام کا کھانا بھی نہ کھا سکا۔

اسی پریشانی کے حال میں سو گیا تو میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص (میرا پڑوسی) آپ کے صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کون سے صحابہ کو؟ میں نے عرض کیا: حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خذ هذه المدية فاذبحه بها فاخذتها فاضجعته و ذبحته] یہ چھری لے لو اس کو ذبح کر دو میں نے چھری لے لی اسے لٹا دیا اور ذبح کر دیا۔

میں نے اپنے ہاتھوں پر خون دیکھا تو میں نے اپنے پڑوسی کے گھر سے چلانے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: یہ چیخ و پکار کیا ہے؟ مجھے لوگوں نے بتایا کہ وہ شخص اچانک مرگیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں اس کے گھر آیا دیکھا کہ اس پر ذبح کے نشانات موجود ہیں۔ [1]

شیخین رضی اللہ عنہما کے گستاخ کا آدھا چہرا سیاہ ہو گیا:

ابن ابی الدنیا نے حاتم رازی سے انہوں نے محمد بن علی سے روایت بیان کی کہ ہم مکہ مکرمہ میں مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص جس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا سفید............ وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! مجھ سے عبرت پکڑو۔ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا اور انہیں گالیاں دیتا تھا۔

ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا، اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا اور مجھے کہا: اے اللہ

1۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ ص 297............ الصارم ص 44

کے دشمن! اے فاسق!! کیا تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں نہیں نکالتا تھا؟ جب صبح میں بیدار ہوا تو میرا یہ حال ہو گیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ ❶

گستاخ شیخین "عمان" کا عبرتناک واقعہ:

محمد بن عبداللہ مہلبی کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں قبیلہ کی کشادہ زمین میں ہوں۔ ایک بلند جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص مجھے اور حضرت ابو بکر کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت) اسے لایا جائے۔ جب اس شخص کو لایا گیا تو وہ "عمان" نامی شخص تھا جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے میں بہت مشہور تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لٹادو! اسے لٹا دیا گیا، پھر آپ نے فرمایا: اسے ذبح کر دو! اسے ذبح کر دیا گیا۔

راوی کہتے ہیں: میں اس کے چیخنے سے جاگا۔ یہ منظر جب میں نے دیکھا اور بیدار ہوا تو خیال آیا کہ میں جا کر اس شخص کو یہ واقعہ بتاؤں، ہو سکتا ہے وہ توبہ کر لے۔

جب میں اس کے گھر کے پاس پہنچا تو مجھے بہت زیادہ رونے کی آواز آئی۔ میں نے پوچھا: یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ گذشتہ رات عمان کو اس کی چارپائی پر ذبح کر دیا گیا۔ میں نے اس کے قریب ہو کر اس کی گردن کو دیکھا تو نظر آیا کہ ایک کان سے دوسرے کان تک ایسے چیرا گیا ہے کہ اس سے خون بہہ رہا ہے۔ ❷

شیخین رضی اللہ عنہما کے گستاخ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنکھیں نکال دیں:

علامہ قیروانی کہتے ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے بتایا کہ مجھے مسجد نبوی کے امام ابو الحسن مطلبی نے خبر دی کہ میں نے مدینہ طیبہ میں ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ ایک شخص جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا تھا، اسے میں نے آتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہیں اور رخساروں پر آئی ہوئی ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں نے گذشتہ رات خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص ہمیں ایذاء پہنچاتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو قیس! تمہیں کس نے کہا کہ ان کو گالیاں دو۔ میں نے حضرت علی

1۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ص300..........البصائر ص45

2۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ص300

رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میری طرف توجہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ باقی انگلیوں کو بند کر کے درمیانی اور شہادت کی انگلی کو کھول کر میری آنکھوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو ضائع کر دے۔

یہ کہتے ہوئے آپ نے میری آنکھوں میں اپنی انگلیوں کو داخل کر دیا۔ میں جب بیدار ہوا تو اس وقت سے میرا یہ حال ہے۔ وہ شخص روتا تھا، لوگوں کو اپنے حال کی خبر دیتا تھا اور توبہ کا اعلان کرتا تھا۔ (1)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا انجام:

ابن ابی الدنیا نے قریش کے ایک شخص سے روایت بیان کی کہ میں نے ایک شخص کو شام میں دیکھا، جس کا آدھا چہرا سیاہ تھا، وہ اسے ڈھانپ کر رکھتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: تمہارا چہرا سیاہ کیوں ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلانے کے لئے ہر شخص کو بتاتا ہوں جو بھی مجھ سے پوچھتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں شدید گستاخی کیا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آیا ہے، اس نے مجھے کہا: [انت صاحب الوقیعه فیّ فضرب شق وجهی فاصبحت شق وجهی اسود کما تری] "تو ہی میری شان میں گستاخی کرتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے کی ایک جانب (تھپڑ) مارا، اس دن سے میرا چہرا سیاہ ہو گیا جیسے تو دیکھ رہا ہے۔ (2)

1۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ص300.........البصائر ص44
2۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ص300.........البصائر ص45

فصل ہشتم

کراماتِ اولیائے کرام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کھودنے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جن حضرات کے شہداء اُحد میں مدفون ہیں وہ حاضر ہو جائیں۔ لوگ جب گئے تو دیکھا کہ تمام شہداء کے اجسام صحیح سلامت ہیں ان میں نشوونما پائی ہے۔

"فاصابت المسیحات رِجل رَجل منھم فانبعث دما" ❶

"تو کندال ایک صاحب کے پاؤں کو لگ گئی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ مٹی کھود رہے تھے تو اس سے کستوری کی طرح خوشبو مہک رہی تھی۔"

"فاصابت المسیحات قدم حمزة فانبعث دما" (بیہقی)

"سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدموں کو کندال لگی تو قدموں سے خون جاری ہو گیا۔"

تفسیر مظہری میں "ولاتحسبن الذین قتلوا الخ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔

"ان اللہ یعطی لارواحھم قوة الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنة حیث یشاءون وینصرون اولیاء ھم و یدمرون اعدائھم ان شاء اللہ تعالی ومن اجل ذالك الحیوة لا تاکل الارض اجسادھم"

"اللہ تعالیٰ شہداء کی روحوں کو جسموں کی طرح طاقت دیتا ہے وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اس زندگی کی وجہ سے ہی زمین ان کے جسموں کو نہیں کھا سکتی۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد جو شہید ہو گئے تھے، کھدائی کے دوران ان کا جسم برآمد ہوا تو دیکھا کہ ان کا ہاتھ ان کے زخم پر ہے۔

"فامیطت یدہ عن جرحه فانبعث الدم فردت الی مکانھا فسکن الدم"

"جب آپ کے ہاتھ کو ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا اور جب ہاتھ کو پھر اپنی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔"

1۔ طحاوی، ج، ص .... ابن ابی شیبہ .... البصائر ص 17

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ کو ایسے پایا جیسے وہ سوئے ہوئے ہوں۔ ان کا کفن صحیح سلامت تھا، ان کے پاؤں پر رکھا ہوا گھاس (کفن کی چادر چھوٹی تھی) بھی صحیح سلامت تھا۔ حالانکہ اس واقعہ اور ان کی شہادت کے درمیان چھیالیس سال گذر چکے تھے۔ (1)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری:

"قال الشافعی انی لأتبرك بأبی حنیفه رحمه الله و اجیء الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین فسألت الله عند قبره تنقضی سریعا"

(فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ج 1 ص 39)

"حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر انور پر حاضری دیتا ہوں۔ جب بھی مجھے کوئی حاجت درپیش آتی ہے تو میں دو رکعت نفل ادا کرتا ہوں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر آ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں میری وہ حاجت جلدی ہی پوری ہو جاتی ہے۔"

یعنی سوال تو اگرچہ اللہ تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار انور کے قرب کی وجہ سے اور آپ کے وسیلہ سے وہ دعاء جلدی قبول ہوتی ہے۔

بلکہ یہ بھی مشہور ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے قائل تھے لیکن امام اعظم کے مذہب میں صرف عشاء کی نماز میں دعائے قنوت ہے۔ اس لئے جب بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر آتے تو صبح کی نماز کا وقت ہوتا دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے کہ مجھے صاحب مزار سے حیاء آتی ہے کہ میں اس کے مزار پر آ کر اسی کے مذہب کے خلاف کروں۔ (2)

چند مفید عبارات:

"ان الدفن بقرب الصالحین فی مواضع متبرکة امر مندوب" (تفسیر خازن، ج ۱، ص ٤٤٧)

"نیک لوگوں کے قریب متبرک مقامات میں کسی کو دفن کرنا امر مستحب ہے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روضہ مطہرہ میں دفن ہونے کی خواہش کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایثار فرماتے ہوئے اجازت دی اس پر فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

وفیه الحرص علی مجاورة الصالحین فی القبور طمعا فی

اس حدیث پاک سے سمجھ آ رہا ہے کہ نیک لوگوں کے قریب

1۔ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، ج 4 ص 489.................. البصائر ص 18

2۔ البصائر ص 38

اصابة الرحمة اذا نزلت عليهم وفي دعاء من يزورهم من اهل الخير"

(فتح الباری، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، ج3 ص166)

" لا باس بها اى بزيارة القبور بل تندب كما في البحر"

(فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ج2 ص630)

ان الافضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع ان الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة و يوما ما قبله وما بعده"

(فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ج2 ص630)

"ان الولي في الدنيا كالسيف في غمده فاذا مات تجرد عنه فيكون اقوى في التصرف"

(بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ ج1 ص2-3)

" و بالجملة لم يدل دليل على نفي سماع الموتى و ادراكه و فهمه وتأمله لا من الكتاب ولا من السنة بل السنن الصحيحة والصريحة دالة على ثبوتها"

(عمدۃ الرعایہ، باب الیمین ج2، ص224)

" عن الحسن قال بلغني ان المؤمن اذا مات ولم يحفظ القرآن امر حفظة ان يعلموه القرآن حتى يبعثه الله"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج2 ص342)

"بانه لا تباعد من الاولياء حيث طويت لهم الارض

دفن ہونے کی تمنا پائی جائے اس خیال کے پیش نظر کہ ان پر جب رحمت کا نزول ہوگا مجھے بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ نیک لوگ جب ان کی زیارت کے لئے آئیں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے تو اس دعاء کا فائدہ مجھے حاصل ہوگا۔

" قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے بحر الرائق میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔"

" افضل یہ ہے کہ قبروں کی زیارت جمعہ، ہفتہ، پیر، جمعرات کو کرے، محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک فوت شدہ انسان جمعہ کے دن اور ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں زیارت کے لئے آنے والوں کو جانتے ہیں۔"

" بے شک ولی دنیا میں ایسے ہوتا ہے جس طرح تلوار نیام میں ہوتی ہے لیکن جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی حیثیت تلوار کے نیام سے باہر نکلنے والی ہو جاتی ہے' اس کا تصرف بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔"

" حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی قوی دلیل نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ مردے نہیں سنتے یا ان کو ادراک سمجھ سوچ حاصل نہیں نہ قرآن پاک سے اور نہ ہی حدیث پاک سے کوئی ایسی دلیل ملتی ہے جس سے یہ (نفی سماع موتی) ثابت ہو۔ بلکہ صحیح اور واضح احادیث اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔"

" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ اگر کوئی قرآن پاک حفظ کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک وہ اپنے اہل سے نہیں مل جاتا۔"

" اولیائے کرام کے لئے یہ بعید نہیں کہ ان کے لئے زمین کو

وحصل لهم ابدان مكتسبة و وجد ما في اماكن مختلفة في آن واحد"

سمیٹ دیا جائے اور ان کو ایک ہی وقت میں کئی مقامات میں پایا جا سکتا ہے۔"

" فهم يصلون فيها ويقرء ون و يزاورون ويتنعمون و يلبسون"

(شرح الصدور، باب احوال الموتی فی قبورھم ص 74)

" اللہ کے نیک بندے قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور قرآن پاک پڑھتے ہیں اور ان کو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور ان کو لباس میسر ہوتا ہے۔"

" الانبياء معصومون قبل النبوة وبعدها عن كبائر الذنوب و صغائرها ولو سهوا على ما هو الحق عند المحققين"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1 ص 127)

" تمام انبیائے کرام اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں گناہ ان سے سہواً بھی سرزد نہیں ہوتے محققین علماء کے نزدیک یہی حق ہے۔"

" وحكمة اجتماعهم في مكان واحد حيلة موتا و بعثا وحشرا و يتبرك الناس بالزيارة الى مشاهدهم ويكون وسيلة الى زيارة جبل احد حيث قال عليه الصلوة والسلام احد جبل يحبنا و نحبه"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 4 ص 72)

" شہدائے اُحد کو ایک جگہ جمع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ جس طرح ظاہری زندگی میں ایک جگہ ہی رہتے تھے شہادت بھی سب کو ایک ہی جنگ میں حاصل ہوئی اسی طرح اٹھیں بھی ایک ساتھ ہی۔ اور میدان محشر میں بھی سب مجتمع ہوں گے اور لوگ بھی ان تمام کے مزارات کی ایک ساتھ ہی زیارت کر کے تبرک حاصل کریں۔ اور ساتھ ساتھ ان کی زیارت کے اُحد پہاڑ کی بھی زیارت ان کو حاصل ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

اظہارِ تشکر:

اللہ تعالیٰ کا ان گنت شکر گزار ہوں جس نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں نے ۱۹۸۷ء میں حج کی سعادت حاصل کی برادرم مولانا فضل دین نقشبندی مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی بھی میرے ساتھ تھے۔ منیٰ اور عرفات میں عالم باعمل، رئیس الاتقیاء حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ راولپنڈی کی معیت میں ان کی تقاریر اور دعاؤں سے شرف حاصل رہا۔

آپ ہر سال حج کرتے ہیں اور دونوں مقامات پر ہی حاجی نسیم احمد صاحب .... جو عظیم نعت خواں ہیں، بااخلاق ہیں اور جامعہ رضویہ کے عظیم معاون بھی ہیں .... سے ملاقات ہوئی اور تعارف حاصل ہوا دیکھا کہ اس شخص کو حاجیوں

کی خدمت کرنے اور کھانا کھلانے کا کتنا زیادہ جذبہ حاصل ہے۔ مال و دولت کا بادشاہ حاجیوں کی خدمت کے لحاظ سے فقیر نظر آتا ہے۔ جامعہ رضویہ کی معاونت میں پیش پیش رہنے والے اس عظیم انسان کو ایک سال ہوا، ہم سے بچھڑ گیا۔

دو ہفتہ پہلے ان کی سالانہ برسی گذری، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر ہزار ہزار رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

اسی حصولِ سعادت کے دوران مدینہ طیبہ کی حاضری پر "اُحد" کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ بس سے سڑک پر جب نظر پڑی کہ مدینہ طیبہ سات کلومیٹر رہ گیا ہے۔ بے تحاشا رونا آیا، آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ یہ آنسو محبت کے تھے یا اس خیال پر تھے کہ ایک بہت بڑا مجرم اپنے آقا کے حضور حاضری دے گا تو کیا منہ دکھائے گا؟ وہ آقا جن کے بارے میں علامہ قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

"لا فرق بین موته وحیاته ﷺ فی مشاهدته لامته و معرفته باحوالهم ونیاتهم وعزائمهم وخواطرهم و ذالك جلی عنده لا خفاء به"

(مواہب لدنیہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ، ج8 ص305)

نبی کریم ﷺ کی ظاہری زندگی سے تشریف لے جانے کے بعد کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ آپ اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ فرماتے ہیں ان کے حالات اور نیتوں اور ان کے ارادوں اور دل میں کھٹکنے والے حالات کو آپ پہچانتے ہیں یہ آپ کے نزدیک بالکل واضح اور منکشف ہوتے ہیں، اس میں کسی قسم کی کوئی خفاء نہیں۔"

یعنی آپ جس طرح ظاہری زندگی میں ان چیزوں پر مطلع ہوتے تھے اب بھی اسی طرح مطلع ہوتے ہیں۔

جس دن صبح کی نماز کے بعد مدینہ طیبہ سے جدہ ائیر پورٹ پر آنا تھا، جہاں سے وطن کے لئے روانگی ہونی تھی۔ وطن کی محبت اور اپنے اہل وعیال سے ملنے کی خوشی کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کو الوداع کرنے پر ایک مرتبہ پھر آنسو قطار در قطار چھلک رہے تھے۔ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔

یہی کیفیت روانگی سے دو تین دن پہلے بھی ہو چکی تھی کیونکہ صبح کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرنے کے بعد کچھ دیر مسجد میں ہی عبادت یعنی ذکر و فکر میں مشغول رہنے کے بعد جب ہم باہر آئے تو باہر مشرقی دیوار کے ساتھ تلہ گنگ غوثیہ الیکٹرک کے مالک اور ان کے دو تین ساتھی آہستہ آہستہ آواز میں ترنم کے ساتھ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلام..........

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

.... پڑھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ میں اور مولانا فضل دین نقشبندی صاحب بھی کھڑے ہو گئے، ہم نے بھی سلام پڑھنا شروع کر دیا۔

ایک پاکستانی، خشک مزاج، باریش شکلا مولوی وہاں سے گذرے اور ہم پر اعتراض کرنے لگے: تم یہاں کیوں سلام پڑھ رہے ہو؟ حالانکہ ہم بہت ہی آہستہ دھیمے انداز سے پڑھ رہے تھے۔ خیر وہ دو تین مرتبہ اپنے خیالات کا اظہار فرما کر ہم سے جواب نہ پا کر آگے گذر گئے۔ دوسرے ساتھیوں کا وہ الوداعی دن تھا، اس لئے وہ رو رہے تھے۔ ہم دونوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہی کیفیت طاری تھی۔ دل مچل رہا تھا، آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ آنسو اس طرح گر رہے تھے جیسے موتیوں کا کوئی ہار ٹوٹ گیا ہو۔

ان تین مرتبہ کے آنسوؤں پر بخشش کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پر قوی امید ہے کہ اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل اپنے بندۂ حقیر، سراپا تقصیر کو دامنِ عفو میں جگہ دیتے ہوئے اپنے قرب کے سزاوار متقین، صالحین، مقربین کا قرب عطا فرمائے گا۔

و السلف مجمعون على هذا وقد تواتر الآثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحي و يستبشر به "[1]

"سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے اور اخبار و آثار تواتر سے ثابت ہیں کہ میت زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اس کی زیارت سے خوش ہوتا ہے۔"

اللہ کا خوف بخشش کا سبب ہے:

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ قال رجل لم يعمل خيرا قط لاهله و في رواية اسرف رجل على نفسه فلما حضره الموت اوصى بنيه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه في البر ونصفه في البحر فو الله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذابا لا يعذبه احدا من العالمين فلما مات فعلوا ما امرهم فامر الله البحر فجمع ما فيه و امر البر فجمع ما فيه ثم قال له لم فعلت هذا قال من خشيتك يا رب وانت اعلم فغفر له"

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ الباب بعد باب الاستغفار والتوبۃ، ج 2 ص 207)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا (پہلی امتوں میں سے) ایک شخص جس نے کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوا تھا، اپنے نفس پر گناہوں کی وجہ سے زیادتیاں کی ہوئی تھیں۔ جب اس پر موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی (اس سے آگے دونوں روایتوں کے الفاظ مبارکہ ایک ہیں) جب میں مر جاؤں، مجھے جلا دینا، میری آدھی راکھ جنگل میں اڑا دینا اور آدھی دریا میں ڈال دینا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے (گناہوں کی وجہ) اپنی گرفت میں لیا تو وہ مجھے اتنا عذاب دے گا جتنا وہ کسی ایک کو بھی عذاب نہیں دے گا۔"

1۔ کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ، ص 55

جب وہ شخص مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا۔ اس نے تمام ذرات کو جمع کر دیا، پھر خشکی کو حکم دیا، اس نے تمام ذرات جمع کر دیئے (اس روح کا تعلق اس کے جسم سے کر کے زندہ ہونے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اسے کہا: تو اس نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! تیرے ڈر سے (میری سچائی کو) تو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ (اس جواب پر) اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا:

①: سوال کرنے سے کسی کے علم کی نفی نہیں ہوتی۔ سوال میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سوال کیا تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

②: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بخشش اس لئے فرمادی کہ وہ حقیقتاً سچا تھا، اللہ تعالیٰ کا خوف اسے دامن گیر تھا لیکن ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا۔

③: اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمان کو جلانا حرام ہے تو پھر جائز سمجھ کر اس قسم کی وصیت کرے تو کافر ہو جائے گا:

" ونقل القاضي عياض وغيره الاجماع على تفضيل ما ضم الاعضاء الشريفة حتى على الكعبة المنيفة وان الخلاف فيما عداه ونقل عن ابى عقيل الحنبلي ان تلك البقعة افضل من العرش وصرح الفاكهاني بتفضيلها على السموات "

(مرقاۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، ج2، ص190)

" قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے بیان فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مدینہ طیبہ کی وہ سرزمین جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مس کئے ہوئے ہے وہ مکہ مکرمہ سے بلکہ کعبۃ المکرمہ سے بھی افضل ہے۔ اختلاف اس کے ما سوا میں ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے یا کہ مکہ مکرمہ۔ ابو عقیل حنبلی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار انور کا وہ حصہ جس سے آپ کے جسم کا تعلق ہے وہ عرش معلی سے بھی افضل ہے۔ فاکہانی نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ مقام تمام آسمانوں سے افضل ہے۔"

"الا ان اولياء الله لا يموتون بل ينتقلون من دار الى دار"

(مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج3، ص241)

" خبردار اللہ کے ولی نہیں مرتے بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔"

"واذا كان هذا في الشهداء كان الانبياء بذالك احق و اولى مع انه قد صح عن النبى ﷺ ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء"

(کتاب الروح، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ص 54)

"جب شہداء کی زندگی کے متعلق صریح نص موجود ہے تو انبیاء کرام ان سے زیادہ بہتر حق رکھتے ہیں کہ ان کو بھی زندگی حاصل رہے جب کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک زمین انبیاء کرام کے جسموں کا نہیں کھائے گی۔

اس کی وجہ ہی زندگی کا حصول ہے جیسے پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

حضور ﷺ کا امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ پر خاص کرم:

حافظ ملت مولانا حافظ عبدالعزیز مراد آبادی قدس سرہ (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور یو۔پی) تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن حضرت دیوان سید آل رسول صاحب (سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ) کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ ان کی آمد کی خبر پا کر ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے، طبیعت میں بڑا ہی استغناء تھا۔ مسلمان نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے۔ مجھے ان کے استغناء اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ میں نے عرض کیا: حضرت یہاں (ہندوستان) تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا، جس کا افسوس ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ء کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے، میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا "فداك ابى و امى" کسی کا انتظار ہے؟ ارشاد فرمایا: احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا: احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی معلوم ہوا مولانا احمد رضا خان بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا، بریلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا اور وہی ۲۵ صفر ۱۳۴۰ء ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لئے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہوسکی۔

اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو عاشقانِ رسول یونہی نوازے جاتے ہیں۔

1۔ ماہنامہ پاسبان الہ آباد ص6 شمارہ نومبر، دسمبر 1955

باب پنجم

احوالِ قیامت

فصل اوّل

قربِ قیامت کے واقعات

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات اوراس سے پہلے واقع ہونے والے حالات بیان فرمائے ان ارشاداتِ مصطفوی ﷺ پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کتنے واقعات نمودار ہو چکے ہیں، کتنے آئے دن واقع ہو رہے ہیں۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی شان اور رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کردہ علومِ غیبیہ اور اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے۔ صاحبِ ایمان کو یہ ماننے میں کوئی مشکل درپیش نہیں رہتی کہ ہاں! یقیناً قیامت آئے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک وقت میں کچھ لوگ لوٹے ہوں گے:

"عن حذیفة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عودا فای قلب اشربها نکتت فیه نکتة سوداء وای قلب انکرها نکتت فیه نکتة بیضاء حتی تصیر علی قلبین ابیض مثل الصفاء فلا تضره فتنة ما دامت السموت والارض والآخر اسود مرباد کالکوز مجخیا لا یعرف معروفا ولا ینکر منکر الا ما اشرب من هواه" ①

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: دلوں پر فتنے چھا جائیں گے جیسے چٹائی سونے والے کو نشان لگا دیتی ہے۔ کچھ دلوں کو فتنوں کی محبت پلا دی جائے گی، ان کے دلوں پر سیاہ نشان لگا دیئے جائیں گے اور کچھ دل فتنوں کی محبت سے انکار کردیں گے ان کے دلوں پر سفید نشان ہوں گے۔ اس طرح دل دو قسم کے ہوں گے: کچھ سنگِ مرمر کی طرح سفید، جب تک زمین و آسمان قائم ہیں انہیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور کچھ دل سیاہ کچھ دل سیاہ خاکستر (راکھ) کی طرح ہوں گے۔ کچھ لوٹے کی طرح الٹنے والے ہوں گے، نہ اچھی چیز کو پہچانیں گے اور نہ ہی بری کا انکار کریں گے سوائے اس کے جو خواہشات کی محبت ان کے دلوں میں پلائی گئی ہو۔

حدیث پاک کی وضاحت:

حدیث پاک میں کچھ لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے کوزے (لوٹے) سے تشبیہ دی، جس طرح لوٹا ادھر ادھر مائل ہوتا رہتا

1۔ صحیح مسلم، ج 2، کتاب الفتن، ص 402 .... مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، کتاب الفتن، ج 2 ص 461

ہے، ذرا الٹے تو خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ علم اور معرفت سے خالی ہوں گے۔ لوٹے کی طرح ان میں ثابت رہنا اور قرار نہیں ہوگا بلکہ ان کا مطمع نظر، مقصد عظیم اور دین وایمان صرف اور صرف خواہشات ہوں گے۔ جدھر سے خواہش پوری ہوتی ہوئی نظر آئے گی ادھر ہی پھرتے رہیں گے۔

اس طرح جن دلوں میں فتنوں کی محبت اتنی راسخ ہوگی گویا کہ وہ محبت پانی میں حل کر کے ان کو پلا دی گئی ہو وہ فتنہ بازی سے کبھی باز نہیں آئیں بلکہ فتنہ بازی کو وہ دین کا حصہ سمجھیں گے کیوں نہ ہو جب ان کے دل ہی سیاہ ہو چکے ہوں گے تو یقیناً ان میں اچھائی، برائی کی تمیز ختم ہو چکی ہوگی۔ ان کی سوچ کا دائرہ بالکل الٹ ہوگا برائیوں کو وہ روح جان سمجھیں گے اور اچھائیوں کو زہر قاتل۔

حق پر قائم رہنے والی ایک جماعت ہمیشہ رہے گی:

اسی حدیث پاک میں بعض لوگوں کا جوذکر ہے کہ وہ فتنوں سے دور رہیں گے ان کے دل سفید، منور، جگمگاتے رہیں گے۔ تاقیامت ایسے لوگ آتے رہیں گے جو شیطانوں کی گرفت سے محفوظ ہوں گے، فتنوں سے دور بھاگیں گے۔ یہی حق پر قائم رہنے والے ہوں گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تزال طائفة من امتي على الحق ظاهرين لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله" [1]

"میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کو (باطل پر) غلبہ حاصل رہے گا، انہیں مخالفین سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے۔"

یعنی کچھ لوگ ہمیشہ علم اور عمل کے لحاظ سے حق پر قائم رہیں گے۔ اسی ثابت قدمی کی وجہ سے باطل پر، دینی دشمنوں پر انہیں غلبہ رہے گا۔ چونکہ یہ حق پر قائم ہوں گے اس لئے ان کو کسی کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نواز ہوگا ان کو کوئی بھٹکا نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا امر آجائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت آجائے یا اس شخص پر موت آجائے یعنی اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر محفوظ رکھے گا۔

علم اٹھ جائے گا، قتل عام ہوگا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يتقارب الزمان ويقبض العلم وتظهر الفتن ويلقى الشح"

"زمانہ قریب ہوگا، علم اٹھ جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے، بخل

1۔ (ابوداؤد، ج2، ص233 .... ترمذی، ابواب الفتن، ج2، ص42 .... مشکوۃ باب الفتن، ج2، ص465

ویکثر الھرج قالوا وما الھرج؟ قال القتل "❶ ثابت ہوگا۔ ہرج زیادہ ہوگا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل۔"

حدیث پاک کی وضاحت:

[یتقارب الزمان] کا بہت وسیع مفہوم ہے:

① ایک مقصد یہ ہے کہ دنیا کا زمانہ اور آخرت کا زمانہ قریب ہوں گے، یعنی قیامت قریب ہوگی۔

② اہل زمان یعنی لوگ فتنہ وفساد اور شرانگیزیوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔

③ شر اور فساد کے لحاظ سے زمانہ کا اول وآخر ایک دوسرے کے قریب ہوگا یعنی تمام زمانہ میں ہر طرف سے فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

④ عمریں کم ہوجائیں گی۔

⑤ زیادہ گناہوں کی وجہ سے زمانہ میں برکتیں کم ہوجائے گی۔

⑥ بادشاہیاں جلدی ختم ہوجائیں گی۔

⑦: فتنے، مصائب وآلام اتنے زیادہ ہوجائیں گے کہ لوگوں کوان کی مشغولیت میں پتہ نہیں چل سکے گا کہ وقت کیسے گذر رہا ہے؟ جیسے ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک زمانہ قریب نہ ہوجائے۔ زمانہ اتنا قریب ہوگا کہ ایک سال مہینہ کی طرح ہوگا۔ ایک مہینہ ہفتہ کی طرح، ایک ہفتہ ایک دن کی طرح ہوگا، ایک دن ایک گھڑی کی طرح، ایک گھڑی آگ کے شعلے کی طرح ہوگی۔

[یقبض العلم] یعنی علماء کے اٹھ جانے کی وجہ سے علم اٹھ جائے گا۔ اور دوسری حدیث پاک میں ہے [تعلم لغیر الدین] دینی علم کو چھوڑ کر اور علوم حاصل کئے جائیں گے، یعنی مرتبہ اور دنیاوی مقاصد اور مال حاصل کرنے کے لئے علوم پڑھیں جائیں گے۔ دین کے غلبہ کے لئے، مسلمانوں میں احکامِ دین کے اظہار کے لئے علوم حاصل نہیں کئے جائیں گے۔

[ویلقی الشح] لوگوں کے دلوں میں بخل اثر انداز ہوجائے گا۔ عالم اپنے علم میں بخیل ہوجائے گا، صانع اپنی صنعت میں، مالدار اپنے مال میں کنجوس ہوجائے گا کہ اگرچہ کچھ نہ کچھ کنجوسی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ ہر انسان ضرور کنجوس ہوتا "الا من حفظہ اللہ" سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور اسے کنجوسی سے محفوظ فرمائے۔

1- صحیح بخاری، ج2، ص1046 .... مسلم، ج2، ص398 .... مشکوٰۃ، کتاب الفتن، ج2، 462

[یکثر الھرج] کثیر فتنوں کی وجہ سے بہت زیادہ قتل واقع ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

"لا تذھب الدنیا حتی یأتی علی الناس یوم لا یدری القاتل فیم قتل ولا المقتول فیم قتل فقیل کیف یکون ذالك قال الھرج القاتل والمقتول فی النار"

(صحیح مسلم، ج2، ص349......مشکوٰۃ، کتاب الفتن، ج2 ص462)

"دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر وہ دن نہیں آجاتا جب کہ قاتل کو معلوم نہیں ہوگا وہ کیوں قتل کر رہا ہے؟ اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا وہ کیوں قتل کیا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ کیسے ہوگا (یعنی جب قاتل مقتول دونوں کو سبب معلوم نہیں ہوگا تو قتل کی وجہ کیا ہوگی؟) آپ نے فرمایا: ہرج ہوگا (یعنی کثیر فتنے نمودار ہوں گے، ایک دوسرے کے خلاف فساد بھڑکے گا جس کی وجہ سے قتل عام ہوگا) قاتل اور مقتول دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔"

قتل کرنے والے کا جہنم میں جانا اس لئے ہوگا کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے لیکن قتل ہونے والے کو اس لئے جہنم میں داخل کیا جائے گا کہ وہ بھی چاہتا تھا کہ میں اسے قتل کروں گا، لیکن اسے فرصت نہ مل سکی اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اس کو قتل کی حرص اور مصمم ارادہ کی سزا ملے گی۔

حضرت زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حجاج بن یوسف کی طرف سے ہمیں بے جا تکالیف پہنچ رہی تھیں، ہم نے ان کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا: صبر کرو:

"فانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ اشر منہ حتی تلقوا ربکم سمعتہ من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم"

(صحیح بخاری بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن، ج2، ص463-462)

"بے شک تم پر کوئی زمانہ نہیں آئے گا سوائے اس کے بعد میں آنے والا ہر زمانہ پہلے سے زیادہ شر ہوگا، یہاں تک کہ تمہاری ملاقات رب تعالیٰ سے ہو جائے۔ یہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔"

اس حدیث پاک کی شرح میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس کا حکم اکثر احوال پر ہے کیونکہ اس کا حکم حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ پر نہیں حالانکہ آپ کا دور بھی حجاج کے بعد ہی ہے، اگرچہ قریب ہے۔ اسی طرح اس کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پر بھی نہیں کیونکہ یہ بہتر زمانے ہیں، اسی طرح امام مہدی کا زمانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے۔[1]

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص121

طبرانی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

"ما من عام الا ینقص الخیر فیه و یزید الشر" (مرقاۃ ج10 ص122)

"جو سال بھی آئے گا اس میں خیر (بھلائی) کم ہوتی چلی جائے گی اور شر (فساد) بڑھتا چلا جائے گا۔"

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انما اخاف علی امتی الائمة المضلین واذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنهم الی یوم القیامة" (ابوداؤد، ج2، ص233، ترمذی، مشکوۃ باب الفتن، ج2، ص463)

"مجھے اپنی امت کے گمراہ کرنے والے اماموں پر خوف ہے اور میری امت میں جب ایک مرتبہ تلوار چل جائے گی تو اسے ان سے نہیں اٹھایا جا سکے گا۔"

حدیث پاک میں ائمہ سے مراد وہ لوگ جن کی قوم اقتداء کرتی ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جو ان کے رئیس یعنی قائد لیڈر ہوں گے اور جو لوگ دوسروں کو قول و فعل و اعتقاد کی دعوت دیں گے۔ یہ لوگ پہلے خود گمراہ ہوں گے، پھر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

خدارا!! حدیث پاک کا اندازِ بیان دیکھ کر انصاف کریں، یہ کون سے لوگ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہمارے زمانہ میں کیسے حرف بحرف صادق آ چکا ہے کیونکہ آپ نے دونوں چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے واضح کر کے اشارہ فرما دیا کہ جب لوگوں کو گمراہ کرنے والے امام ہوں گے اور ان کی وجہ سے تلوار چلے گی تو وہ تلوار تا قیامت چلتی رہے گی۔ اب ذرا دیکھیں مسجدوں میں نمازیوں کو قتل کرنا، مساجد کو اکھاڑا ظلم بنانا کون کون سے اماموں کا کام۔ بس وہی خود گمراہ کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فتنوں کا ذکر فرمایا، آپ نے ان کا بہت ہی زیادہ تذکرہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ نے فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا۔ کسی نے پوچھا: [وما فتنة الاحلاس] وہ فتنہ احلاس کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [هی هرب وحرب] یہ بھاگنا اور لڑنا ہے۔

"هــرب" معنی ہے بھاگنا۔ بعض لوگوں میں اتنی زیادہ عداوت اور لڑائیاں ہوں گی کہ وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے گا، بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو دشمن سمجھیں گے۔

"حــرب" کا معنی ہے لڑائی۔ یعنی ایک دوسرے کا مال ناحق لے لیں گے، دوسرے کے اہل و عیال کو ناحق ستائیں گے اور دوسروں کی بیویاں اغواء کر کے لئے جائیں گے، اس لئے ان کے درمیان لڑائی ہوتی رہے گی۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ "سرا" کا ذکر فرمایا "سرا" کا معنی ہے خوش ہونا یعنی یہ مسلمان آپس میں لڑیں گے اور دوسری قومیں ان کے اس حال کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔ اور اسی طرح یہ اپنے مال و دولت اور عیش و عشرت کے زیادہ اسباب مہیا ہونے کی

وجہ سے خوش ہو کر گناہوں میں مبتلاء ہوں گے، یہ بہت بڑا فتنہ ہو گا۔

پھر آپ نے فرمایا: [دخنها من تحت قدمي] ان کا دھواں میرے قدموں کے نیچے ہے۔ یعنی ان واقع ہونے والے فتنوں کے آثار و نشانات کو میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت واقع ہونے والے فتنے نبی کریم ﷺ کے سامنے تھے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

"رجل من اهل بيتي يزعم انه مني و ليس مني انما اولیائی المتقون"❶

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ج2، ص231 حدیث:4237)

"میری اہل بیت کے کئی لوگ یہ گمان کرتے ہوں گے کہ وہ میرے ہیں حالانکہ وہ میرے نہیں ہوں گے۔ میرے ولی (اہل بیت) تو صرف پرہیزگار لوگ ہوں گے۔"

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ سید بد عقیدہ اور بداعمال اسی پر خوش نہ ہوتا رہے کہ میں آلِ نبی ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنی آل سے خارج کر دیا ہے۔ اور آل سے نہ ہونے کے باوجود نیک لوگوں کو اپنی آل میں شامل کر لیا۔ ہاں! اگر وہ آپ کی آل سے بھی ہوں اور نیک اور صحیح العقیدہ بھی ہوں تو سبحان اللہ!! ان کی کتنی بلند شان ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان عظيمتان تكون بينهما مقتلة عظيمة دعواهما واحدة"

(مسلم شریف، کتاب الفتن، ج2، ص388)

"اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک دو بڑی جماعتوں میں عظیم لڑائی نہ ہو جائے۔ حالانکہ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہو گا یعنی دونوں اسلام کے دعویدار ہوں گے۔"

شراب اور زنا کی زیادتی ہو گی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويكثر الجهل ويكثر شرب الخمر و يقلّ الرجال و يكثر النساء حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد"

(بخاری باب رفع العلم، مسلم ج2، ص402)

"بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانیاں ہیں کہ علم اٹھ جائے گا (دین کے علوم کی تعلیم کو چھوڑ کر دنیاوی علوم کو حاصل کرنا زیادہ بہتر سمجھا جائے گا) اور جہالت زیادہ ہو جائے گی اور شراب کا پینا زیادہ ہو جائے گا اور مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ ایک مرد پچاس پچاس عورتوں کا والی اور سربراہ ہو گا۔"

شرم حیاء کم ہو جائے گا اس لئے زنا کی کثرت ہو گی۔ دین کی پرواہ نہیں ہو گی، خوفِ خدا اٹھ جائے گا، صرف دنیا کی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، کتاب الفتن ج2، ص464 مع المرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج10، ص133

زندگی کو ہی وہ زندگی سمجھیں گے، آخرت کی زندگی سے غافل ہوں گے۔ عذابِ خداوندی پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے شراب کے رسیا ہوں گے۔ ان کے شراب پینے کی وجہ سے غنڈہ گردی، شروفساد، غل غباڑہ کثیر ہوگا۔ ساتھ ساتھ ان کی شرم وحیا کا جنازہ نکل جائے گا۔ ایک ایک مرد کئی (پچاس سے مراد کثرت ہے) عورتوں یعنی ماؤں، دادیوں، نانیوں پھوپھیوں، خالاؤں اور بیویوں کا والی، ایک منتظم ہوگا' ان کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا۔

"ویقل الرجال ای وجودھم المطلوب منھم نظام العالم ویکثر النساء ای ممن لا یتعلق بظھورھن الامر الاھم بل وجودھن مما یکثر الغم والھم"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص163)

"مرد کم ہو جائیں گے حالانکہ ان کا وجود مطلوب ہوگا کیونکہ ان پر ہی نظام عالم موقوف ہے اور عورتیں زیادہ ہوں گی، حالانکہ ان کے پائے جانے سے کوئی اہم کام نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے پائے جانے سے زیادہ مصیبت' غم وفکر ہی ہوتا ہے۔ تمام نظام عالم برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔"

عورت کو حکمران بنانے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے:

"عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ ﷺ ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسری قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ"

(بخاری، مشکوۃ، باب الامارۃ، ج2، ص459)

"حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ فارس والے لوگوں نے بنتِ کسریٰ (فارس کے بادشاہ کی بیٹی) کو ملکہ (سربراہِ مملکت) بنالیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا۔"

یعنی یہ فطرت کے ہی خلاف ہے کیونکہ عورت کی تخلیق ہی اس کی کمزوریوں پر قائم ہے۔ طاقت وشجاعت کے لحاظ سے عورت کمزور، جسمانی اعضاء میں بنسبت مرد کے کمزور ہے۔ پھر عورت کو حکمران بننے میں غیر شرعی طور پر مردوں سے اختلاط، میل جول اختیار کرنا پڑتا ہے۔ خصوصاً دوسرے ممالک کے سربراہان کی آمد پر ون ٹو ون (One To One) بند کمرے میں ملاقات اس حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے، کیسے ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [لا یخلون الرجل بامراۃ الا کان ثالثھا الشیطان]
"ہرگز کوئی مرد کسی عورت سے علیحدگی میں ملاقات نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"[1]

اپنے معاملات عورت کے سپرد کرنے سے موت بہتر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ ترمذی، مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ، ج2 ص42

"اذا کان امراؤ کم خیارکم واغنیاء کم سمحاء کم و امورکم شوری بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا و اذا کان امراؤ کم شرارکم و اغنیاء کم بخلاء کم وامور کم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا"

(ترمذی، مشکوۃ باب الانذار والتحذیر، ص459)

"جب تمہارے حکام نیک لوگ ہوں، تمہارے غنی سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے سرانجام ہوں تو تمہارے لئے زمین کے اوپر والا حصہ نیچے والے حصہ سے بہتر ہے۔ (زندگی موت سے بہتر ہے) اور اگر تمہارے حکام برے لوگ ہوں اور تمہارے غنی کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں آجائیں تو تمہارے لئے زمین کے نیچے والا حصہ اوپر سے بہتر ہے۔ (یعنی موت بہتر ہے)

عورت ناقص العقل ہے لیکن عقلیں گم کر دیتی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں عورتوں سے گذر ہوا، تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو۔ میں تم سے زیادہ کو جہنمی دیکھ رہا ہوں (خطاب میں عام عورتیں مراد ہیں نہ کہ صحابیات یعنی روئے سخن صحابیات کی طرف، تعلیم بعد میں آنے والیوں کو) انہوں نے عرض کیا: کس وجہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوند کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہو۔ (پھر آپ نے فرمایا) [ما رأیت من ناقص عقل ودین اذھب للب الرجل الحازم من احد کن] میں نے تم سے زیادہ کسی ناقص العقل کو نہیں دیکھا جو بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو گم کر دے۔

عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے عقل اور دین میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف نہیں؟ عورتوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے عقل کی کمی ہے، پھر آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز نہیں ادا کرتی اور روزہ نہیں رکھتی۔ عورتوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ دین میں نقصان ہے۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی حقانیت کتنی روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ بڑے بڑے جبے والے، نورانی شکل والے، نورانی داڑھیوں والے علماء حفاظ اور مشائخ ایک عورت کے ہاتھ پر کھلونا بن گئے۔ بڑے بڑے علم کے دعویدار اور یہ کہنے والے کہ............ہم پر اللہ تعالیٰ جو رحیم ورحمٰن ہے اس کا فضل ہے............وہ بھی عورت کے مکر و فریب کے جال میں پھنس گئے۔ زلف بے ضمیر کے اسیر ہو گئے، ایک جھلک پر بک گئے، ایک اشارے پر لٹ گئے، ارشاد نبی کے خلاف عورت ان کو مردوں سے بہتر نظر آنے لگی............"الرجال قوامون علی النساء" مرد عورتوں کے حاکم ہیں۔............ان کو یاد نہ رہا کیونکہ نبی

1۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ، کتاب الایمان، ج1 ص13............مرقاۃ، علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ، ج1 ص94 تا 95

کریم ﷺ کا ارشاد غالب آ گیا، عقلیں گم ہو گئیں۔

کچھ دین کے ٹھیکیدار، علم کے دعویدار یہ کہنے والے ہم حق تعالیٰ کی باتوں کو سننے والے اور لوگوں تک پہنچانے والے ہیں لیکن ان کی عقلوں پر بھی پردہ آ گیا۔ کبھی وہ کہتے تھے: عورت کے غلبہ سے ہماری نیند حرام ہو گئی۔ اب عورت کے لطیف حیلوں، چالبازیوں میں پھنس کر میٹھی نیند سو رہے ہیں۔

کوئی اسلام کا ٹھیکیدار منافقت سے مخالفت بھی کر رہا ہے لیکن فائدہ بھی پہنچا رہا ہے۔ ان سب عقلمندوں کی عقلوں پر پردے آ چکے ہیں۔ عورت ناقص العقل ہونے کے باوجود ان کی عقلوں کو ضائع کرنے کا سبب بن چکی ہے، ارشاد مصطفوی ﷺ کی صداقت جگمگا رہی ہے۔

عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے:

"اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ ﴿۲۸﴾ (سورۃ یوسف ۱۲:۱۳) "بیشک تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔"

یہ کلام عزیز مصر کا زلیخا سے ہے، جس میں عورتوں کے مکر کو عظیم کہا ہے۔ عورتوں کا مکر نظر نہیں آتا بلکہ انسان اسے بہت لطیف سمجھتا ہے۔ وہ انسان کے دل سے چمٹ جاتا ہے، نفس میں بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اگرچہ مرد بھی بعض اوقات مکر کرتے ہیں لیکن عورتوں کے مکر میں عار ہوتی ہے جو مردوں کے مکر میں نہیں۔ عورتوں کے عظیم مکر کی وجہ سے ہی ان کو شیطان اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ جب کسی انسان کو بھٹکانے میں شیطان کو دشواری در پیش آئے تو وہ عورت کے ذریعے اسے بھٹکاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: [ما البس الشیطان من احد الا اتاه من جهة النساء] "شیطان جب بھی کسی سے نا امید ہو جاتا ہے تو عورتوں کی طرف سے ہی اس کے پاس آتا ہے۔"

کسی بزرگ عالم نے کیا خوب کہا کہ مجھے عورتوں سے بہت زیادہ خوف آتا ہے اتنا خوف شیطان سے نہیں آتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مکر کو ذکر فرمایا: [اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا] "بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے۔" اور عورتوں کے متعلق فرمایا: [اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ] "بیشک تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔" [ولان الشیطان یوسوس مسارقة وهن یواجهن به] "کیونکہ شیطان تو چھپ کر چوری چوری وسوسہ ڈالتا ہے اور عورتیں سامنے سامنے۔"

لیکن خیال رہے کہ یہ بزرگ عالم کا استدلال ظاہری ہے۔ اصل میں شیطان کے مکر کو ضعیف اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکر کی جو جزا و حاصل ہو گی، اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے لیکن عورتوں کا مکر بنسبت مردوں کے مکر کے عظیم

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 1، ص 96

ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان کا مکر بھی کسی طرح کم نہیں اور عورتوں کا بھی کچھ کم نہیں ۔ دونوں سے پناہ پکڑی جائے، بچنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہے۔ (1)

امانتوں کا پاس نہیں کیا جائے گا:

قیامت کی علامتوں میں امانت کو حقدار کے سپرد نہ کرنا بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان جلوہ گر تھے، کسی معاملہ میں گفتگو فرما رہے تھے۔ اسی دوران ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة " (2)

"جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا، اس نے عرض کیا: امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب معاملہ نااہل کے سپرد کردیا گیا تو قیامت کا انتظار کرنا۔"

حدیث پاک میں لفظ "وسد" استعمال ہے اس کی واؤ پر پیش اور سین کے نیچے زیر ہے۔ شد سے بھی پڑھا گیا ہے اور غیر شد سے بھی، اس کا معنی ہے "اسند ' فوض" (سپرد کردیا گیا)

حدیث پاک میں لفظ "الامر" استعمال ہے۔ اس سے مراد امر سلطنت، امارة، قضاء، حکومت اور غیر اہل سے مراد

"من لم یوجد فیه شرائط الاستحقاق کالنساء والصبیان و الجهلة والفسقة والبخیل والجبان ومن لم یکن قرشیا"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص237)

"جس میں مستحق ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں جیسے عورتیں، بچے، جہلاء، فساق، کنجوس لوگ، بزدل اور جو قریشی نہ ہو یعنی ان لوگوں کو بادشاہ، امیر، قاضی، حاکم بنانا۔ یہ حقیقت میں اپنے معاملات نااہل کے سپرد کرنے لازم آئیں گے۔"

اس طرح امانت ضائع ہوگی جو قیامت کی علامت میں سے علامت ہے۔

"وقس علی هذا سائر اولی الامر والشان وارباب المناصب من التدریس والفتوی و الامامة والخطابة وامثال ذالك مما یفتخر به الاقران"

مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص237

"پہلے جو ذکر کیے گئے ہیں ان پر ہی قیاس کیا جائے ان تمام حضرات کو جو کسی معاملہ، شان اور منصب کے مالک ہوں جیسے تدریس، فتویٰ، امامت، خطابت وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایسا منصب جس کی وجہ سے انسان اپنے زمانہ میں دوسروں پر فخر محسوس کرے۔"

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج7، ص224

2۔ بخاری، مشکوۃ باب اشراط الساعہ، ص469

یعنی نااہل کو مدرس بنانا، مفتی بنانا، امام بنانا، خطیب بنانا، کسی عہدہ و مرتبہ پر فائز کرنا علامت قیامت ہے۔ چونکہ یہ تمام دینی معاملات ہیں، ان میں استحقاق کے لحاظ نہ کرنے سے دینی احکام میں ضعف آئے گا، تمام نظام معطل ہو کر رہ جائے گا، معاملات میں خلل پیدا ہوگا، امور دین کمزور پڑ جائیں گے کیونکہ حکام کے بگاڑ سے رعیت میں بگاڑ آتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا "الناس علی دین ملوکھم" "لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

مال و دولت کی ریل پیل ہو جائے گی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاتقوم الساعة حتی یکثر المال ویفیض حتی یخرج الرجل زکاة ماله فلا یجد احدا یقبلها منه وحتی تعود ارض العرب مروجا و انهارا"

(مسلم، مشکوۃ باب اشراط الساعۃ ج2 ص388)

"اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال بہت زیادہ ہو جائے گا، مال کو بہایا جائے گا یہاں تک کہ ایک آدمی مال کی زکوۃ لے کر نکلے گا کوئی قبول کرنے والا نہیں پائے گا یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سرسبز و شاداب ہو جائے گی ،اس میں نہریں جاری ہو جائیں گی۔"

مال کی زیادتی بھی حقیقت میں انسان کا امتحان ہے کہ کون سا انسان اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے؟ مال دار بھی ہو اور رب تعالیٰ کو یاد بھی کرے، وہ انسان خوش قسمت ہے، مال و دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا بہت بڑی بدبختی کی علامت ہے۔

مال کو بہائیں گے یعنی لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے، ان کو خریدنے کے لئے، ان کو اپنا ووٹر بنانے کے لئے۔ نیکی کے کاموں میں ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ دوسروں کو اپنا چمچہ بنانے کے لئے ہزاروں روپے لٹا دیتے ہیں، یہ بھی قیامت کی علامت ہے۔

عرب کی زمین میں ترقی ہوگی، مال و دولت کی وسعت ہوگی، ان کی زمین خزانے اُگلے گی۔ ایک روایت میں ہے: مدینہ طیبہ کی زمین اہاب بلکہ یہاب تک پہنچ جائے گی یعنی مال و دولت زیادہ ہو جائے گا، عمارات بہت ہو جائیں گی۔ دور دراز علاقوں تک مدینہ طیبہ پھیل جائے گا۔ (اہاب اور یہاب دونوں جگہ کے نام ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ طیبہ اتنا نظر آتا ہے جتنا مسجد نبوی ہے لیکن آج مدینہ طیبہ کی وہی حالت ہو چکی ہے جو میرے پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔[1]

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص165

انسان دنیا سے تنگ ہو جائے گا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

"لا تذهب الدنيا حتى يمر الرجل على القبر فيتمرغ عليه ويقول يا ليتني كنت مكان صاحب هذا القبر وليس به الدين الا البلاء"[1]

"اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص کا قبر سے گزر ہوگا وہ اس پر تڑپے گا اور کہے گا: کاش! اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا۔ اس خواہش کا سبب دین نہیں ہوگا بلکہ مصیبت ہوگی۔

وضاحت حدیث:

حدیث شریف میں لفظ [يتمرغ] کا معنی ہے ذبح شدہ مرغ کی طرح تڑپنا۔ اس کا یہ کہنا کہ کاش اس کی جگہ میں ہوتا یعنی مجھ پر موت طاری ہوتی، اس کو موت کی تمنا پر ابھارنے کا سبب دین نہیں ہوگا بلکہ بہت مصائب وآلام فتنے، تکالیف ہوں گے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"يوشك ان يكون الموت احب الى المومن من الماء البارد"

"قریب ہے کہ ایک ایسا وقت آئے کہ مومن کو موت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔"

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا:

"تمرّ الجنازة فيهم فيقول الرجل يا ليت انى مكانه"[2]

"جب ان پر جنازہ کا گزر ہوگا تو (دیکھنے والا) انسان کہے گا کاش! اس کی جگہ میں ہوتا۔"

1۔ صحیح مسلم، ج2، ص394 ...... مشکوۃ باب اشراط الساعۃ ج2 ص469
2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص167

فصل دوم

قیامت کی دیگر علامات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اذا اتخذ الفیء دولا والامانة مغنما والزکوة مغرما وتعلم لغیر الدین و اطاع الرجل امرأته و عق امه و ادنی صدیقه و اقصی اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وساد القبیلة فاسقهم وکان زعیم القوم ارذلهم واکرم الرجل مخافة شره وظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور و لعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذالك ریحا حمراء و زلزلة و خسفا و مسخا و قذفا وآیات تتابع کنظام قطع سلکه فتتابع "

(جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، ج2 ص45............ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ باب اشتراط الساعۃ، ج2، ص470)

" اس وقت مالِ غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا۔ امانت کو غنیمت، زکوٰۃ کو تاوان (چٹی) سمجھا جائے اور دین کے بغیر دوسرے علوم حاصل کئے جائیں گے۔ مرد اپنی عورت کا مطیع ہو گا اور ماں کا نافرمان، دوست کو قریب کرے گا باپ کو دور اور مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی، قبیلہ کا سردار فاسق ہوگا، کسی قوم کا سردار (لیڈر، قائد) ان سے ذلیل، کمینہ، گھٹیا ہوگا، اور کسی آدمی کے شر اور فساد سے بچنے کے لئے اس کی عزت کی جائے گی۔ اور گانے والی عورتیں اور ان کے آلات لہو ظاہر ہوں گے، شراب کا پینا عام ہوگا، اس امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے، اس وقت تم ان چیزوں کا انتظار کرنا۔ سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنسنا، صورتیں مسخ ہونا، پتھروں کا برسنا، اسی طرح اور نشانیاں لگاتار ظاہر ہوتی رہیں گی جیسے ہار ٹوٹ جائے اور اس سے لگاتار موتی گرنے لگیں۔"

وضاحت حدیث:

مال غنیمت کو دولت بنالیا جائے گا یعنی اغنیاء اور ارباب حکومت فقراء کے حقوق ہڑپ کر جائیں گے۔ امانت کو غنیمت

سمجھ کر لوگ کھا جائیں گے یعنی امانت میں خیانت کریں گے۔

زکوۃ کو فریضہ سمجھ کر، عبادت سمجھتے ہوئے محبت سے ادا نہیں کریں گے بلکہ ان پر زکوۃ ادا کرنا اس طرح مشکل ہو گا جس طرح تاوان ادا کرنا مشکل ہوگا۔

دنیوی علوم یعنی ایسے علوم حاصل کریں گے جن سے دنیاوی مرتبہ اور مال و دولت حاصل کرنا ان کا مقصود ہوگا۔ دینی علوم حاصل نہیں کریں گے جن سے مسلمانوں کے درمیان احکام کا چرچا کیا جا سکے اور دینِ اسلام کا غلبہ ہو۔

انسان عورت کی ہر خواہش پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا لحاظ نہیں کرے گا۔ اللہ کی ہدایت کے راستہ کو چھوڑ دے گا، ماں کے جائز احکام کی بھی پرواہ نہیں کرے گا، ماں کا نافرمان ہوگا۔ ان دونوں چیزوں سے اس طرف اشارہ ہے کہ حالات مکمل الٹ ہو جائیں۔

دوستوں کے ساتھ مجلس، انس محبت زیادہ ہوگی، باپ کے ساتھ بیٹھنا اور محبت کرنا کم ہوگا اسی طرح اجنبی لوگوں سے قرب ہوگا اور اپنے اقرباء سے دوری ہو جائے گی۔

مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی یعنی ایک دوسرے کو برا کہنا، مشرک، کافر بنانا، بدعتی بنانا اور ایک دوسرے کے خلاف شعلہ بیانیاں عام ہوں گی۔ مقصد فوت ہو جائے گا، لوگوں کی اصلاح کم ہوگی، گمراہ زیادہ ہوں گے۔ دین سے بے زار زیادہ کیا جائے گا اور دین کے قریب لانے کی تدابیر یکسر مفقود ہوں گی۔

شہر، محلہ اور قبیلہ کے سردار زیادہ طور پر فاسق، ظالم ہوں گے۔ قوم کے لیڈر، قائد (کائد) حکام ذلیل لوگ ہوں گے۔ حسب و نسب کے لحاظ سے گھٹیا ہوں گے، احمق ہوں گے، مخبوط الحواس ہوں گے، مال اور مرتبہ کے لحاظ سے گھٹیا ہوں گے۔

بعض لوگ اتنے ظالم اور شریر ہوں گے کہ لوگ اپنی عزت بچانے کی خاطر ان کی تعریف کریں گے، تاکہ ان ظالموں سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی عزت کو محفوظ رکھا جا سکے۔ یعنی عام محاورہ کے مطابق "کتے کو ہڈی ڈالنے" کی مثال صادق آئے گی۔

گانے والی عورتیں بہت ہو جائیں گی اور ڈھول، باجے وغیرہ عام ہوں گے۔ اب ہر اخبار کی زینت ہی گانے والی عورتوں کے ہر دن حالات کا تذکرہ ہی بنایا جاتا ہے۔ کیسے نبی کریم ﷺ کا قول سچا آ رہا ہے۔ شراب ہر قسم کے عام طور پر ظاہر ظاہر پیئے جائیں گے کیونکہ شرعی حدود کو معاذ اللہ بے دین لوگ.............. جو نصاریٰ اور یہود و ہنود کے پیروکار ہیں.......... وہ وحشیانہ سزائیں کہہ رہے ہیں۔ یہی نظریات بدقسمتی سے ہمارے سیاسی لیڈران میں سے اکثر کے ہیں۔ پینے والے بے خطر پی رہے ہیں۔

اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ پہلے حضرات پر لعنت کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اس امت کی تخصیص فرما کر اشارہ فرمایا کہ پہلی امتوں میں یہ نہیں تھا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

"لم یکتفوا باللعن والطعن فی حقھم بل فسبوھم الی الکفر بمجرد اوھامھم الفاسدۃ وافھامھم الکاسدۃ من ان ابا بکر و عمر و عثمان اخذوا الخلافۃ وھی حق علیؓ بغیر حق والحال ان ھذا باطل بالاجماع سلفا وخلفا ولا اعتبار بانکار المنکرین"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص171-172)

"اس امت کے بعد میں آنے والے لوگوں نے پہلے حضرات صحابہ کرام کے حق میں صرف لعن وطعن (لعنت کرنے اور طعنہ زنی) پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے فاسد وہموں اور باطل سمجھوں کی وجہ سے معاذ اللہ ان کی کفر کی طرف نسبت کی کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے خلافت لے لی حالانکہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ حالانکہ یہ ان کے نظریات سلف صالحین اور بعد میں آنے والے علماء دین کے اجماع کے خلاف ہیں۔ منکرین کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں۔"

حدیث شریف میں مذکورہ علامات میں بعد میں آنے والی علامات کے لئے فرمایا "فارتقبوا" انتظار کرو۔ اس سے واضح معلوم ہوا کہ پہلی علامات کا ظہور بھی پہلے ہوگا لیکن اس کے بعد جن کا ذکر ہے۔ وہ قیامت کے بہت ہی قریب ہوں گی، وہ یہ ہیں: سخت شدید تند سرخ ہوا کا آنا، زلزلہ، زمین میں دھنسنا، صورتوں کا مسخ ہونا اور آسمان سے پتھروں کی بارش کا برسنا۔

امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور:

جب زمین میں لوگ مصائب وآلام، ظلم وستم میں اس طرح مبتلاء ہوں گے کہ انہیں کوئی جائے پناہ نہیں حاصل ہوگی اور کوئی ایسا نجات دہندہ نظر نہیں آئے گا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں تو ایسے حالات میں ایک شخص جو نبی کریم ﷺ کے اہلِ بیت اور عترت سے ہوگا اس کا ظہور ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کے نام پر نام اور آپ کے والد مکرم کے نام پر ان کے والد کا نام ہوگا یعنی محمد بن عبداللہ لقب مہدی ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر ان کی ہدایت ہوگی۔ آپ کے اخلاق پر ان کے اخلاق ہوں گے، بعض اوصاف صورت کے لحاظ پر بھی آپ سے ملتے ہوں گے، اگرچہ مکمل صورت آپ کی صورت کی طرح نہیں ہوگی۔ وہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوں گے، حسنی اور حسینی سید ہوں گے۔ باپ کی طرف سے نسب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہوگا۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے کئی نبی آئے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک ہی تمام کے سردار اور خاتم آئے، اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے کئی جلیل القدر اولیائے کرام آئے لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک ہستی کا ورود ہوگا۔ جو تمام سے زیادہ صاحبِ قدر، صاحبِ مرتبہ ہوں گے۔

رمضان شریف کے مہینہ میں خراساں کی جانب سے کئی لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں آئیں گے، اولیائے کرام جو "ابدال" کہلاتے ہیں، طواف کعبہ میں مشغول ہوں گے تو وہ آپ کو طواف کرتے ہوئے پہچان جائیں گے، ان کی بیعت کریں گے، یہ عدل وانصاف سے سرزمین کو بھر دیں گے۔ ان کے عدل وانصاف کی تعریف آسمان والے، زمین والے بھی کریں گے، جہاں فرشتے تعریف کررہے ہوں گے وہاں انسان بلکہ حیوانات، درندے، پرندے پانی کے جانور مچھلیاں، مینڈک وغیرہ بھی آپ کے عدل وانصاف کے مداح ہوں گے۔

آسمان بروقت کثیر بارشیں برسائے گا۔ زمین کثیر نباتات اگانے کی وجہ سے سرسبز وشاداب ہوگی، یہاں تک فوت شدہ لوگ بھی اس حالت پر رشک کرتے ہوئے تمنا کررہے ہوں گے: کاش! ہم بھی زندہ ہوجائیں تو امن وامان، خوشحالی، مسلمانوں کی شان وشوکت کے نظارے کرسکیں۔ یہی وہ زمانہ ہوگا جس میں مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے، مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے۔ یہودی اپنے بچاؤ کے لئے پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے۔ درخت اور پتھر مسلمانوں کو بلا بلا کر کہیں گے: اے اللہ کے بندے! آ۔ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اسے قتل کردے۔ اس طرح مسلمان وہاں جاکر اسے قتل دے گا۔ صرف ایک درخت جسے غرقد کہا جاتا ہے مسلمانوں کو مطلع نہیں کرے گا۔ اس کو نبی کریم ﷺ نے شجر یہود سے تعبیر فرمایا۔ (1)

تنبیہ:

نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد ہے: [اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی] "اس کا نام میرا نام ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔" (2)

اس لئے شیعہ کا یہ کہنا............ وہ امام مہدی لوگوں کے مظالم سے تنگ آکر چھپ گیا ہے، جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اس کا نام "احمد بن حسن عسکری" ہے............ یہ سراسر باطل ہے۔ مہدی............ جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور انتظار ہے............ وہ محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ یہ کہنا............ کہ وہ محمد بن حسن عسکری ہوگا............ یہ احادیث کے مخالف ہے۔

دیگر علاماتِ قیامت:

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم پر جلوہ گر ہوئے، ہم مذاکرہ کررہے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم کسی چیز کو ذکر کررہے تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: قیامت کا۔ آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج2، ص470............ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10، ص172-173

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب اشراط الساعۃ ج2، ص470

جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔

"فذكر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربها و نزول عيسى بن مريم ويأجوج و مأجوج و ثلاثة خسوف خسف بالمشرق و خسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب وآخر ذالك نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم"[1]

"آپ نے دھویں، دجال، چوپائے، مغرب سے سورج نکلنے عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے، یاجوج وماجوج، تین خسوف، یعنی مشرق میں زمین میں دھنسنا، مغرب میں زمین میں دھنسنا اور جزیرۂ عرب میں دھنسنا اور آخر میں اس آگ کا ذکر فرمایا جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف چلائے گی۔

وضاحت حدیث:

دخان (دھواں)

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یہ دھواں کیسے ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: کہ (قیامت کے قریب) یہ دھواں مشرق ومغرب کے درمیان چھا جائے گا چالیس دن اور راتیں رہے گا، مومنوں پر اس کے اثرات اتنے ہوں گے کہ ان کو زکام کی حیثیت حاصل ہوگی اور کافر پر نشہ کی صورت ہوگی۔"[2]

دجال:

"دجال" کا معنی ہی مکار، حق و باطل کو ملانے والا۔ یہ بھی قرب قیامت میں ظاہر ہوگا "خدائی دعویٰ" کرے گا، اس کی دو آنکھوں کے درمیان "ک اف ر" لکھا ہوگا۔ اشارہ ہوگا کہ یہ خود بھی کافر ہے اور دوسروں کو بھی کفر کی دعوت دینے والا ہے۔ تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے وقت میں اپنی امتوں کو یک چشم (ایک آنکھ والے کانے) جھوٹے سے ڈرایا ہے اور بتایا کہ تمہارا رب یک چشم نہیں، یک چشم خدا نہیں ہوسکتا اور خاص کر کے بدصورت بھی ہو، اسے تو خود ہی خدا ہونے کے دعویٰ سے شرم کرنی چاہیے۔

ابتدائی طور پر لوگوں کے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ اس سے کئی خرق عادت کام استدراجی قوت سے سرزد کرائے گا۔ جیسے وہ آکر ایک قبیلہ کے لوگوں کو کہے گا اگر میں تمہارا افلاں فوت شدہ آدمی زندہ کردوں تو کیا تم مجھے خدا تسلیم کرلو گے، وہ کہیں گے: ہاں! یہ ایک مرے شخص کو رب کی دی ہوئی قوت سے زندہ کردے گا، یا یہ کہ وہ شیطانوں سے کہے: اس کی صورت بنادو! تو وہ صورت بنادیں گے، جسے یہ چلتا پھرتا دکھائے گا، وہ لوگ اس کو خدا مان کر گمراہ ہوجائیں گے۔

1۔ صحیح مسلم، مشکوٰۃ باب علامات بین یدی الساعۃ، ج2 ص472

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص184

دجال پیدا ہو چکا ہے۔ آج بھی کسی جزیرہ میں زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، اگرچہ دنیا کے لوگوں سے آج کے دور میں کوئی جزیرہ مخفی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دجال کو اپنی قدرت سے لوگوں کی نظر سے مخفی رکھا ہوا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں۔ ❶

دابۃ (چوپایا)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

(سورۃ الشعراء 2:20)

"اور جب ہماری بات کا ان پر پورا ہونے کا وقت آ جائے گا ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایا زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جو چیزیں بطورِ علامت ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک خروج دابۃ (چوپایہ کا نکلنا) ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

"عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان اول الايات خروجا طلوع الشمس من مغربها وخروج الدابة على الناس ضحى وايتها كانت قبل صاحبتها فالاخر على اثرها قريبا" (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، چاشت کے وقت دابۃ (جانور) کا نکلنا ہے ان دو میں سے جو بھی پہلے واقع ہوا، دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا۔"

اس کا علاوہ اس کے قد و قامت، مقام خروج وغیرہ کے متعلق بڑی تفصیلات روایات میں مذکور ہیں لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واعلم انه لا دلالة فی الکتاب علی شیء من هذه الامور فان صح الخبر فيه عن الرسول ﷺ قبل والا لم يلتفت اليه "

(تفسیر کبیر)

"خوب جان لو! کتاب اللہ میں ان امور پر کوئی دلالت نہیں جو چیز صحیح احادیث سے ثابت ہوگی وہ مان لی جائے گی ورنہ اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔" ❷

سورج کا مغرب سے نکلنا:

قربِ قیامت میں ایک رات لمبی ہو جائے گی، یہاں تک دو تین راتوں کے برابر وہ ایک رات ہوگی۔ رات کو بیدار ہو

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص 472 ...... مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 10، ص 185 .... نبراس، علامہ پرہاروی رحمہ اللہ، ص

2۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 3، ص 467

کر نوافل پڑھنے والے سمجھ جائیں گے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے، وہ اللہ کی عبادت کریں گے، تمام رات توبہ کرتے رہیں یعنی نوافل ادا کرنے کے بعد دیکھیں گے کہ ستارے ابھی اپنی جگہ رکے ہوئے ہیں صبح صادق نہیں ہو رہی، وہ آ کر سوئیں گے، پھر اٹھیں گے، پھر عبادت و توبہ شروع کر لیں گے اس طرح وہ لمبی رات نیک لوگوں کی گذرے گی۔

یہ سمجھنے کے باوجود کہ اس میں کوئی حکمت ہے لیکن شدید خوف ان پر طاری ہوگا یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے گا۔ بے نور ہوگا، یہاں تک کہ آسمان کے وسط میں آجائے گا یعنی نصف النہار تک اس کی کوئی روشنی نہیں ہوگی۔ اس منظر کو دیکھ کر لوگوں پر اتنا خوف طاری ہوگا کہ ان کی آواز ایسے نکل رہی ہوگی جس طرح ذبح کی ہوئی بکری کی، اس گھبراہٹ سے بہت لوگ مر جائیں گے۔

یہ حالت دیکھ کر سب لوگ توبہ کریں گے، ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ان لوگوں کا ایمان قبول نہیں ہوگا جو پہلے ایمان والے نہیں تھے۔ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی جو اس سے پہلے توبہ نہیں کر چکے تھے، توبہ کے ذکر میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جان جب جا رہی ہو اس وقت کافر کی توبہ یقیناً نہیں قبول ہوتی۔ اس صورت حال کے بعد سورج پھر مشرق سے طلوع ہوگا۔ (1)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے اترنا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے اترنا کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی عیسی ابن مریم حاکم، عادل ہو کر تم میں اتریں گے "صلیب" کو توڑ دیں گے "جزیہ" کو ختم کر دیں گے اور اس وقت میں ایک سجدہ دنیا بھر سے افضل ہوگا۔ (2)

خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مطابق ہی آپ کے امتی ہونے کی حیثیت پر عمل کریں گے۔ جزیہ کا وقت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا، اس لئے جزیہ کا ختم ہونا شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں ہوگا، بلکہ اس وقت صرف ایمان معتبر ہوگا یا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر جنگ کرتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس تشریف لے آئیں گے۔ (3)

1۔ بہار شریعت، حصہ اول ص 126
2۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، ج 2، ص 479
3۔ صحیح مسلم، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، ج 2، ص 480

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بنی علیہ السلام زمین پر اتریں گے، نکاح کریں گے، صاحب اولاد ہوں گے پینتالیس سال قیام فرمائیں گے، پھر وفات پائیں گے۔ میرے ساتھ ہی میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے، قیامت کے دن ہم اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔ ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر دعوت اسلام دیں گے، ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام دین ختم ہو جائیں گے، شیر اونٹ کے ساتھ چیتا گائے کے ساتھ، بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا، اور بچے سانپ سے کھیلیں گے وہ انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ❷

تنبیہ:

مسیح موعود یعنی جس مسیح کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہوں گے جیسے احادیث میں واضح ہے۔ وہ "غلام احمد بن چراغ بی بی قادیانی" نہیں ہوگا، یہ خود ہی مسیح موعود بن بیٹھا۔

خسوف:

مشرق و مغرب اور جزیرۂ عرب میں زمین میں دھنسنا بقدر زائد ہوگا، اگرچہ تمام زمین میں یہی کیفیت ہوگی، یوں محسوس ہوگا کہ زمین نیچے کی طرف دھنس رہی ہے لیکن مذکورہ تین مقامات میں بہت واضح یہ صورت حال ہوگی۔

یمن سے آگ کا نکلنا:

ایک روایت میں عدن کا ذکر ہے کیونکہ عدن یمن کی ایک بستی کا نام ہے جو ساحل سمندر پر ہے یعنی یمن کے علاقہ کی عدن بستی ہے آگ نکلے گی جو سب لوگوں کو ہانک کر شام کے علاقہ میں جمع کر دے گی، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے شام کی زمین اتنی وسیع ہو جائے گی کہ تمام انسان جن حیوانات اس میں جمع ہو سکیں گے۔ ❸

یاجوج و ماجوج کا نکلنا قیامت ہے:

"یاجوج و ماجوج" یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے فسادی گروہ ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، زمین میں فساد کرتے تھے، ربیع کے زمانے میں نکلتے تھے تو کھیتیاں اور سبزے سب کھا جاتے تھے، کچھ نہ چھوڑتے تھے اور خشک چیزیں لاد کر لے جاتے تھے۔ آدمیوں کو کھا لیتے تھے، درندوں، وحشی جانوروں سانپوں اور بچھوؤں تک کھا جاتے تھے یعنی ان میں رب تعالیٰ نے زندگی کے اثرات غالب کر دیئے تھے۔

لوگوں نے سکندر ذوالقرنین سے عرض کیا: یاجوج و ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ مال جمع

1۔ کتاب الوفاء، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، ج2، ص472 2۔ حوالہ مذکورہ 3۔ ایضاً

کردیں کہ تم ان کے اور ہمارے درمیان کوئی دیوار بنادو۔ ذوالقرنین نے کہا: کہ مال تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے پاس بہت ہے، تم صرف طاقت سے میری امداد کرو تو ایک مضبوط آڑ بنا دیتا ہوں۔

اس طرح اس نے بنیاد کھدائی جو پانی کی سطح تک پہنچی اور اس میں پگھلائے ہوئے تانبے سے پتھروں کی چنائی کی' پھر لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر دیا اور آگ دے دی۔ اس طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی۔ اوپر سے پگھلایا ہوا تانبہ دیوار میں پلا دیا گیا، یہ سب مل کر ایک سخت جسم بن گیا۔ ذوالقرنین نے کہا: یہ دیوار جب مکمل ہو جائے گی تو یاجوج و ماجوج اس پر نہیں چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکیں گے، یہ سب میرے رب کی رحمت ہے۔ ہاں! جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قیامت کا وقت) آجائے گا تو اسے پاش پاش کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یاجوج و ماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور وہ دن بھر محنت کرتے ہیں۔ جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان میں کوئی کہتا ہے، اب چلو! باقی کل توڑیں گے۔ دوسرے روز جب آتے ہیں تو وہ بحکم الٰہی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا تو ان میں سے کوئی کہنے والا ہے کہے گا: اب چلو! باقی دیوار ان شاء اللہ کل توڑ لیں گے۔

''ان شاء اللہ'' کہنے کا انہیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ اس دن کی محنت ان کی رائیگاں نہیں جائے گی، کل جب آئیں گے تو اتنی ٹوٹی ہوئی دیوار ہی ان کو ملے گی، جو کل توڑ گئے تھے۔ اب کچھ اور توڑ کر باہر آجائیں گے اور زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ قتل و غارت گری کریں گے اور چشموں کا پانی پی جائیں گے۔ جانوروں، درختوں اور جو آدمی ہاتھ آئے گا، ان کو کھا جائیں گے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس میں نہیں داخل ہو سکیں گے۔ یاد رہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں دجال بھی نہیں داخل ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یاجوج و ماجوج کو ہلاک کر دے گا، اس طرح ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا ہوں گے جو ان کی ہلاکت کا سبب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

(سورۃ الکہف 16:2)

''اور اس دن ہم انہیں چھوڑیں (دیکھ لیں) گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا آئے گا (سیلاب کی طرح) اور صور پھونکا جائے گا' تو ہم سب کو اکٹھا کر لائیں گے۔'' [1]

❁ ✱✱✱ ❁ ✱✱✱ ❁

1۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ، سورۃ الکہف پارہ 16 ع 2 آیت 99

باب ششم

احوالِ حشر

فصل اول

نفخ صور

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

(سورۃ زمر 4:24)

''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا اور وہ قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا اور وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے پھر دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کی شان کو وہ نہ سمجھے اسی وجہ سے انہوں نے خود بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی اور نبی کریم ﷺ سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کریں۔ اسی طرح انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن قیامت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پاس نہ کیا اور نہ سمجھا کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ جس طرح ایک کاغذ کو لپیٹا جاتا ہے اس طرح آسمانوں کو لپیٹ کر اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت میں لے کر قیامت کے دن فرمائے گا۔ [انا الملك؟ این الجبارون؟ این المتكبرون؟] ''میں ہی بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں متکبرین اور وہ لوگ جو بہت بڑے جابر تھے؟

اسرافیل علیہ السلام ایک دفعہ صور پھونکیں گے اس سے جو بے ہوشی طاری ہوگی۔ اس کا یہ اثر ہوگا کہ ملائکہ اور زمین والوں سے اس وقت جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت نہ آئی ہوگی وہ اس سے مر جائیں گے اور جن پر موت وارد ہو چکی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنایت کی، وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ انبیاء، شہداء ان پر اس نفخہ (صور کے پھونکنے) سے بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگی اور جو لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں انہیں اس صور کے پھونکنے کا پتہ نہیں چلے گا۔ پہلی مرتبہ صور کے پھونکنے سے تمام آسمان اور زمین والے مر جائیں گے سوائے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام کے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بعد میں

موت دے گا۔

پہلی مرتبہ صور پھو نکنے اور دوسری مرتبہ صور پھو نکنے کے درمیان چالیس سال کی مدت ہوگی۔ سب سے پہلے اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کیا جائے گا اور وہ دوبارہ صور پھونکیں گے تو لوگ اپنی اپنی قبروں سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوں گے یعنی حیرت میں آ کر مبہوت کی طرح ہر طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے یا یہ معنی ہیں کہ وہ یہ دیکھتے ہوں گے کہ اب انہیں کیا معاملہ پیش آئے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: [یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا] "قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔" [تبیض شعورهم من شدة يوم القيامة] "قیامت کے دن کی ہولناکی کی وجہ سے بچوں کے بال بھی سفید ہوں گے۔"

یہ ابتدائی قیامت کے دن کی بات ہے۔ جنت میں اور صورت ہوگی، جس کا ذکر آگے ان شاء اللہ آئے گا۔ (1)

قیامت کا زلزلہ شدید ہوگا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾ یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَ تَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی وَ مَا هُمۡ بِسُكٰرٰی وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾

(سورۃ الحج 7:17)

"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے کہ غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)۔"

وقوع قیامت کے ہولناک مناظر کو مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی اس خوف و دہشت کا ذکر ہو رہا ہے جس سے انسان اس وقت دوچار ہوگا۔ جب اس نظام عالم کو درہم برہم کر دیا جائے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے، آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسرافیل تین مرتبہ صور پھونکیں گے: [الاولى نفخة الفزع و الثانية نفخة الصاعقة و الثالثة نفخة القيام لرب العالمين] یعنی جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہو جائے گی۔ دوسری مرتبہ ساری کائنات موت کی نیند سو جائے گی اور جب تیسری مرتبہ

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 13، ص 25.......... تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی، سورۃ زمر پارہ 24

صور پھونکیں گے تو سب اپنی قبروں سے اٹھ کر بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہو جائیں گے

جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو زمین جھٹکے کھانے لگے گی اور جس طرح سمندر میں ہچکولے کھاتی ہے، اور چاروں طرف سے موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جس طرح کوئی لٹکی ہوئی قندیل آندھی میں حرکت کرتی ہے۔ [فتکون الارض کالسفینة الموبقة فی البحر تضربها الامواج تکفأها باهلها و کالقندیل المعلق بالعرش ترجحه الارياح] اس وقت جو مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں گی، انہیں اپنے بچے بھول جائیں گے۔ جو عورتیں حاملہ ہوں گی خوف کے مارے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (1)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں جس زلزلہ کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے وہ اس وقت جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔"

"هی الزلزلة المعروفة التی هی احدی شرائط الساعة التی تکون فی الدنیا قبل یوم القیامة هذا قول الجمهور" (2)

"سب سے پہلا زلزلہ یہ وہ مشہور زلزلہ ہے جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں آئے گا۔ جمہور حضرات کا یہی قول ہے۔

اسی وجہ سے اکثر جگہ دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے۔ پہلا زلزلہ بھی چونکہ قربِ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے سے ہی آئے گا، اس لئے یہاں تین مرتبہ صور کے پھونکنے کا تفصیلی ذکر ہو گیا۔ کہتے ہیں: یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئے گا اور اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ (3)

❁ ✶✶✶ ❁ ✶✶✶ ❁

1۔ تفسیر ابن کثیر، بحوالہ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج3، ص197
2۔ تفسیر قرطبی، بحوالہ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج3، ص198
3۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج3، ص198

فصل دوم

قیامت کی ہولناکیاں

آسمان پھٹ جائیں گے، زمین ہموار ہو جائے گی:

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ② وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ③ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ④ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ⑤

(سورۃ الانشقاق 9:30)

"یاد کرو! جب آسمان پھٹ جائے گا اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان، اس پر فرض بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی۔ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔"

" اذنت لربها ای استمعت له تعالی یقال اذن اذا سمع "

"آسمان اللہ تعالیٰ کی بات سنیں گے، جب کوئی کلام کو توجہ سے سنیں تو کہا جاتا ہے۔ اَذِنَ۔"

"والاستماع ھنا مجاز عن الانقیاد والطاعة "

"یہاں استماع کا معنی مطیع و فرماں بردار ہونا ہے۔"

یعنی آسمان صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے پھٹ جائیں گے ورنہ وہ کوئی بوسیدہ نہیں ہوں گے، ان میں کسی قسم کا شگاف نہیں ہوگا۔ اور ان کا حق بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کریں کیونکہ موجوداتِ عالم (جہاں) میں سے کسی چیز کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

زمین بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرماں برداری کرتے ہوئے ہموار ہو جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ٹیلے ختم ہو جائیں گے۔ ہموار میدان ہو جائے گی، اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا بلکہ زمین کی وسعت اس طرح بڑھ جائے گی جس طرح چمڑا کھینچنے سے پھیل جاتا ہے۔

زمین میں تمام مدفون چیزیں باہر آ جائیں گی، مردہ لوگ ہوں یا خزانے ہوں تمام کو زمین اپنے اندر سے باہر پھینک دے گی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار سے باہر نکالے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انا اول من تنشق عنه الارض فاجلس جالسا فی قبری "

"سب سے پہلے مجھ پر زمین پھٹے گی، مجھے اپنی قبر میں بٹھایا

وان الارض تحرك بی فقلت لها مالك فقالت ان ربی امرنی ان القی ما فی جوفی وان اتخلی فاکون کما کنت اذ لا شیء فیّ"❶

جائے گا اور زمین مجھے حرکت دے گی۔ میں اسے کہوں گا: تجھے کیا ہوا؟ وہ کہے گی: بیشک میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے اندر جو کچھ ہے میں اسے باہر نکال دوں اور جس طرح مجھ میں پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اسی طرح میں خالی ہو جاؤں۔"

خیال رہے جس طرح سکرات الموت اور قبر کے احوال میں مؤمنین اور کفار کا فرق بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح زمین کے نکالنے میں بھی فرق رہے گا۔ انبیاء کرام اور دوسرے متقین کو زمین آرام سے باہر نکالے گی اور کفار کو ایسے باہر پھینک دے گی جیسے کسی حقیر چیز کو پھینک دیا جاتا ہے۔

قیامت کے ہولناک مناظر:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥

(سورۃ التکویر 6:30)

"یاد کرو! جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھیریں گی اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔

وقوعِ قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ لوگ خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تا کہ اس روز انہیں اپنے اعمال پر پریشانی اور پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نظامِ شمس میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ جب ابھرتا ہے تو اس کی کرنیں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو آناً فاناً منور کر دیتی ہیں۔ اس کی حرارت سے زمین تانبے کی طرح تپ جاتی ہے لیکن اسی روز اس کی نورافشانی کرنے والی کرنیں، اس کے اردگرد لپیٹ دی جائیں گی۔ اس کی تیز رفتار شعاعوں کو زنجیر پا کر دیا جائے گا اور جب یہ منبع نور بے نور ہو جائے گا تو اس وقت اندھیرا پھیلے گا وہ کس قدر گہرا اور کتنا بھیانک ہوگا اس کا صرف تصور ہی ہوش ربا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی لمبی دستار (پگڑی) کو سر کے اردگرد لپیٹ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں [کار العمامة علی الرأس] اسی سے کوّرت لیا گیا جو تکویر باب تفعیل سے ہے (لپیٹ دیا جائے گا)۔ انکدر، اسرع، انقض، ٹوٹنا "انکدرت النجوم تناثرت" (ستارے بکھر جائیں گے) وہ قانون کشش ستارے اپنی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، بعض نے انکدرت کا معنی مکدر ہونا، بے نور ہونا کیا ہے۔ یعنی ستاروں کی چمک ختم ہو جائے گی۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 15، ص 90-91

اسی طرح کشش ثقل (وزن، بوجھ) بھی فنا ہو جائے گی۔ پہاڑوں کا وزن باقی نہیں رہے گا۔ ہوا کے جھونکے روئی کے گالوں کی طرح انہیں فضا میں اڑانے لگیں گے، انجام کار ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

''عشار'' اس گابھن اونٹنی کو بھی کہتے ہیں جس کو دسواں مہینہ ہو اور جلد ہی ایک بچے کو جنم دینے کے ساتھ شیر دار ہونے والی ہو۔ اہل عرب کو ویسے ہی اونٹ بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ اونٹنی جس کے حمل کو دس ماہ گذر گئے ہوں ان کے نزدیک وہ متاع گراں بہا شمار ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور رکھوالی پوری توجہ سے کرتے ہیں لیکن قیامت کے روز لوگوں کی بدحواسی کا یہ حال ہوگا کہ ایسی قیمتی چیز کا بھی کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

صرف انسان ہی بدحواس نہ ہوں گے بلکہ جنگلی جانور جو انسان کی آواز سے بھڑکتے اور اس کے سائے سے دور بھاگتے ہیں، وہ بھی جنگل بیابان چھوڑ کر شہروں میں آگھسیں گے۔ نہ کوئی گدھا کسی کو دولتیاں مارے گا، نہ کوئی سانپ کسی کو ڈسے گا اور نہ کسی شکار کے پھاڑنے کی ہوش ہوگی۔ سب دم دبائے اوپر تلے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

سمندروں میں اس دن پانی کی نہریں نہیں، آگ کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔ پانی سے شعلوں کا اٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈالی جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے آگ بھڑکے گی بلکہ حیرت اس پر ہوگی کہ پانی ڈالنے سے آگ بجھ کیوں جاتی ہے؟ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے، جو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور ان کے بے پایاں ذخائر جو سمندروں میں پانی کی صورت میں آج ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، وہ بھڑکتے شعلے بن جائیں گے: [سبحان من لا تدرك حكمه ولا يحاط بآثار قدرته] ''وہ پاک ذات ہے جس کی حکمتوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور اس کی قدرت کے آثار کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔'' [1]

صور کیا ہوگا؟

اسرافیل نے جو صور پھونکنا ہے، اس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا [الصور قرن ينفخ فيه] صور سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ پوری کیفیت تو نبی کریم ﷺ نے بھی بیان نہیں فرمائی کہ وہ کیسے ہوگا اور کتنا بڑا ہوگا؟ وغیرہ لیکن اتنا معلوم ہو گیا کہ وہ سینگ کی طرح ہوگا، یعنی جس طرح مانگنے والے فقیروں کے پاس سینگ ہوتا ہے، اس کو بگل کی طرح وہ بجاتے ہیں۔ اسی طرح اسرافیل کے پاس بھی وہ صور ہوگا، اس کی ایسی آواز ہوگی، جس سے دنیا ختم ہو جائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ کیسی آواز ہوگی جس سے لوگ سب زندہ ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ [2]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 499

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص 482

فصل سوم

پل صراط

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: [یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت] (یاد کرو اس دن کو جب اس زمین کو اور (قسم کی) زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا) [فاین یکون الناس یومئذ ؟ قال علی الصراط] .... (پھر پوچھا گیا) اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: صراط پر ہوں گے۔ ❶

پل صراط سے گذرنا حق ہے:

[الصراط حق و ھو جسر ممدود علی متن جھنم] صراط اس پل کو کہا جاتا ہے جو جہنم کے اوپر بنایا گیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ پل [ادق من الشعر واحدّ من السیف] بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ ❷

یہ حدیث حکم مرفوع میں ہے کیونکہ قیاس سے ثابت ہونے والا یہ مسئلہ نہیں۔ یقیناً آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا۔ جنت والے اس سے گذر جائیں گے، جہنم والے پھسلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ مومنوں کو اس سے آسانی سے گذار دے۔ خصوصاً جہنم والے پھسلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم [رَبِّ سَلِّمْ ، رَبِّ سَلِّمْ] میری امت کو سلامتی سے گزار دے عرض کر رہے ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

1۔ صحیح مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج1 ص115 .... مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب النفخ فی الصور ج2 ص482
2۔ صحیح مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ، ج1 ص115

رضا اب پل سے وجد کرتے گذریئے
کہ ہے رب سلم دعائے محمد ﷺ [1]

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایہہ صورت شالا پیشِ نظر
رہے وقت نزع تے روزِ حشر
وچ قبر تے پل تھیں جد ہوسی گذر
سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں [2]

یعنی اے اللہ! نبی کریم ﷺ کی صورت نزع، حشر، قبر اور پل صراط پر پیشِ نظر رہے۔ اگر آپ کی جلوہ گری نصیب ہوگئی تو کم عمل والے کھوٹے سکے بھی کھرے ہو کر کامیابی حاصل کرلیں گے۔

پل صراط کیسے عبور ہوگا؟

جس طرح مؤمنوں کے اعمال اور مراتب ہوں گے، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت سے ان کو گذار دے گا۔ بعض کی بجلی کی چمک کی طرح تیز، بعض کو تیز ہوا کی طرح، بعض کو تیز گھوڑے کی طرح، بعض کو پرندے کی طرح، بعض کو تیز اونٹ کی طرح، بعض کو تیز دوڑنے کی طرح اور بعض کو چلنے والوں کی طرح اللہ تعالیٰ اس پل سے گذارے گا لیکن گناہ گار مؤمن بعض ایسے گذریں گے جس طرح بچہ گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے۔ بعض چہرے کے بل گذریں گے لیکن سلامتی سے گذر جائیں گے اور بعض پل صراط کے ارد گرد بچھائے ہوئے کانٹوں سے چہرے کے بل گذرتے ہوئے زخمی ہو جائیں گے اور بعض پھسل کر گریں گے، لیکن کافر تمام کے تمام ہی گریں گے، کوئی عبور نہیں کر سکے گا۔ [3]

1۔ حدائق بخشش، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ

2۔ مشہور زمانہ کلام، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ، مہر منیر، ص 500

3۔ شرح عقائد، نبراس 131

میدانِ حشر میں لوگوں کے تین گروہ بنائے جائیں گے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک اس ذات نے فرمایا جو صادق و مصدوق (سچے اور سچے سمجھے ہوئے) ہیں کہ میدان حشر میں لوگوں کو تین گروہوں میں جمع کیا جائے گا۔

"فوجا راکبین طاعمین کاسین و فوجا یسحبھم الملائکۃ علی وجوھھم و تحشرھم النار و فوجا یمشون و یسعون"

(مشکوۃ المصابیح، ص 484)

"ایک گروہ کو میدان میں لایا جائے گا ایسے حال میں کہ وہ سوار ہوں گے، ناز و نعمت میں ہوں گے، انہوں نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے گروہ کو ملائکہ چہروں کے بل کھینچ رہے ہوں گے اور ان کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرا گروہ میدان میں چل کر گھبراہٹ کی وجہ سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔"

وضاحت حدیث:

پہلا گروہ نیک کامل مؤمنین کا ہوگا۔ ان کو بڑے پروقار طریقہ سے میدان حشر میں لایا جائے گا ان کو سواریاں بھی مہیا کی جائیں گی اور ان کو لباس بھی پہنایا جائے گا۔

اعتراض:

دوسری حدیث پاک سے واضح ہے کہ لوگ ننگے ہوں گے، ان کے جسم پر لباس نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا [یحشر الناس یوم القیامۃ حفاۃ عراۃ عزلا] لوگوں کو قیامت کے دن پاؤں سے ننگا، جسم ننگا یعنی بغیر لباس کے، غیر مختون اٹھایا جائے گا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا سب مرد عورتیں ایک

دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! [الامر اشد من ان ینظر بعضهم الی بعض] وہ وقت اتنا سخت ہوگا کوئی کسی کو کیسے دیکھ سکے گا؟ یعنی اپنی اپنی فکر میں ہوگا لوگوں کو اپنے معاملات کی فکر ہوگی۔ کسی کا ایک دوسرے کو دیکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ (1)

جواب:

" و الحاصل ان رکوب بعض الخواص من الانبیاء والاولیاء ثابت فی الحشر بعد البعث ایضا وان حدیث یبعثون حفاۃ عراۃ بناء علی اکثر الخلق "

مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص260

"حاصلِ کلام یہ ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے کرام میں سے خواص کو اٹھنے کے بعد حشر میں بھی سواریاں حاصل رہیں گے اور جس حدیث پاک سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو پاؤں اور جسموں سے ننگا اٹھایا جائے گا اس سے مراد اکثر لوگ ہیں کل نہیں۔"

دوسرا گروہ کفار کا ہوگا۔ فرشتے ان کو اندھا کر کے چہرے کے بل گھسیٹیں گے، نہایت ذلیل وخوار کریں گے، اس وقت تک ان کے ساتھ رہیں گے، پیچھا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان کو جہنم میں نہ پہنچا دیں۔

تیسرا گروہ گناہ گار مؤمنین کا ہوگا۔ وہ میدانِ حشر کی طرف چل کر جا رہے ہوں گے لیکن تیز تیز ڈر کے مارے چل رہے ہوں گے، ان کا چلنا پروقار اور آرام سے نہیں ہوگا بلکہ جس طرح خوف زدہ آدمی تیز تیز چلتا ہے، کبھی آگے دیکھتا ہے، کبھی پیچھے، یہ ان کی کیفیت ہوگی۔ (2)

اللہ تعالیٰ کا ساق کھولنا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

یکشف ربنا عن ساقه و یسجد له کل مؤمن ومؤمنة و یبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعة فیذهب یسجد فیعود ظهره طبقا واحدا"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ، باب الحشر، ج2، ص484)

"جس دن ہمارا رب اپنی ساق (جو اس کی شان کے لائق ہے) کھولے گا، تمام مومن مرد اور عورتیں اسے سجدہ کریں گے وہ لوگ سجدہ کرنے سے باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں ریاء کاری اور چرچا کرنے کے لئے سجدہ کرتے رہے۔ وہ سجدہ کرنے حاضر ہوں گے، واپس لوٹ آئیں گے۔ ان کی پیٹھ ایک ہی حصہ ہو جائے گی۔ یعنی جھکنے کی طاقت نہیں رہے گی۔"

1۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ شریف باب الحشر ج2 ص484

2۔ المرجع السابق

وضاحت حدیث:

ساق کا معنی ہے پنڈلی لیکن اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء سے پاک ہے، اس لئے کچھ حضرات نے ساق کھولنے کا معنی کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات کا ظہور فرمائے گا اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ شدت اور تکالیف کو دور فرمائے گا۔ [1]

تسکین الجنان سے اقتباس:

قرآن پاک میں "یوم یکشف عن ساق" کا معنی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے "جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے) لیکن باقی ترجمے جس دن کہ کھولی جائے گی پنڈلی" (از محمود الحسن صاحب) "جس دن کھولی جاوے پنڈلی (شاہ عبدالقادر صاحب) جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا (فتح محمد صاحب) یہ سب ترجمے غلط ہیں۔ صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ درست ہے۔ [2]

میں نے اپنی کتاب "تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان" میں تین سو دس (۳۱۰) مقامات پر واضح کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کنز الایمان کے مقابل کوئی ترجمہ نہیں۔

زندگی کو غنیمت سمجھو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما من احد یموت الا ندم قالوا وما ندامۃ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان کان محسنا ندم ان لا یکون ازداد و ان کان سیئا ندم ان لا یکون نزع"

"ہر مرنے والا شخص نادم (پشیمان) ہوگا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ندامت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اگر نیک ہوا تو وہ کہے گا: میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کی تھی (آج مرتبہ اور بلند ہوتا) اور اگر گناہ گار ہوا تو اس کی ندامت ہوگی کہ میں (برائیوں سے) کیوں نہیں رُکا تھا۔"

(ترمذی، مشکوٰۃ باب الحشر، ص484)

"فاغتنموا الحیاۃ قبل الموت و استبقوا الخیرات قبل الموت" [3]

"زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو اور فوت ہونے سے پہلے نیکیاں کرلو"

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص172

2۔ تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ ص309

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص172

سورج کا قریب ہونا:

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہوگا۔ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔

"فمنهم من يكون الى كعبه ومنهم من يكون الى ركبتيه ومنهم من يكون الى حقويه و منهم من يلجمهم العرق الجاما واشار رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده الى فيه" [1]

"بعض لوگ اپنے ٹخنوں تک پسینہ میں ہوں گے اور بعض اپنے گھٹنوں تک اور بعض ازار بند (شلوار باندھنے) کی جگہ تک اور بعض لوگ پسینہ میں مکمل طور پر ڈوبے ہوں گے۔ آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہاں تک پسینہ میں ہوں گے۔"

1۔ صحیح مسلم، امام مسلم قشیری رحمہ اللہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الحشر ج 2 ص 484

فصل پنجم

حوضِ کوثر

حوض کتنے ہیں؟

حوض دو ہیں: ایک میدانِ حشر میں اور ایک جنت میں دونوں کا نام کوثر ہے۔ حشر والے کو اس لئے کوثر کہا گیا ہے کہ اس کا منبع وہی نہر کوثر ہے جو جنت میں ہے [ثم الصحیح ان الحوض قبل المیزان] پھر صحیح یہ ہے کہ حوض میزان سے پہلے ہوگا، کیونکہ لوگ قبروں سے پیاسے نکلیں گے، حوض پر میزان سے پہلے آئیں گے۔ (1)

اسی طرح ہر نبی کا حوض ہوگا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"ان لکل نبی حوضا وانھم یتباھون ایھم اکثر واردۃ وانی ارجو ان اکون اکثرھم واردۃ" (2)

"ہر نبی کا حوض ہوگا وہ اس پر فخر کریں گے کس کے حوض پر لوگ زیادہ آتے ہیں؟ مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے۔"

کافروں کو حوض سے دور کرنا:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"انی لاصد الناس عنہ کما یصد الرجل ابل الناس عن حوضہ" (3)

"میں لوگوں کو حوض سے اس طرح روک رہا ہوں گا جس طرح کوئی شخص اپنے حوض سے لوگوں کے اونٹوں کو روک رہا ہو۔"

اس سے مراد کفار، مرتدین اور منافقین ہیں۔ یہ حوض وہی ہے جو محشر میں ہوگا۔ یہاں تک کفار جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں منع کر دیا جائے گا لیکن جنت والے حوض کوثر تک کفار جا ہی نہیں سکیں گے۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص273

2۔ جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ ج2 ص67

3۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح، باب الحوض والشفاعۃ ج2 ص487

کوثر جنت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں ایک مرتبہ (شبِ معراج کو) جنت کی سیر کررہا تھا۔ میں نہر پر پہنچا، جس کے کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے (یعنی ایک ایک موتی اتنا بڑا جو خیمہ کی مانند تھا) اندر سے خالی۔ میں نے کہا: جبرائیل یہ کیا ہے؟ تو جبرائیل نے کہا [هذا الكوثر الذى اعطاك ربك] یہ کوثر ہے جو آپ کو رب تعالیٰ نے عطاء کی ہے، اس کی مٹی بہت ہی زیادہ خوشبودار ہوگی۔ (1)

قرآن پاک میں [انا اعطيناك الكوثر] میں بھی ایک معنی یہ ہی ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا کیا اور کئی معانی ہیں۔ ان تمام کی تفصیل حضرت استاذی المکرم علامہ محمد اشرف سیالوی کی کتاب "کوثر الخیرات" میں مذکور ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مرتدوں کو حوض سے دور کرنا:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پہ پہلے جاؤں گا۔ جو وہاں سے گذرے گا، وہ پیئے گا اور جس نے ایک مرتبہ پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ کچھ قومیں آئیں گی، وہ مجھے پہچانیں گی، میں انہیں پہچانوں گا لیکن میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کردیا جائے گا (یعنی ان کو مجھ سے دور کردیا جائے گا) میں کہوں گا بے شک یہ تو میرے ہیں۔ کہا جائے گا تمہیں معلوم نہیں۔ [ما احدثنا بعدك فاقول سحقا سحقا لمن غير بعدى] "انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا دین میں تغیر (تبدیلیاں) کئے تھے؟" تو میں کہوں گا: ایسے لوگ برباد ہوجائیں، برباد ہوجائیں جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کیں۔ (2)

قیامت کے دن افراتفری:

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

(سورۃ العبس 5:30)

"پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں باپ اور زوجہ اور بیٹوں سے، ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہوگی وہی ان کو سب سے بے پرواہ کردے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے چہروں پر اس دن گرد پڑی ہوگی ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی یہ وہی ہیں کافر بدکار۔"

1۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ ج 2 ص 487

2۔ المرجع السابق

فصل ششم

شفاعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا لوگ بہت پریشان حال ہوں گے۔ ایک دوسرے کی طرف کبھی توجہ کریں گے اور کبھی پیٹھ پھیریں گے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، عرض کریں گے: آپ اپنے رب کے پاس شفاعت (سفارش) کریں تا کہ وہ حساب کا حکم دے، پھر جو اس نے ثواب یا عذاب دینا ہے، دے دے۔ وہ کہیں گے [لست لھا] میں اس کا حقدار نہیں یا میں اس کے لئے مختص نہیں لیکن تم ابراہیم علیہ السلام کو اپنا سفارشی بناؤ "وتوسلوا به" اور ان کا وسیلہ پکڑو کیونکہ وہ رحمٰن کے خلیل ہیں۔

تمام لوگ ابراہیم کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے [لست لھا] میں حقدار نہیں، لیکن تم موسیٰ علیہ السلام سے شفاعت طلب کرو، ان کا وسیلہ پکڑو اس لئے کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس مقام پر کلام کرسکیں تو سب لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے [لست لھا] میں تو اس کا حقدار نہیں البتہ تم عیسیٰ علیہ السلام پاس جاؤ، وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ بھی کہیں گے [لست لھا ولکن علیکم بمحمد] میں تو اس کا حقدار نہیں، البتہ تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شفاعت طلب کرو اور ان کو ہی وسیلہ بناؤ کیونکہ وہ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ میرے پاس آئیں گے [فاقول انا لھا] تو میں کہوں گا: ہاں! میں ہی حقدار ہوں۔ میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دی جائے گی اور مجھے خصوصی محامد (اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لئے کلمات) اس وقت الہام کئے جائیں گے جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں ہوں گے۔ میں انہیں القاء کئے ہوئے کلمات سے رب تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور اس کے حضور سجدہ کے لئے جھک جاؤں گا تو رب تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا:

"یا محمد ارفع راسك وقل تسمع وسل تعط واشفع تشفع" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، عرض کرو: سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مشکوۃ مع مرقاۃ باب الحوض والشفاعۃ، ج10، ص283-282)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آخر میں آنے کی حکمت:

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں حکمت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈالے گا کہ وہ آدم علیہ السلام کے

پاس آئیں اور پھر دوسرے انبیاء کرام کے پاس (کوئی نبی بھی سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے آپ کی طرف جانے کی راہنمائی نہیں کرے گا) ابتدائی طور پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی راہنمائی نہیں کی گئی تا کہ آپ کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔

" فانهم لوسألوه ابتداء لكان يحتمل ان غيره يقدر على هذا" "اس وجہ سے کہ اگر آپ سے پہلے ہی سوال کر لیا جاتا اور آپ شفاعت فرما لیتے تو لوگوں کو خیال گذرتا کہ شائد کسی اور نبی کے پاس بھی جاتے تو وہ بھی شفاعت کر دیتے۔"

لیکن جب وہ تمام جلیل القدر انبیاء کرام سے سوال کریں گے وہ انکار فرما دیں گے، اب ان پر واضح ہو جائے گا۔

" فهو النهاية فى ارتفاع المنزلة و كمال القرب" "یہی وہ ہستی ہے جس کا اعلیٰ مرتبہ اور رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ جن کو تمام مخلوق، رسولوں اور مقرب فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص278)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو خوب انداز میں پیش فرماتے ہیں:

خلیل و نجی و مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑوی فرماتے ہیں:

یعطیک ربک داس تساں فترضیٰ تھیں پوری آس اساں
لج پال کریسی پاس اساں، واشفع تشفع صحیح پڑھیاں

یعنی حضرت نوح علیہ السلام نجی اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح اللہ اور حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ سب کو کہا، کہیں سے بھی شفاعت قبول کرنے بات نہ بن سکی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقصد تو آپ کے پاس لانا تھا لیکن پہلے مخلوق کو بے خبری کے عالم میں تمام کے پاس پھرایا گیا، پھر آپ کے پاس لایا گیا تا کہ آپ کی شان کریمی اور قرب رب ایزدی سب پر واضح ہو جائے۔ بقول امام حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اے محبوب آپ کو فرمایا "یعطیك ربك" "آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا" "فترضى" "جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔ ہمیں اسی ارشاد باری تعالیٰ سے امید ہے، کیونکہ آپ اپنے غلاموں کی لاج رکھنے والے ہیں لہٰذا ہمیں اس سخت امتحان سے آپ پاس کرائیں گے کیونکہ ہم نے صحیح

احادیث میں پڑھا ہے " واشفع تشفع "شفاعت کرو! آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ ہمیں کامیاب کرا کے ہی راضی ہوں گے۔

شفاعت کی اقسام

پہلی قسم:

[شفاعت عظمیٰ ست کہ عام ست مرتمامہ خلائق راو مخصوص است بہ پیغمبر ما ﷺ] شفاعت عظمیٰ جو تمام مخلوق کے لئے ہوگی یہ صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔'' اور تمام انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی اس پر جرأت اور پیش قدمی کی طاقت نہیں ہوگی، یہ شفاعت صرف میدانِ حشر سے زیادہ دیر ٹھہرنے سے خلاصی اور حساب وکتاب کے شروع کرنے کے لئے ہوگی۔

دوسری قسم:

[از برائے در آوردن قومے در بہشت بغیر حساب] دوسری قسم کی شفاعت ایک قوم کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لئے ہوگی۔ یہ شفاعت بھی نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگی، بعض اہل علم کے نزدیک آپ کے ساتھ خاص ہے بعض کے نزدیک خاص تو نہیں البتہ آپ شفاعت فرمائیں گے۔

تیسری قسم:

[اقوامے کہ حسنات وسیئات ایشاں برابر باشد بامدار شفاعت بہشت در آیند] یعنی شفاعت کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ قومیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، ان کو شفاعت سے جنت میں لایا جائے گا۔

چوتھی قسم:

[قومے کہ مستحق ومستوجب دوزخ شدہ باشد پس شفاعت کند وایشاں را بہ بہشت در آرد] وہ قوم جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی مستحق ہو جائے گی، اس کی شفاعت کر کے اسے جنت کا مستحق بنائیں گے۔

پانچویں قسم:

[برائے رفع درجات وزیارت کرامات] نیک لوگوں کے مراتب کو بلند کرنے کے لئے اور ان کی بزرگی کو زیادہ کرنے کے لئے شفاعت ہوگی۔

چھٹی قسم:

[گناہ گاراں کہ بدوزخ درآمدہ باشند بہ شفاعت برآیند] جو گناہ گار کہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، ان کو

شفاعت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں لایا جائے گا۔ یہ شفاعت تمام انبیاء کرام، ملائکہ (فرشتوں) علماء اور شہداء کو حاصل ہوگی۔

ساتویں قسم:

[درا استفتاح جنت] جنت کے دروازے کھولنے کے لئے ہوگی۔

آٹھویں قسم:

[تخفیف عذاب ازانہا کہ مستحق عذاب خلد شدہ باشند] جو لوگ ہمیشہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہوں گے، ان میں سے بعض کے عذاب کی تخفیف کیلئے ہوگی۔

نویں قسم:

[برائے اہل مدینہ خاصہ وہم برائے زیارت کنندگان قبر شریف بروجہ امتیاز واختصاص] مدینہ والوں کی خاص کر کے اور ان لوگوں کے لئے خصوصاً شفاعت ہوگی، جو آج آپ کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تمام قسم کی شفاعتیں نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوں گی۔[1]

نبی کریم ﷺ کا تین مقامات پر امت کی امداد فرمانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمانا۔ آپ نے فرمایا: میں شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کیا: میں آپ کو تلاش کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا [اطلبنی اول تطلبنی علی الصراط] جب تم پہلے پہلے میری تلاش شروع کرو تو مجھے پل صراط پر دیکھنا۔ میں نے عرض کیا: اگر وہاں میں آپ کو نہ پاسکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا [فاطلبنی عند المیزان] مجھے میزان کے پاس طلب کرنا' میں نے عرض کیا اگر میری ملاقات وہاں بھی نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فاطلبنی عند الحوض فانی لا اخطیٔ ھذہ الثلاث المواطن"[2] "مجھے حوض (کوثر) کے پاس طلب کرنا بیشک میں ان تین مقاموں میں سے ہٹ کر کہیں ادھر ادھر نہیں ہوں گا۔"

1۔ اشعۃ اللمعات، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، ج4 ص382

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، ج2، ص493

فصل ہفتم

میزان اور حساب و کتاب

تمام لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا۔ یہ یقینی بات ہے کیونکہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ (سورۃ الاعراف 8:8)

''اس دن وزن ہوگا، جن کے (نیک اعمال) کا وزن بھاری ہوا وہی کامیاب ہوں گے اور جن کے (نیک اعمال) ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ ان زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر تھیں۔''

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾ (سورۃ الانبیاء ۱۷:۴۷)

''اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔''

میزان:

میزان (ترازو) سے مراد وہ آلہ جس سے اعمال کا اندازہ لگایا جائے گا، اگرچہ کامل کیفیت کا اندازہ لگانا تو مشکل تاہم احادیث مبارکہ سے کچھ نہ کچھ علم حاصل ہوتا ہے یعنی عام ترازو کی طرح اس کے دو پلڑے اور ایک زبان اور ایک ڈنڈی ہوگی۔ ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسری میں برائیاں۔

اگر نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگیا تو نجات حاصل کرے گا اور اگر برائیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو عذاب میں مبتلاء ہوگا۔ بہت ہی عظیم وہ میزان ہوگا اس کا ایک پلڑا نور کا اور دوسرا ظلمت کا ہوگا۔ تمام اہلِ شرع میزان کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں سوائے معتزلہ کیونکہ وہ انکار کرتے ہیں۔●

نامۂ اعمال سب کو دیا جائے گا:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿٨﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿٩﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا ''اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے جانتے ہیں

1۔ شرح عقائد، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ مع نبراس، علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ ص 129

تَفْعَلُوْنَ﴿۱۰﴾ (سورۃ الانفطار ۷:۳۰) جو کچھ تم کرو۔"

انسان کے دائیں کندھے کے ساتھ وہ فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی نیکیاں لکھتے ہیں اور بائیں کندھے کے ساتھ وہ فرشتے ہوتے ہیں جو اس شخص کی برائیاں لکھتے ہیں۔نیکیاں لکھنے والے برائیاں لکھنے والوں کو اس وقت تک اجازت نہیں دیتے جب وہ برائی نہ کرلے اور چھ گھڑیوں میں اس برائی کا کفارہ بھی نہ ادا کرے۔اتنی مہلت دینے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ہر چھوٹا، بڑا عمل وہ لکھتے ہیں [حتی الاعتقاد والعزم و التقریر و حتی الانین فی المرض] یہاں تک کہ اعتقاد،تقریر اور پختہ ارادہ کسی کام کا اور مرض کی حالت میں آہ وبکا کو بھی لکھ رہے ہیں۔[و کذا یکتبان حسنات الصبی علی الصحیح] صحیح قول یہ ہی ہے کہ وہ بچوں کی نیکیاں بھی لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا رہنے سے منع کرتا ہے جو تمہارے ساتھ کراماً کاتبین فرشتے ہیں، ان سے حیا کیا کرو کیونکہ

"لا یفارقونکم الا عند احدی ثلاث حاجات الغائط والجنابة و الغسل" "وہ تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے سوائے تین حاجتوں کے وقت کے قضاء حاجت، جنابت اور غسل۔"

یعنی انسان جب غسل کرتا ہے یا پیشاب، پاخانہ کرتا ہے، جماع کرے تو ان تین وقتوں میں کراماً کاتبین انسان سے دور ہٹ جاتے ہیں لیکن ان حالتوں میں بھی انسان سے صادر ہونے والے فعل سے ان کے لکھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بلکہ وہ انسان کے اعتقاد قلبی پر بھی مطلع رہتے ہیں۔

کراماً کاتبین فرشتے انسان کے ساتھ موت تک رہتے ہیں، پھر قبر پر تا قیامت رہیں گے۔اگر مرنے والا مؤمن ہو تو تسبیح وتہلیل اور تکبیر اس کی قبر پر پڑھتے رہیں گے اور ان کا ثواب اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہیں گے۔اور اگر وہ کافر ہو تو قیامت تک اس پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔[1]

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴿۱۴﴾

(سورۃ بنی اسرائیل 2:15)

"ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی ہے اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نامۂ اعمال نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا' فرمائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے انسان! تیرا کتابچہ کھلا ہوا ہے اور دو معزز فرشتے اس پر مقرر ہیں، ایک تیری دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف [حتی اذا مت طویت صحیفتك فجعلت فی عنقك فی قبرك حتی تجیء یوم

1۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج15' ص74

القیامة فتخرج لك] "یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا اس وقت وہ نامۂ اعمال لپیٹ کر تیری قبر میں تیری گردن کے ساتھ لگا دیا جائے گا جب تو قیامت کو آئے گا وہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔" ❶

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾

(سورۃ الکہف 18:15)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی (ہموار میدان) دیکھو گے اور ہم انہیں (تمام انسانوں کو) اٹھائیں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور سب تمہارے رب کے حضور صف باندھے پیش ہوں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز تمہارے لئے کوئی وقت نہ رکھیں گے اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے! خرابی ہمارے اس نامۂ اعمال کو کیا ہوا؟ نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا، جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا ان کے سامنے ہونا ہے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

" و تحقیقه انه تعالی وعد باثابة المطیع والزیادة فی ثوابه و بتعذیب المعاصی بمقدار جرمه من غیر زیادة "

روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج ، ص

"اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا، اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مطیع لوگوں کے لئے ثواب اور گناہ گاروں کو ان کے جرائم کے مطابق ہی عذاب دے گا کسی کو جرم سے زیادہ عذاب نہیں دے گا، کسی شخص کو کوئی جرم نہ کرنے پر سزا نہیں دے گا۔"

وہ اعمال جن کے کرنے کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کو وہ پسند کرتا ہے ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

نامۂ اعمال نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا:

نیک لوگوں کو نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان پر حساب آسان کر دیا جائے گا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا "وہ شخص جس کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج ، ص

يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾ (سورۃ الانشقاق 8:30)

اس سے عنقریب آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔"

آسان حساب یہ ہوگا کہ اس پر اس کے اعمال پیش کیے جائیں گے، اس کی نیکیوں کا اسے ثواب دیا جائے گا اور اس کی لغزشوں سے درگذر کیا جائے گا، اسے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوگی۔ اس سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا اور کوئی حجت اس پر قائم نہیں ہوگی اور جس پر حساب مشکل ہوگا وہ ہلاکت میں پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ تعلیم امت کے لئے دعاء فرماتے تھے: [اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا] وہ شخص جس پر حساب آسان ہوگا وہ اپنے گھر والے جنتی لوگوں اور اپنی حوروں کی طرف خوشی سے واپس آئے گا۔

نیک آدمی خوشی سے اپنا نامۂ اعمال لوگوں کو دکھائے گا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ (سورۃ الحاقۃ 5:29)

"تو وہ شخص جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، کہے گا: لو! میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا تو وہ (اس دن) من مانی خوشی اور چین میں ہوگا۔"

"يحتمل ان ينادی اصحابه مثلا ليقرء وا كتابا فيجيء بهم لمزيد فرحه ونشاطه" [1]

"وہ اپنے احباب کے پاس اپنا نامۂ اعمال لائے گا کہ وہ بھی اسے پڑھیں گے کیونکہ وہ اس دن بہت زیادہ خوش ہوگا۔"

برے لوگوں کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾ (سورۃ الانشقاق 8:30)

"اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائے گا وہ عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی آگ میں جائے گا، بے شک وہ اپنے گھر میں خوش تھا وہ سمجھا کہ اسے پھرنا نہیں۔ ہاں! کیوں نہیں بے شک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔"

"تغل يمناه الى عنقه وتجعل شماله وراء ظهره فيؤتى كتابه بشماله" [2]

"ان کے دائیں ہاتھ کو ان کی گردن سے باندھ دیا جائے گا اور بائیں ہاتھ کو پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا اور نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔"

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 15، ص 53

2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 15، ص 91

برا شخص کہے گا: کاش! میرا نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾

(سورۃ الحاقہ 29:5)

"اور وہ شخص جسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: کاش! میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا میرا احساب کیا ہے؟ ہائے! کسی طرح موت قصہ چکا ہوتی، میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔"

انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کے اعضاء گواہی دیں گے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ مسکرائے، آپ نے فرمایا: تمہیں میرے مسکرانے کی وجہ معلوم ہے۔ ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے (مسکرانے کی وجہ) بندے کا اپنے رب سے خطاب ہے، جو کہہ رہا ہے: اے میرے رب! تو نے مجھے ان گناہوں سے .... جو مجھ پر عذاب کا سبب ہیں .... کیوں نہیں بچایا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: کیوں رہا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں اپنے آپ پر سوائے اپنی جنس کے کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ جو مجھ پر گواہی دے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: آج تیرا نفس ہی تجھ پر گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"فيختم على فيه فيقال لاركانه انطقي قال فتنطق باعماله"
(مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ باب المیزان ج 485)

"اس شخص کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو کہا جائے گا: تم بولو! وہ بول کر اس کے اعمال بتائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (پ ۲۴:۱۷)

"ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے ہوئے اعمال کی گواہی دیں گے۔"

اللہ تعالیٰ اعضاء کو یہ طاقت عطاء فرما دے گا کہ وہ بول کر اس کے ہر قسم کے اعمال کا تذکرہ کر دیں گے۔ جس عضو سے جو کام کیا ہوگا وہ عضو اس کے متعلق بتائے گا کہ اس شخص نے مجھ سے یہ کام کیا تھا:

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ ۲۴:۱۷)

"اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے لیکن تم تو یہ سمجھے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا۔"

باب ہفتم

احوالِ جنت

فصل اوّل

شفیع محشر

جنت کا دروازہ نبی کریم ﷺ کھلوائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی مقامِ محمود پر جلوہ گری ہوگی، آپ شفاعت فرمائیں گے۔ آپ کی آٹھ قسم کی شفاعتوں کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "جنت کا دروازہ آپ کی وجہ سے ہی کھلے گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اتی باب الجنة یوم القیامة فاستفتح فیقول الخازن من انت ؟ فاقول محمد فیقول بك امرت ان لا افتح قبلك "

(مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین، ج2 ص511)

"میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور کہوں گا کہ دروازہ کھول دیا جائے۔ خازن جنت کے کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد (ﷺ)۔ وہ کہے گا: ہاں! مجھے آپ کے لئے حکم دیا گیا تھا، میں آپ سے پہلے کسی کیلئے دروازہ نہ کھولوں۔"

تمام انبیائے کرام نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" الا انا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامة تحته آدم ومن دونه ولا فخر وانا اول من یحرك حلق الجنة فیفتح اللہ فیدخلنیها معی فقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر "

(ترمذی، دارمی، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ج2 ص513)

"خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں۔ مجھے اس پر فخر نہیں، قیامت کے دن لوائے حمد (حمد و شفاعت کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہی ہوگا۔ آدم علیہ السلام اور ان کے بغیر تمام نبی اس کے نیچے ہوں گے، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ سب سے پہلے جنت کے دروازوں کی کنڈیوں کو میں ہی حرکت دوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے ہی دروازے کھولے گا۔ سب سے پہلے مجھے ہی جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء (غریب) مؤمنین بھی ہوں گے۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں میں ہی اگلے اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم ہوں گا۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم ومن سواہ الا تحت لوائی"

(مشکوۃ المصابیح ص 513)

"میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہی ہوگا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ آدم علیہ السلام اور آپ کے سواء تمام نبی میرے ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے۔"

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یہ کمالات بیان حقیقت کے لئے ذکر فرمائے' فخر وتکبر کے طور پر نہیں۔ آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری حاصل ہے لیکن آج انکار بھی کیا جاتا ہے۔ قیامت کا ذکر فرمایا کیوں کہ وہاں کسی کو انکار کرنا ممکن نہیں ہوگا بلکہ سب ہی آپ کے محتاج ہوں گے۔ "سید" کہتے ہی اسے ہیں جو تمام سے فوقیت (برتری) رکھتا ہو اور لوگ اپنے مصائب و آلام میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

میں نے اپنی کتاب "شمع ہدایت" میں اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ یہ کتاب خیال سے بہت بڑھ گئی، اس لئے اب بہت اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ستائیس صحابہ سے حدیثِ شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے لیکن ان صریح احادیثِ صحیحہ کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث متواتر ہے (یعنی انا سید ولد آدم الخ) پس بڑا بد بخت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے " قال السیوطی ھذا حدیث متواتر فتعسر من انکر الشفاعۃ" امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا: [انہ سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعۃ] "کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے۔"

آپ سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شد و مد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائلِ صحیحہ کے باعث انکار نہیں کر سکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں شانِ مصطفیٰ کا انکار پایا جاتا ہے لیکن انہیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آج جو شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ [1]

❁ ✱✱✱ ❁ ✱✱✱ ❁

1۔ تفسیر ضیاء القرآن' پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج' ص

فصل دوم

جنت کے طبقات

جنت کے آٹھ طبقے ہیں:

① جنت الفردوس	② جنت عدن	③ جنت ماویٰ
④ دار الخلد	⑤ دار السلام	⑥ دار المقامۃ
⑦ علیین	⑧ جنت نعیم[1]	

جس طرح انسانوں کے اعمال ہوں گے اسی طرح انہیں جنت میں مقام عطا کیا جائے گا۔ جتنے اعلیٰ اعمال ہوں گے ان کے مطابق ہی جنت میں مقام رفعت و بلندی ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ سید الکائنات ہیں تو اسی وجہ سے آپ کو مقامِ محمود، وسیلہ، فضیلت، حاصل ہوگا بلکہ بعض روایات کے مطابق آپ کو عرش معلیٰ پر جلوہ گر کیا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشین ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

سرِ عرش پہ ہے تیری گذر دل فرش پہ ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

1۔ تفسیر نجوم الفرقان، ج 2، ص 342

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و نیز آمدہ است کہ آنحضرت ﷺ را بر عرش بنشانند وخلعت خاص از حلہ خضراء بپوشانند و اذن دہند کہ ہرچہ خواہد بگوید وہر چہ رضاء اوست بخواہد آں روز معلوم شود کہ مقام محمدی چیست ؟ وصدر و سلطان آں مجلس و معرکہ کیست ؟ ❶

"اور روایات میں یہ بھی آیا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو عرش پر بٹھایا جائے گا اور خاص لباس سبز جوڑا پہنایا جائے گا اور آپ کو اجازت دی جائے گی کہ جو چاہتے ہو کہو اور جو پسند کرتے ہو وہی طلب کرو اس دن معلوم ہو جائے گا کہ مقامِ محمدی کیا ہے؟ اور اس محفل اور معرکہ کے صدر و بادشاہ کون ہیں؟"

حقیقت تو یہ ہے کہ اس دن حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کی شان کریمی کو سب ہی مان جائیں گے۔ آپ کے سواء کہیں اور مقام پناہ نہیں ملے گا، آپ کے بغیر کوئی اور شفاعت کرنے والا نہیں ملے گا۔ ربوبیت کو مان جائیں گے لیکن فائدہ صرف ان کو ہی ہوگا جنہوں نے دنیا میں مانا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا ❷

نیک لوگوں کی شفاعت سے گناہ گار جنت میں جائیں گے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم والوں کی صف بنی ہوگی، وہاں سے ایک جنتی شخص کا گزر ہوگا، ان سے ایک شخص کہے گا: اے فلاں شخص!

" اما تعرفنی انا الذی سقیتك شربة وقال بعضهم انا الذی وهبت لك وضوأ فيشفع له فيدخله الجنة "

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ، ج2 ص494)

"کیا تو مجھے پہچانا نہیں؟ میں وہی شخص ہوں جس نے تمہیں ایک مرتبہ (پانی وغیرہ) پلایا تھا۔ ان میں سے اور ایک شخص کہے گا: میں نے تمہیں وضوء کے لئے پانی دیا تھا۔ وہ شخص ان کے لئے شفاعت کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔"

1۔ اشعۃ اللمعات، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج4، ص480

2۔ حدائق بخشش، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ، نعتیہ کلام

وضاحت حدیث:

جہنمیوں سے مراد کفار نہیں بلکہ مؤمن گناہ گار، فاسق وفاجر مراد ہیں۔ وہ جنتی لوگوں یعنی نیک علماء اور اولیائے کرام صوفیائے عظام کے راستے میں اس طرح صف بنا کر کھڑے ہوں گے جس طرح فقراء لوگ اغنیاء کے راستے میں سوال کرنے کی غرض سے صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔

جنتی لوگ وہاں سے گذریں گے، ان کو پہچاننے والے گناہ گار اپنے امداد کے ذرائع کی یاد لائیں گے۔ کوئی کہہ رہا ہوگا: میں نے تمہیں پینے کے لئے پانی یا دودھ وغیرہ عطا کیا تھا۔ کوئی کہہ رہا ہوگا: ''میں نے تمہیں وضوء کے لئے پانی دیا تھا'' کوئی کہہ رہا ہوگا: ''میں نے تمہیں ایک لقمہ دیا تھا۔'' کوئی کہہ رہا ہوگا: ''میں نے تمہیں کپڑا دیا تھا۔'' کوئی کسی قسم کی معاونت کی ہوگی تو وہ بھی اس کا تذکرہ کر رہا ہوگا۔

اور اگر کسی نے کوئی ایک پاکیزہ کلمہ سے کسی کو نصیحت کر کے فائدہ پہنچایا تھا تو اس کا بھی وہ تذکرہ کرے گا۔ غرضیکہ جنتی لوگ اپنی اپنی جان پہچان والے معاونین کی شفاعت کریں گے، وہ گناہ گار مجرمین بھی خوش قسمت ہوں گے جو جنتی لوگوں کی شفاعت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

''فیہ تحریض علی الاحسان الی المسلمین لا سیما مع الصلحاء والمجالسة معھم ومحبتھم فان محبتھم زین فی الدنیا و نور فی العقبی'' [1]

''اس میں مسلمانوں کو اس بات پر برانگیختہ کیا (ابھارا) گیا کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی امداد کریں۔ خصوصاً نیک لوگوں کی اور ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور ان سے محبت کریں کیونکہ نیک لوگوں کی محبت دنیا میں انسان کے وقار، زیب وزینت کا ذریعہ ہے اور آخرت میں نورِ معرفت اور کامیابی کا سبب ہے۔''

❁ ✶✶✶ ❁ ✶✶✶ ❁

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ، ج10 ص312

فصل سوم

جنت کی عظمت

اللہ کے نام کی عظمت انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی (حدیث قدسی) ہے۔

" اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر واقرءوا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین "

(بخاری، مسلم، مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ واہلہا ج 2، ص 495)

"میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسا مقام تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے سنا نہیں اور کسی دل پر کھٹکا نہیں' اگر تم چاہتے ہو تو (قرآن پاک کی یہ آیت) پڑھ لو۔ (جس کا مطلب ہے) کوئی نفس نہیں جانتا، جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے مخفی کر کے رکھی ہوتی ہے۔"

اس سے مراد خصوصی ثواب اور انعام واکرام ہے:

" ای نوع عظیم من الثواب ادخر اللہ لاولئك واخفاہ من جمیع خلائقہ لا یعلمہ الا ھو مما تقر بہ عیونھم "

"یعنی ثواب کی عظیم قسم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مخلوق میں سے کوئی ایک بھی نہیں جانتا۔ یہ وہ عظیم ثواب اور مرتبہ ہوگا جس سے نیک لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

" یبلغك اللہ امنیتك حتی ترضی بہ نفسك و تقر عینك ولا تستشرف الی غیرہ

"یعنی اے نیک انسان! اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری تمام خواہشوں پر کامیاب کر دے گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے گا، اور تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی تجھے غیر کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

جنت کا کم از کم مقام دنیا کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے:

"موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا وما فیها" "جنت میں کوڑا (چابک، چھڑی) رکھنے کا مقام دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔"

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واہلھا، ج2، ص506)

چونکہ جنت کی نعمتیں باقی رہنے والی اور اس کی نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی سے بہتر ہے۔ [قال ابن الملك سوی كلام الله وجميع انبيائه] ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگرچہ دنیا میں اللہ کے کلام کا نزول بھی ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور بھی ہوا ہے اور انبیاء کرام بھی تشریف لائے لیکن یہ حکم ان کو شامل نہیں، ان کے سوا باقی دنیا کی تمام نعمتوں یعنی مال و دولت، عالیشان محلوں سے جنت کا ادنی درجہ بھی اعلیٰ ہوگا۔

کوڑے یعنی چابک یا چھڑی کو ذکر کرنے میں خاص کرنے کی وجہ یہ کہ اسے حقیر سمجھا جاتا ہے، جب کوئی سوار اترنا چاہتا ہے تو وہ پہلے اپنی چھڑی زمین پر پھینکتا ہے پھر خود اترتا ہے۔ پہلے اس کے چھڑی پھینکنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دوسرے ساتھیوں کو معلوم ہو جائے کہ یہاں ہی اترنا ہے وہ آگے نہ چلے جائیں لیکن چھڑی کو زمین پر پھینکنے سے اس کے رکھنے کی جگہ کی حقارت بھی معلوم ہوگئی۔ اس لئے واضح فرمایا کہ جنت ایسا مقام بھی دنیا عظیم الشان نعمتوں سے ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ [1]

جنت کے درخت کی عظمت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان فی الجنة شجرة یسیر الراکب فی ظلها مائة عام لا یقطعها ولقاب قوس احدكم فی الجنة خیر مما طلعت علیه الشمس او تغرب"

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واہلھا ج2 ص495)

"بیشک جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں چلنے والا سوار اس کو ایک سو سال میں بھی قطع نہیں کر سکے گا۔ اور جنت میں تمہارے ایک کمان کی مقدار کا مقام بھی سورج کے طلوع اور غروب سے بہتر ہے۔"

جنت کے درخت کا نام "طوبیٰ" ہے جس طرح ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "یقال انها طوبی" کہا جاتا ہے بیشک وہ طوبیٰ ہے۔ خیال رہے درخت کے سائے میں چلنے سے مراد اس کے نیچے کنارے پر چلنا ہے کیونکہ دنیا میں سایہ کا اعتبار سورج سے ہے، خصوصاً درخت کے سایہ میں اس وقت انسان چلتا ہے جب دھوپ اور سورج کی تمازت (گرمی) سے بچنا چاہتا ہو لیکن جنت کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "لا یرون فیها شمسا ولا زمهریرا" "جنتی لوگ جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی۔"

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص317

اور ممکن ہے کہ درخت کے اوپر اور پر نورانیت کا ظہور ہو اور اس کے نیچے حجاب ہو جو سایہ نظر آرہا ہو، جس طرح ہمارے محاورہ میں رات کو چراغ، بجلی کے قمقموں کی روشنی میں نظر آنے والے عکس کو بھی سایہ کہہ دیا جاتا ہے۔

اسی طرح صبح صادق سے لے کر طلوع شمس تک سورج کی شعاعوں کے مقابل اس وقت کو بھی ظل (سایہ) کہا گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "وظل ممدود" پھیلایا ہوا ظل (سایہ) اس سے مراد یہی وقت ہے۔ جس طرح انسان شکار کرنے کے لئے جائیں تو وہ درخت کے سایہ میں یا اور کسی جگہ آرام کرنے کے لئے اپنا کمان رکھ کر اپنی اپنی جگہ مختص کرتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اتنی جگہ جتنی جگہ تم کمان رکھتے ہو وہ طلوع شمس (سورج) اور غروب شمس کے درمیان مقام سے اعلیٰ ہے یعنی تمام دنیا سے اعلیٰ ہے [وفی الجامع ان فی الجنة لشجرة یسیر الراکب لجواد المضمر السریع] یعنی بخاری میں مزید وضاحت موجود ہے کہ جنت میں درخت کے نیچے چلنے والے سوار سے مراد وہ سوار ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کے جسم کو بہت پختہ کیا گیا ہو اور وہ بہت تیز چلتا ہو، عمدہ قسم کا گھوڑا ہو۔[1]

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص319

جنت کیسی ہے؟

جنت میں شیشے کے خیمے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ان للمؤمن فی الجنة لخیمة من لؤلؤ واحدة مجوفة] بے شک مؤمن کے لئے جنت میں ایک شیشہ کا خیمہ ہوگا جس کا طول وعرض ساٹھ ذراع (نوے فٹ) ہوگا، (ایک روایت میں طول ساٹھ ذراع کا ذکر ہے اور دوسری راویت میں عرض ساٹھ ذراع کا ذکر ہے) اور ہر کونے میں اس کی اہل ہوں گی۔ کوئی بعض دوسرے بعض کو نہیں دیکھ سکے گا۔ مؤمنین ان کے پاس جائیں گے، دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کے برتن اور ہر چیز چاندی کی ہوگی، اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، ان کے برتن اور ان کی تمام اشیاء سونے کی ہوں گی۔ جنت عدن میں مؤمن قوم اور رب کو دیکھنے میں صرف رداء (چادر) کبریائی حائل ہوگی۔ [1]

"وقد یکون لارباب الکمال جنتان من ذهب وجنتان من فضة" "ارباب کمال کو دو جنتیں چاندی کی اور دو سونے کی حاصل ہوں گی۔"

اس طرح چار جنتیں ہوں گی لیکن ان کے طبقات آٹھ ہیں جیسے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ انسان جب جنت میں ہوگا اس کی جسمانی کدورت اٹھالی جائے گی۔ حسی موانع ختم ہو جائیں گے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے جلال کا اتنا رعب ہوگا اور اس کی نورانیت کا اتنا غلبہ ہوگا کہ سوائے اس کی رحمت اور مہربانی کے انسان رب تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکے گا، یہی ردائے کبریائی ہے۔ [2]

جنت الفردوس سب سے اعلیٰ جنت ہے:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک سو درجہ ہے اور ہر درجہ میں اتنی وسعت ہے جس طرح زمین وآسمان کے درمیان وسعت ہے:

1۔ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واهلها ص 495

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 320

"والفردوس اعلاها درجة منها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها يكون العرش فاذا سألتم الله فاسئلوا الفردوس"
(ترمذی، مشکوۃ، باب صفۃ الجنۃ واھلھا، ص 495)

"فردوس تمام سے اعلیٰ درجہ والی ہے، اس میں جنت کی چار نہریں جاری ہیں۔ ان تمام (جنتوں کے) اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو۔"

وضاحت حدیث:

حدیث شریف میں "مائۃ درجۃ" ایک سو درجہ کا ذکر ہے لیکن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے:

"عدد درج الجنة عدد آی القرآن فمن دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة"

"جنت میں قرآن پاک کی آیتوں کے مطابق درجات ہیں، قرآن پاک پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے جس درجہ میں داخل ہوں گے اس کے اوپر کوئی درجہ نہیں۔"

ان حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جنت میں بہت سے مدارج ہوں گے۔ سو کا ذکر کثرت کے لئے ہے۔ تعداد کے لئے نہیں اہل عرب ستر، سو وغیرہ الفاظ سے عام طور پر کثرت والا معنی لیتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کثیر تعداد میں سے، سو درجے ایک ایک شخص کو حاصل ہوں۔

فردوس کا لغوی معنی ایسا باغ جس میں ہر قسم کے درخت اور انگور کی بیلیں ہوں لیکن جنت کے طبقات میں فردوس کو وہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہوگا جو دوسرے کسی طبقہ کو حاصل نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے امت سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں سے اعلیٰ تو اس کو تمام جنتوں سے اعلیٰ جنت طلب کرنی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی برتری کا تذکرہ رب تعالیٰ نے اس طرح فرمایا:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (پ ۲:۱)

"اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے کیا سب امتوں سے افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔"

جب پہلی امتیں تبلیغ انبیاء کا انکار کردیں گی تو رب تعالیٰ باوجود علم کے منکرین پر حجت قائم کرنے کے لئے تبلیغ پر انبیائے کرام سے گواہ طلب کرے گا۔ انبیائے کرام امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ پیش کریں گے۔ پہلی امتیں کہیں گی: تم ہمیں کیسے پہچانتے ہو؟ تو یہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے سچے نبی نے اللہ کا کلام اس کی کتاب کے ذریعے پہنچایا، جس سے ہمیں علم حاصل ہوا۔ پھر ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی دینے کے لئے لایا جائے گا، آپ اپنی امت کے حق میں نگہبان کی حیثیت میں شہادت دیں گے۔ [1]

خیال رہے کہ "نگہبان" کا لفظ صرف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں ہے۔ باقی کسی

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 321

ترجمے میں نہیں، یہ لفظ آپ نے کیوں زیادہ فرمایا؟ مترجمین کس طرح علمی نقطہ سے غافل رہے؟ یہ وضاحت میں نے اپنی کتاب "تسکین الجنان" میں کی ہے، وہاں دیکھیں۔ [1]

چار نہریں:

فِيهَآ أَنْهٰرٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَأَنْهٰرٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَأَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى...... (سورۂ محمد 6:26)

"ان (جنتوں) میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی خراب نہ ہوں اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلے اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے۔ اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا ہے۔"

ایک نہر پانی کی ہے اور وہ پانی دنیا کے پانیوں سے مختلف ہے کیونکہ زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے اس کا ذائقہ اور بو نہیں بدلیں گے حالانکہ دنیا کے پانیوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے گل سڑ جاتا ہے۔

سب سے پہلے پانی کا اس لئے ذکر کیا کہ انسان دنیا میں بغیر پانی کے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ سب سے زیادہ پانی کی ضرورت ہی در پیش آتی ہے۔

دوسری نہر دودھ کی ہوگی وہ بھی دنیا کے دودھ سے مختلف ہوگا۔ نہ کھٹا ہوگا اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہوگی بلکہ وہ صرف قدرت سے ہی دودھ معرضِ وجود میں آئے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دودھ کی نہر جانوروں سے دوہا ہوا دودھ نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت کا دودھ، گوبر اور خون کے درمیان نالی سے پیدا ہونے والا نہیں ہوگا۔

دودھ کا ذکر دوسرے مرتبہ پر کیا کیونکہ دودھ کو کثیر اہلِ عرب طعام کی جگہ بھی استعمال کرتے تھے۔ اس لئے پینے کے بعد گویا کہ کھانے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

تیسری نہر شراباً طہوراً کی ہوگی۔ دنیا کے شراب نشہ والے ہوتے ہیں۔ ان میں بدبو ہوتی ہے، بنانے والے کی میل کچیل کی آمیزش کا بھی قوی گمان ہوتا ہے لیکن جنتی شراب ان تمام چیزوں سے پاک ہوگا۔

تیسرے مرتبہ پر اس کا ذکر بھی اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر کھانے کے بعد تلذذ والی چیز کا استعمال ہوتا ہے، اس لئے جنت میں بھی دودھ کی غذائیت کے بعد شراب سے لذت دی جائے گی لیکن وہ شراب پاکیزہ ہوگا۔ صاف ستھرا مشروب ہوگا، نشہ سے پاک ہوگا۔

1۔ تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ العالی، ص 51 مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی

چوتھی نہر شہد کی ہو گی لیکن وہ شہد خالص صاف شفاف ہو گا۔ دنیا کے شہد میں بعض اوقات لوگ شمع کی یا چینی کی آمیزش کر کے شہد کو خراب کر دیتے ہیں، جو خالص نہیں رہتا۔ اسی طرح دنیا کے شہد میں شہد کی مکھیوں کے فضلات کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے لیکن جنتی شہد ان تمام چیزوں سے پاک ہو گا کیونکہ وہ فقط قدرت سے معرضِ وجود میں آیا ہو گا، ظاہری اسباب کو اس میں دخل نہیں ہو گا۔

شہد کا ذکر چوتھی مرتبہ پر کیا کیونکہ اس میں شفاء ہے، مرض میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کھانے پینے کی بے احتیاطی پر مرض لاحق ہوتی ہے اور دواء کی ضرورت در پیش آتی ہے، اس لئے اس کا ذکر سب کے بعد عام عادت کے مطابق ہے۔ [1]

ایک حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے جنت کی چار نہروں کے نام دنیا کی نہروں کے مطابق بیان فرمائے ہیں کہ جنت میں ایک نہر کا نام نیل ہے، دوسری کا دجلہ، تیسری کا فرات اور چوتھی کا سیحان۔ بعض جگہ سیحون آیا ہوا ہے۔ یہ صرف ناموں کی مطابقت ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ دنیا کے دریا شائد جنت کے ہی ہیں۔ بیہقی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"نهر النيل نهر العسل ونهر دجلة نهر اللبن ونهر الفرات نهر الخمر ونهر سيحان نهر الماء في الجنة" [2] ''جنت میں نہر نیل شہد کی نہر دجلہ دودھ کی نہر ہے، نہر فرات شراب کی نہر ہے اور نہر سیحان۔ سیحون پانی کی نہر ہے۔''

جنت کا بازار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: [ان في الجنة لسوقا يأتونها كل جمعة] بیشک جنت میں ایک بازار ہے جس میں جنتی لوگ ہر جمعہ کو آئیں گے۔ ان پر شمالی جانب سے ہوا چلے گی، ان کے چہروں اور کپڑوں پر (کستوری اور ہر قسم کی خوشبوئیں) پھیلا دے گی۔ [فيرجعون الى اهلهم وقد ازدادوا حسنا و جمالا] ''اپنے اہل کی طرف جب یہ لوٹ کر آئیں گے تو وہ کہیں گے۔'' [والله لقد ازددتم بعدنا حسنا و جمالا] ''قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمہارا حسن و جمال ہمارے بعد زیادہ ہو گیا ہے اور یہ انہیں کہیں گے۔'' [و انتم و الله تعالى زدتم بعدنا حسنا وجمالا] ''قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تمہارا بھی حسن و جمال ہمارے بعد زیادہ ہو گیا ہے۔'' [3]

وضاحت حدیث:

1۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 13' ص 48
2۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 13' ص 48
3۔ صحیح مسلم شریف، مشکوٰۃ باب صفة الجنة واہلہا ج 2 ص 496

قیامت میں بھی لوگ علماء کے محتاج ہوں گے، اگرچہ قیامت میں سورج اور رات، دن کا وجود نہیں ہوگا لیکن جمعہ اور عیدین کا اعتبار کرنا یا مبارک دنوں میں زیارت کرنا وغیرہ ان تمام چیزوں کی دارمدار اس پر ہوگی۔ [وانما یعرف وقت اللیل والنهار بارخاء استار الانوار و رفعها] جنت میں رات اور دن کی پہچان نور سے ہوگی، جب نور پر پردے لٹکا دیئے جائیں گے تو رات ہوگی اور جب پردے ہٹا دیئے جائیں گے تو دن ہوگا۔

اہل جنت بھی علماء کے محتاج ہوں گے:

بیشک اہل جنت بھی علماء کے محتاج ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ ہر جمعہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے: [فیقول لهم تمنوا علی ماشئتم] رب تعالیٰ انہیں کہے گا: جو بھی چاہتے ہو، اسی چیز کی تمنا کرو یعنی مجھ سے طلب کرو۔ اب جنت والوں کو معلوم نہیں ہوسکے گا کہ وہ کسی چیز کی طلب کریں [فیلتفتون الی العلماء فیقولون ماذا نتمنی فیقولون تمنوا علیه کذا و کذا] وہ علماء کی طرف توجہ کریں گے، ان پوچھیں گے کہ ہم رب تعالیٰ سے کیا مانگیں؟ علماء انہیں بتائیں گے کہ تم فلاں فلاں چیزوں کی طلب کرو [فهم یحتاجون الیهم فی الجنة کما یحتاجون الیهم فی الدنیا] وہ جنتی لوگ جنت میں علماء کے اسی طرح محتاج ہوں گے جیسے وہ دنیا میں ان کے محتاج تھے۔

جنت میں جمعہ کا نام یوم المزید (زیادہ نعمتوں کے حاصل ہونے کا دن) بھی ہوگا۔ اس سے واضح ہوا کہ جمعہ کے دن کو دنیا کی طرح جنت میں بھی باقی دنوں پر سرداری حاصل ہوگی۔

اہل عرب شمالی جانب سے چلنے والی ہوا کو برکت والی، بارش والی ہوا قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ذکر فرمایا کہ ان کے چہروں اور کپڑوں کی شمالی جانب سے چلنے والی ہوا کستوری اور طرح طرح کی خوشبوؤں سے معطر کردے گی، جس سے ان کی شکل وصورت اور زیب وزینت میں حسن وجمال زیادہ ہوجائے گا۔

چونکہ تمام اہل جنت جمعہ کے دن بازار میں جائیں گے، اس لئے جب لوٹیں گے تو قبیلہ کا سربراہ اپنی جنتی ازواج سے کلام کرے گا وہ اس سے کلام کریں گی کہ ان کا حسن وجمال زیادہ ہوچکا ہے، اپنے حسن وجمال کی زیادتی کا علم تو ہو نہیں سکے گا، دوسرے کو دیکھ کر کہیں گے: تمہارا حسن وجمال زیادہ ہوگیا ہے حالانکہ ہر ایک کا حسن وجمال زیادہ ہوگا۔ [1]

1۔ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 323

فصل پنجم

اہل جنت کے فضائل

جنت میں اعمال کے مطابق نورانیت کا حصول ہوگا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی جماعت کے لوگ چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر ان کے بعد بہت زیادہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہوں گے [قلوبھم علی قلب رجل واحد لا اختلاف بینھم ولا تباغض] ان کے دل ایک آدمی کے دل ہوں گے، ان میں کوئی اختلاف اور بغض نہیں ہوگا۔ (1)

سب سے پہلی جماعت انبیاء کرام کی ہوگی جن کے چاند کی طرح چمکتے چہرے ہوں گے لیکن سب سے زیادہ نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگی [ولعل دخولھا علی صورۃ الشمس] سے جگمگاتے چہرے سے دخول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص ہے۔ (2)

جب مشہور بات یہ کہ [نور القمر مستفاد من نور الشمس] چاند کی نورانیت سورج کی نورانیت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے تو چاند کو گرہن لگ جاتا ہے یعنی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔

اس ضابطہ کو سمجھنے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کو چاند کی صورت عطا کر کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج کی صورت عطا کر کے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ تمام انبیاء کرام کو نورانیت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے حاصل ہو رہی ہے۔

اس جماعت کے بعد آنے والے:

1۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ واھلھا ج2 ص496

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص323

"یقربون تلك الزمرة فی قرب المرتبة من الاولیاء و العلماء والشھداء و الصلحاء" ❶

"وہ لوگ ہوں گے جو انبیاء کرام کے مرتبہ کے لحاظ پر قریب ہوں گے وہ اولیائے کرام اور علمائے عظام، شہدائے کرام اور نیک متقی پرہیزگار لوگ ہوں گے۔"

جنتی لوگوں میں اتفاق واتحاد ہوگا، ایک دوسرے سے محبت ہوگی۔ تمام لوگوں کے دل ایک آدمی کے دل کی طرح ہوں گے یعنی جس طرح کسی آدمی کو اپنے آپ سے اختلاف نہیں ہوتا اس طرح وہاں ایک دوسرے سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی دلوں میں کوئی کھوٹ، کینہ ہوگا۔ یہی وجہ ہوگی کوئی ایک دوسرے سے بغض وعناد نہیں رکھے گا۔

جنت کا حسن وجمال:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من الماء" پانی سے۔ ہم نے پوچھا: جنت کو کس چیز سے تخلیق کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لبنة من ذھب ولبنة من فضة وملاطھا المسك الاذفر وحصباؤھا اللؤلؤ والیاقوت وتربتھا الزعفران"

(مسند احمد، ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واھلھا، ج2 ص497)

"سونے اور چاندی کی اینٹوں سے اور اینٹوں میں چونا سیمنٹ کی جگہ بہت زیادہ خوشبودار کستوری کو استعمال کیا گیا ہے اور جنت کی نہروں میں موتیوں اور یاقوت کی طرح سنگ ریزے ہوں گے اور اس کی مٹی کی جگہ زعفران ہوگا۔"

یعنی نرم زرد اور خوشبودار مٹی ہوگی۔ سفید، زرد اور سرخ رنگ سے مزین کیا گیا ہے اور سبز درختوں سے اس کے حسن وجمال کو اور زیادہ دوبالا کیا گیا ہے۔ ❷

جنتی لوگوں کی عمریں اور خوبصورتی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اھل الجنة جرد مرد کحلی لا یفنی شبابھم ولا یبلی ثیابھم] جنت والے لوگ جُرد مُرد ہوں گے، سرمہ لگا ہوگا، ان کی جوانی ختم نہیں ہوگی اور ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے (دوسری روایت میں ہے) ان کی عمریں تیس، تینتیس سال ہوں گی۔ ❸

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص324

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص330

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب صفۃ الجنۃ ج2 ص498

وضاحت حدیث:

جُرد کا معنی جس کے جسم پر بال نہ ہوں اور مُرد کا معنی جس کی داڑھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خوبصورت اور نرم ونازک ہوں گے اور قدرتی طور پر ان کے آنکھوں کی پلکوں میں سیاہی اس طرح رکھ دی جائے گی جیسے یہ معلوم ہوگا کہ سرمہ لگایا ہوا ہے۔ جوانی ختم نہیں ہوگی۔ اس کی تفصیل دوسری حدیث میں ہے [یعطی قوة مائة رجل] ایک آدمی کو سو آدمی کے برابر طاقت دی جائے گی۔ دنیا میں ایک سو آدمی جتنی طاقت رکھتے ہیں، جنت میں اتنی طاقت ایک آدمی کو حاصل ہوگی یعنی اس طرح ازواج سے مجامعت کی قدرت ہوگی۔ (1)

جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے، مریں گے نہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [من یدخلها ینعم ولا یبأس و یخلد ولا یموت] جو شخص جنت میں داخل ہوگا اس کو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ باقی رہے گا، اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ (2)

جنت کی نہر کوثر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: [ذاك نهر اعطانيه الله يعني في الجنة اشد بياضا من اللبن واحلى من العسل] یہ وہ نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں عطا کی ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ (3)

اس میں یہ اشارہ پایا گیا ہے کہ جنت میں نہر کوثر کے پانی میں دودھ کی طرح غذائیت اور شہد کی طرح حلاوت (مٹھاس) پائی گئی ہے، اگر چہ اس میں شہد کی طرح شفاء بھی ہوگی لیکن وہاں مرض نہیں لاحق ہوگی اس لئے بطور دواء استعمال کی ضرورت بھی درپیش نہیں آئے گی۔

اسی طرح اس پانی میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور خواہش کی طلب پائی جاتی ہے۔ یہی نہر کوثر محشر کے حوض کوثر کا منبع بھی ہے جس طرح پہلے تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اس نہر پر ایسے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی۔ (4)

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10، ص333

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب صفۃ الجنۃ ج2 ص497

3۔ المرجع السابق

4۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10، ص331

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے زیادہ جنت میں ہوگی:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اھل الجنة عشرون و مائة صف ثمانون منها من ھذہ الامة و اربعو ن من سائر الامم" (1)

"جنت والے لوگوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، ان میں اسی (۸۰) اس امت کی ہوں گی اور تمام امتوں کی چالیس صفیں ہوں گی۔"

اولیائے عظام کے منازلِ رفیعہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اہل جنت اپنے اوپر بالا خانہ پر رہنے والوں کو ایسے دیکھیں گے جس طرح تم مشرق یا مغرب میں افق پر باقی رہنے والے بہت زیادہ چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو، کیونکہ جنت والے لوگوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ منازل تو صرف انبیائے کرام کو ہی حاصل ہوں گے، دوسرا تو کوئی وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ نے فرمایا:

"بلٰی و الذی نفسی بیدہ رجال امنو باللہ وصدقوا المرسلین" (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ ص 496)

"کیوں نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ مرتبہ تو ان مردوں کو بھی حاصل ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور رسولوں کی تصدیق کی۔"

جنت والے لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ اعمال کے مطابق ان کے مراتب و مدارج ہوں گے۔ اولیائے عظام کو عالیشان، بلند محلات حاصل ہوں گے۔ ظاہری طور پر بھی ان کو بلند مقام حاصل ہوگا جس طرح شان کے لحاظ سے انہیں بلند مقام حاصل ہوگا۔ روشن ستارے کی طرح بلندی اور نورانیت حاصل ہوگی، جنت میں کچھ لوگ پست مقام ہوں گے، کچھ درمیانی مقام میں کچھ بلندی پر۔

حدیث میں لفظ رجال استعمال ہوا ہے جس کا مطلب "کامل فی الرجلیت" یعنی جو بہت کامل لوگ ہوں گے۔ ذکر اگرچہ رجال کا ہے لیکن نساء (عورتوں) کو بھی شامل ہے۔ کامل لوگ کون ہیں؟ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا [رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ] "کامل لوگ وہ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرائے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ انہیں کامل ایمان، پختہ یقین، اور عبادت میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا مقام

1۔ ترمذی، مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ، ج2 ص498

2۔ بخاری شریف و مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ، ج2 ص496

حاصل رہے۔

رسولوں کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے لائے ہوئے تمام اوامر اور نواہی (جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے یا ان سے روکا گیا ہے) کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ صابرین شاکرین کی صف میں قائم ہیں اور مقامِ رضاء کے درجہ پر فائز ہیں۔ جب انسان ان بلند منازل کو طے کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو انعامات سے نواز دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: [اولئك يجزون الغرفة بما صبروا] ''ان لوگوں کو صبر کی وجہ سے بطور جزاء بالا خانے عطا کئے جائیں گے۔'' (1)

جنتی لوگوں کو نیند نہیں آئے گی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

''اینام اھل الجنة قال النوم اخو الموت ولا یموت اھل الجنة'' (2) ''کیا جنت والوں کو بھی نیند آئے گی؟ آپ نے فرمایا: نیند موت کی مثل ہے، جنت والوں کو موت نہیں آئے گی۔''

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدلل جواب ارشاد فرمایا کہ جس طرح انسان موت کی حالت میں ہوتا ہے، نیند میں بھی اس کی ایسی حالت ہی ہوتی ہے۔ جب موت نہیں آنی تو یقیناً نیند بھی نہیں آئے گی۔

دنیا میں نیند کی ضرورت انسان کو اس لئے ہوتی ہے کہ وہ تھکان محسوس کرتا ہے، اسے راحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ نیند سے پوری کرتا ہے لیکن جنت میں ہر طرح کا آرام ہی آرام ہوتا ہے، کسی قسم کی تھکاوٹ ہونی ہی نہیں تو اس وجہ سے نیند کی ضرورت بھی در پیش نہیں آئے گی۔ (3)

جنت میں انسان کو اولاد کی خواہش نہیں ہوگی:

''اذا اشتهى المؤمن فى الجنة الولد كان فى ساعة ولكن لا يشتهى'' (مشکوٰۃ، باب صفۃ الجنۃ، ج2 ص500) ''مؤمن کو جنت میں اگر اولاد کی طلب ہو تو اسی وقت اس کو عطا کر دی جائے لیکن مومن کو جنت میں اولاد کی خواہش ہی نہیں ہوگی۔''

جنتیوں کے خدام اور ان کی بیویاں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت والے لوگوں کو کم از کم اسی ہزار خادم اور بہتر

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص327
2۔ بیہقی شریف، مشکوٰۃ شریف، باب صفۃ الجنۃ ج2 ص
3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص344

(۷۲) بیویاں حاصل ہوں گی۔ (1)

جنتی بیویوں کی شان:

حدیث شریف میں ہے:

"یری مخ سوقهن من وراء العظم واللحم من حسن" (مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ ص 500)

"ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں (کی ہڈی) کا مغز ہڈی اور گوشت کے پیچھے نمایاں نظر آئے گا۔"

یعنی جنتی حوروں کو اس طرح لطافت اور حسن و جمال کامل طور پر حاصل ہوگا کہ ان سے انسان کے نفرت کرنے کا تصور بھی نہیں پایا جائے گا۔ حسن میں صفائی، چمڑا نرم و نازک، تمام اعضاء میں لطافت اس طرح ہوگی کہ انسان دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پنڈلیوں کی ہڈی کے مغز کے سامنے ہڈی اور گوشت حجاب نہیں بن سکیں گے کیونکہ ہڈی اور گوشت کو شیشے کی طرح صفائی اور چمک دمک حاصل ہوگی۔ (2)

جنتی حور کبھی ناراض نہیں ہوگی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک جنت خوبصورت آنکھوں والی، سفید رنگ والی بیویوں سے جمع ہونے کا مقام ہے:

"یعلن نحن الخالدات فلا نبید ونحن الناعمات فلا نبأس ونحن الراضیات فلا نسخط طوبی لمن کان لنا وکنا له" (ترمذی، مشکوۃ، باب صفۃ الجنۃ، ج2 ص500)

"وہ اپنے نغموں کی آواز بلند کریں گی، وہ ایسی آواز ہوگی کسی نے اس سے پہلے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی، وہ کہیں گی: ہم ہمیشہ (زندہ) رہنے والی ہیں، ہم کبھی ہلاک نہیں ہوں گی، ہمیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے، ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی، ہم راضی رہنے والی ہیں، کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ کتنی خوش بختی کا مقام ہے اس شخص کے لئے جو ہمارا اور جس کی ہم ہیں۔"

جنتی بیویاں پاکیزہ ہوں گی:

وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ (۲۵) (سورۃ البقرہ 3:1)

"ان کے لئے ان باغوں میں صاف ستھری بیویاں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یعنی وہ عورتیں.......... خواہ حوریں ہوں یا دنیا کی عورتیں ہوں.......... تمام ہی ہر قسم کے ظاہری اور باطنی عیبوں اور گندگیوں سے بالکل پاک ہوں گی یعنی حیض، نفاس، پیشاب، پاخانہ، منی، تھوک، میل اور ہر قسم کی بیماری وغیرہ سے بھی پاک

1۔ ترمذی، مشکوۃ، باب صفۃ الجنۃ، ج2 ص499
2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص340

ہوں گی اور بد خلقی، سخت زبانی، نافرمانی وغیرہ سے بھی ایک دم دور ہوں گی۔ ان کے چہرے کا نور آفتاب کی روشنی کو شرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کا نعمتوں میں ذکر کیا کیونکہ انسان اپنی زوجہ کا مالک ہوتا ہے، اس لئے زوجہ بھی عظیم نعمت ہے۔

فوائد

①: خیال رہے کہ جو عورت جس مسلمان کے نکاح میں مرے گی، وہ جنت میں اسی کے ساتھ رہے گی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرنا حرام تھا کیونکہ وہ جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

②: جس عورت کا شوہر کافر ہو کر مرا یا جو لڑکی کنواری ہی مر گئی ان کا نکاح ان جنتیوں میں سے کسی سے کر دیا جائے گا جو لوگ جنت کے بھرنے کے لئے اس وقت پیدا کیے جائیں گے۔

③: اور جس کی بیوی کافر ہو کر مری یا کنواری ہی مر گئی، اس کے نکاح میں صرف حوریں ہو گی۔

④: اور جس کی بیوی بھی مسلمان مرے، وہ جنت میں اپنی اس بیوی کو بھی پائے گا اور حوروں کو بھی لیکن وہاں یہ دنیاوی بیویاں حسن و جمال میں حوروں سے کسی طرح کم نہیں ہوں گی۔

⑤: روایات میں آیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام (عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا (فرعون کی زوجہ) جنت میں نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔[1]

جنتی بیویاں نگاہیں نیچے رکھیں گی:

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

(سورۃ الرحمٰن 11:27)

''ان (جنتیوں) میں نیچی نگاہوں والی ہوں گی، جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کیلئے بنائے گئے ہیں، ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی، وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔ باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عزت مآب ہوں گی آج تک انہیں کسی جن و انس نے چھوا تک نہ ہوگا۔

ان کے چہرے یاقوت کی طرح سرخ اور ان کے بدن مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔ آپ ذرا غور فرمائیں! ان کے ظاہری حسن و جمال اور اس کی سچی دلربائی اس کی پاک دامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلا پن ہے۔

1۔ تفسیر نعیمی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ، ج 1 ص 190

گھر میں آپ گھر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ نہ ہو تو وہ خضرۃ الدمن ہے یعنی کوڑے کے ڈھیر پر اُگا ہوا سبزہ۔ اس کی طرف گدھے تو لپک کر جا سکتے ہیں اور اس کو اپنا تر نوالہ بنا کر زور سے ہینگ سکتے ہیں۔ لیکن ایک شریف النفس اور باذوق آدمی کو تو اس سے بد بو آئے گی، اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔ دنیا میں بھی امتِ مصطفویہ ﷺ کی بہو بیٹیوں کو عفت وحیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔ (یہی ان کا حسن وجمال ہے)

یہ "قاصرات الطرف" کون ہوں گی؟ وہ نیک بیویاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، وہی جنت میں ان کے محلات کی زینت بنیں گی۔ ان کے علاوہ انہیں حوریں بھی دی جائیں گے۔ نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جہنم رسید کر دیئے گئے ان کو بھی ان جنتی مردوں .... جو مخلوق اس وقت تخلیق ہو گی .... کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ یہی حال مؤمن جنوں اور باایمان جنیوں کے ساتھ ہو گا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

" والذی یغلب علی الظن ان الانسی یعطی من الانسیات والحور و الجنی یعطی من الجنیات والحور "❶ " غالب گمان یہی ہے کہ انسانوں کو انسان عورتیں اور حوریں دی جائیں گی اور جنوں کو جن عورتیں اور حوریں عطا ہوں گی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! دنیا کی بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [نساء دنیا افضل من الحور العین کفضل الظهارة علی البطانة] یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہوں گی جس طرح ابری استر سے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کیسے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [بصلوتهن وصیامهن و عبادتهن] اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنا دے گا۔ ان کے جسم ریشم سے نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد، ان کی انگوٹھیاں موتیوں کی طرح اور ان کی کنگیاں سونے کی ہوں گی۔ ❷

جنتی بیویاں پردہ دار ہوں گی:

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ "ان (جنتیوں) میں اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 14، ص 118

2۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج 5، ص 80

يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۵﴾

(سورہ الرحمٰن 11:27)

گے۔ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان کو اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

یعنی ان سرسبز و شاداب باغوں میں ایسی عورتیں ہوں گی جو اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر [خیرات الاخلاق حسان الوجوہ] یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

حور جمع ہے اس کا واحد حوراء ہے [ھی الشدیدۃ بیاض العین و الشدیدۃ سوادھا] یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔

[مقصورات فی الخیام] فرما کر ان کے باحیاء اور باشرم ہونے کا ذکر فرما دیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ ان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضاء خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔[1]

جنتی بیویاں موٹی آنکھوں والی ہوں گی:

"وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ" (سورۃ الطور 3:27) "انہیں بیاہ دیا بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔"

خیال رہے کہ یہ دنیا کے نکاح کی طرح نکاح نہیں ہوگا۔ کیونکہ دار تکلیف دنیا ہی ہے۔ [ھل بمعنی تصییرھم زوجین ای صیرناھم کذالک بسبب حور عین] "بلکہ ان کو زوجہ عطا کر دی جائیں گی۔ ان کو جب عطا ہوں گی تو وہ جنتی بیویوں والے ہو جائیں گے۔ ان کو ازواج کا عطا کرنا گویا کہ ان کے ساتھ بیاہ ہوگا۔"[2]

ایمان والی اولاد کو جنت میں ماں باپ سے ملا دیا جائے گا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورۃ الطور 3:27)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو۔"

ایک مزید انعام کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ اگر ان کی اولاد باایمان اس دنیا سے رخصت ہوئی ہے تو جنت میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گی، اگرچہ ان کے اعمال زیادہ اچھے نہ ہوں۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14، ص 120

2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14، ص 32

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۳ اور سورۃ نمبر ۸ میں بھی گذر چکا ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے والدین، ان کی بیویاں اور ان کی اولاد کو ان کے طفیل مقاماتِ رفیعہ پر فائز کر دیا جائے گا۔ لیکن وہاں ماں، باپ کے نیک اور صالح ہونے کی قید ہے اور یہاں صرف ایمان کی شرط ذکر کی گئی ہے۔ نیز پہلی دو آیتوں میں جنتِ عدن میں داخل ہونے کا ذکر تھا، یہاں فرمایا: ہم ان کو متقی والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔ وہ انہیں کے پاس ان کے مقاماتِ رفیعہ میں ہمارے لطف و احسان سے محظوظ ہوتے رہیں گے۔ اپنے بچوں کو اپنے پاس خوش و خرم دیکھ کر ہمارے پیارے بندوں کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوں گے۔

"عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال ان الله عزوجل لیرفع ذریۃ المؤمن معہ فی درجۃ فی الجنۃ وان کان لم یبلغھا لتقربھم عینہ ثم قرء والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم ایمان الحقنا بھم ذریتھم (الآیۃ)

(تفسیر قرطبی، ابوعبد محمد بن احمد انصاری المعروف قرطبی ج ص)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ عزوجل مؤمن کی اولاد کو جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعے وہاں رہنے کا مستحق نہ رہو۔ یہ اس لئے تا کہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"فیجمع الله لھم انواع السرور بسعادتھم فی انفسھم و بمزاوجۃ الحور العین و بموانسۃ الاخوان المؤمنین و باجتماع اولادھم بھم"

(تفسیر کشاف، جاراللہ زمخشری، ج ص)

"اللہ تعالیٰ ان پر تمام قسم کی خوشیوں کو جمع فرما دے گا یعنی ان کو سعادت مند بنائے گا اور ان کا بیاہ جنتی حوروں کے ساتھ کرے گا اور مسلمان بھائیوں سے انس اور ان کی اولاد کو جمع فرما دے گا۔"

تبصرہ:

والدین کے مرتبہ کو کم کر کے اولاد کے ساتھ نہیں ملا دیا جائے گا اگرچہ اولاد کا مرتبہ کم ہی کیوں نہ بلکہ اولاد کو والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ کیونکہ عمل میں کمی ظلم کے مترادف ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں لیکن کسی کے عملوں کی کمی کے باوجود اسے بلند عطا کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ وہ اپنے فضل سے جسے چاہے نواز دے یہ اس کی مرضی کی بات ہے لیکن تمام لوگوں کو ان کے اعمال کے بغیر کسی کمی کے پوری پوری جزاء عطا فرمائے گا۔

جنتی بیویاں شتر مرغ کے انڈے کی طرح ہوں گی:

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

(سورۃ الصافات 6:23)

''اوران کے پاس ہیں جو شوہروں کے سوا دوسری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گی ۔ بڑی آنکھوں والی گویا وہ انڈے ہیں پوشیدہ رکھے ہوئے۔''

''قاصرت الطرف'' جھکی ہوئی نگاہوں والیاں جو اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہی نہیں۔ با شرم و باحیاء۔ عین جمع عیناء کی، موٹی موٹی خوبصورت آنکھوں والیاں۔ جن کی آنکھوں کا سیاہ حصہ بہت سیاہ اور سفید حصہ نہایت سفید۔ بیض، انڈا خصوصاً شتر مرغ کا انڈا اس میں سفید اور زرد رنگ کی آمیزش بڑی لطیف ہوتی ہے۔ عربی لوگ عورتوں کے اس رنگ کو بہت پسند کرتے تھے۔ [1]

معلوم ہوا کہ جنت میں پردہ ہوگا۔ کوئی عورت اجنبی مرد کو نہیں دیکھے گی۔ متقی پرہیز گار سے بھی پردہ ہے کہ جنت میں سارے متقی ہوں گے مگر جنتی عورتیں، حوریں ان سے بھی پردہ کریں گی۔ جن گھروں میں آج پردہ وہ جنتی گھر ہیں اور جہاں بے پردگی، بے حیائی ہے وہ دوزخی گھر ہیں۔ [2]

جنتی بیویاں موتیوں کی طرح ہوں گی:

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾

(سورۃ الواقعہ 14:27)

''اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔''

حوروں کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی وہ موتی جو سیپ میں ہو یا ڈبیہ میں بند کر کے رکھا ہوا ہو وہ ہاتھوں سے محفوظ رہتا ہے اور تغیر و تبدل سے بچا رہتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ [صفاؤهن كصفاء الدّر الذى لا تمسه الايدى] ان (جنتی حوروں کے رنگ اور جسم) کی صفائی ایسے ہوگی جیسے اس موتی کی صفائی ہوتی ہے جس کو ہاتھوں نے نہ چھوا ہو۔ اہل عرب اکثر طور پر حسین چیز کو موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ [3]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن' پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ' ج 4' ص 204

2۔ تفسیر نور العرفان، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ زیر آیت 49-48 سورہ صافات پ 23 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور

3۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 14' ص 138

جنتی عورتیں جوان ہوں گی:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ (سورۃ الواقعہ 27:14)

''ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے، پس ہم نے بنادیا انہیں کنواریاں (دل وجان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر۔''

اہل جنت کی نیک بیویاں جب جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی، اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں، مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں لیکن جنت میں داخل ہوں گی تو پھر جوانی ہوگی۔ مجسم حسن ورعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یا ام سلمة هن اللواتی قبضن فی الدنیا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلهن الله بعد الكبر اترابا على ميلاد واحد فی الاستواء''

''اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا! ان سے مراد وہی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت بالکل بوڑھی تھیں، ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی۔ تو ساری ہم عمر ہوں گی۔''

''عرب'' اس کا واحد عروب ہے، علامہ قرطبی کہتے ہیں: [فالعروب تبين محبتها لزوجها بشكل و عنج وحسن كلام] یعنی وہ عورت جو ناز وادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے، جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین وجمیل بھی ہونا، ناز واداوالی بھی ہو، خوش گفتار بھی ہو، ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

اتـرابـا: ہم عمریں، ایک جیسی تیس اور تینتیس سال کے درمیان ہوں گی، کامل جوانی ہوگی۔ اپنے شوہروں سے کامل محبت کرنے والی ہوں گی۔ [1]

خدام اور چھلکتے جام:

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾

اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس اور شیشے بھی وہ چاندی کی قسم سے ہوں گے۔ ساقیوں (پلانے والے) نے انہیں پورے اندازہ سے

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج 5، ص 92

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

(سورۃ الدہر 19:29)

بھرا ہوگا اور انہیں پلائے جائیں گے۔ وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ یہ زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھرے گئے ہیں۔

آنیۃ: جمع ہے اناء کی۔ ظرف، برتن۔ اکواب، کوب کی جمع ہے وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا نہ ہو۔

کانت قواریرا' قواریر من فضۃ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "آنیۃ من فضۃ صفاءھا کصفاء القواریر" یعنی یہ سارے برتن چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک اتنی زیادہ ہوگی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلور ڈھال کر انہیں بنایا گیا ہے۔

ساقی گری کی خدمت پر جو خدام مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور اداشناس ہوں گے۔ صراحی سے جام میں اتنی مقدار میں شراب انڈیلیں گے جتنی پینے والا چاہے گا، جتنی اس کی خواہش ہوگی۔ اناڑی نہ ہوں گے جس کو چند گھونٹ کی خواہش ہو، اسے چھلکتا گلاس دے دیں اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو، اسے چند قطروں پر ٹرخا دیں۔ جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہش کا پورا پورا احترام کریں گے۔

انہیں ایسی شراب دی جائے گی جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی ملاوٹ ہوگی۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اور اسی کو "سلسبیل" بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے۔ انہی کا پسند خاطر نام ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ جنت میں ایک چشمہ اسی نام کا جاری ہے جس میں سونٹھ کی بو تو ہوگی لیکن اس کے ذائقہ کی تلخی نہ ہوگی۔

خدام لڑکے ہر وقت ان کی خدمت بجالانے کے لئے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لئے ان کے آگے پیچھے پھرتی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شکل وصورت اور ان کے رنگ روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے مرغزاروں اہل جنت کی خدمت کیلئے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہوگا کہ کوئی موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی ادھر ادھر لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔ ●

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 446

جنتی شراب پاکیزہ، نشہ سے پاک:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾

(سورۃ صافات 6:23)

''ان پر (پاکیزہ شراب) کے چھلکتے جام کو پھرایا جائے گا۔ سفید رنگ، پینے والوں کو لذت حاصل ہوگی۔ نہ اس میں نشہ ہوگا اور نہ سر کو چکرائیں گے۔''

کاس: اس پیالہ کو کہتے ہیں جس میں شراب موجود ہو۔ خواہ دنیا کی شراب یا جنت کی۔ خالی پیالہ کو ''قدح'' کہتے ہیں۔ معین کا معنی ہے جاری ہونا جس طرح جاری پانی کو ''عان الماء'' کہہ لیا جاتا ہے۔ یعنی پیالے بھرے ہوں گے، چھلک رہے ہوں گے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں [ان خمر الجنة اشد بياضا من اللبن] بیشک جنت کا شراب دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگا [لا تغول عقولهم من السكر] جنتی شراب میں نشہ نہیں ہوگا کہ اس سے عقل زائل ہو جائے [ليس فيها نتن ولا كراهية كخمر الدنيا] دنیا کے شراب کی طرح نشہ اس میں بدبو اور کراہت نہیں پائی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''في الخمر اربع خصال السكر والصداع والقيء والبول فنزه الله تعالى خمر الجنة عنها''[1]

''دنیا کے شراب میں چار صفات ہیں: نشہ، سر کا چکرانا، قے آنا اور اس سے پیشاب آنا لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت کے شراب کو ان تمام سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔''

یاد رہے جنت میں پیشاب نہیں آئے گا۔ (تفصیل ان شاء اللہ عنقریب ذکر ہوگی)

جنتی شراب کافور کی طرح ہوگا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾

(سورۃ الدہر 19:29)

''بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔''

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں اپنے اپنے مقامات پر تشریف فرما ہوں گے تو ان کو پاکیزہ شراب کے پیالے بھر بھر کر پیش کیے جائیں گے جن میں چشمۂ کافور کا پانی جب ٹھنڈک اور رنگ میں کافور کی طرح ہوگا۔ اسی طرح وہ شراب

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 12، ص 86

بھی کافور کی طرح سفید اور چمکدار اور نہایت لذیذ اور ٹھنڈی ہوگی۔

جنت والوں کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو ان کی خواہش کے مطابق پانی خود بخود ادھر بہنا شروع ہو جائے گا۔ جدھر وہ اشارہ کریں گے یعنی انہیں پانی حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

تنبیہ:

سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالے بلا واسطہ پلائے گا۔ درمیانی درجے والوں کو فرشتے پلائیں گے اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ بہشت کے شراب کو پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے۔ پردوں کو الٹ دیں گے، بے چون و چگوں و بے جہت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرما اور اپنے کرم سے مقربین میں داخل فرما۔ آمین [1]

جنتی حضرات پاکیزہ خوش طبعی کریں گے:

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾

(سورۃ الطور 27:3)

''وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی نہ گناہ اور (خدمت بجالانے کیلئے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد۔ ان کے غلام (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں۔''

جنت میں منعقد ہونے والی مجلسِ نشاط و سرور کی کتنی عمدہ تصویر کشی کی گئی۔ اہل جنت جب اپنی مجلس نشاط سجائیں گے۔ مہوش ساقی بلوریں جاموں (چاند کی صورت والے پلانے والے شیشے کی طرح چمکتے ہوئے پیالوں) میں شرابِ طہور (پاکیزہ) ڈال کر پیش کریں گے اور چھلکتے ہوئے جام جب گردش میں آئیں گے تو انس و محبت اور بے تکلفی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کریں گے۔ یہ اس کے ہاتھوں سے جام چھینے گا اور وہ اس سے اُچکنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سب کچھ از راہِ ملاعبت و ملاطفت ہوگا لیکن کیف و سرور کے اس عالم میں بھی وہ بے ہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے قریب تک نہیں جائیں گے۔ کوئی ناشائستہ حرکت اور گناہ اس وقت بھی ان سے صادر نہیں ہوگا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیارے انداز سے ''یتنازعون'' کی تفسیر لکھی ہے:

''ای یتجاذبونها فی الجنة و هم جلساء هم تجاذب ملاعبة کما یفعل ذالك الندامی بینهم فی الدنیا بشدة سرورهم''

''یعنی وہ لوگ اپنے ندیموں (ہم نشینوں) سے از راہِ عبث و ملاطفت پیالے چھینیں گے۔ جس طرح اس دنیا میں میخواری کے وقت مے خوار کرتے ہیں۔''

1۔ تفسیر چرخی بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 442

دیگر آسائشوں کے علاوہ اہل جنت کو خدمت گار بھی مہیا کیے جائیں گے، جو ہر وقت ان کے اردگرد گھومتے رہیں گے تاکہ ان کے ہر اشارۂ ابرو کی فوراً تعمیل کر سکیں۔ وہ خدمت گزار دنیا کے خدام کی طرح بدوضع، غلیظ اور اکھڑ مزاج نہیں ہوں گے بلکہ بہت خوبصورت اور صاف ستھرے ہوں گے۔ یوں محسوس ہوگا کہ وہ آبدار موتی ہیں جو اب تک آغوشِ صدف میں مستور ہے اور ابھی باہر نکلے ہیں۔ (1)

جنتی لوگوں کو پھل عطا کیے جانا:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ (سورۃ البقرۃ 3:1)

''جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا (صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا۔''

یعنی جنت میں جب لوگوں کو پھل دیئے جائیں گے تو وہ شکل میں اور نام میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے تو جنتی لوگ تعجب سے یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم قدرت ہے کہ اس نے ہمیں یہاں بھی دنیا کے پھلوں کی طرح پھل عطا کر دیئے لیکن جنتی لوگوں کے گمان میں یہ ہوگا کہ شاید ذائقہ اور لذت میں بھی ان پھلوں کی طرح ہی ہوں گے لیکن حقیقت میں وہ ان سے بہت ہی زیادہ لذیذ اور مزہ دار ہوں گے جس کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [ليس في الجنة اطعمة الدنيا الا الاسماء] ''جنت میں دنیا کے کھانوں کا صرف نام ہی ہوگا۔'' یعنی صرف شکل اور نام میں مشابہت ہوگی ورنہ وہ بہت ہی عمدہ ہوں گے۔ اسی طرح جب جنت میں دوبارہ ان کو پہلے کھائے ہوئے پھل کی خواہش ہوگی تو دوبارہ جب وہ حاصل کریں گے تو کہیں گے یہ وہی پھل ہے جو ہم نے ابھی پہلے کھایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جتنی مرتبہ ان کو ایک ہی پھل ملے گا، اتنی مرتبہ ہی اس کا ذائقہ پہلے سے مختلف ہوگا۔ اس طرح ان کے تعجب میں اور اضافہ ہوگا کہ ہم تو سمجھ رہے تھے یہ وہی پھل ہے لیکن اس کا ذائقہ تو اور ہی نرالا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی:

''والذی نفس محمد بیده ان الرجل من اهل الجنة يتناول الثمرة ليأكلها فما هي واصلة الى فيه حتى يبدل الله تعالى مكانها مثلها'' (2)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے بیشک جنتی آدمی جب ایک مرتبہ کھانے کے لئے پھل حاصل کرے گا تو جب وہ پھل اسکے منہ میں پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ (ان درختوں کے ساتھ ہی) ان کی جگہ اور پھل لگا دے گا۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 14، ص 34
2۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج 1، ص 202

خیال رہے کہ دو قول بنانے کے بجائے یہ تفسیر زیادہ مناسب کہ پہلی مرتبہ پھل دیکھ کر سمجھیں گے یہ دنیا کے پھلوں کی طرح ہیں اور پھر سمجھیں گے کہ یہ تو ابھی جنت میں پہلے حاصل ہو چکے ہیں۔

"هذا الذی رزقنا من قبل" کی تفسیر میں ایک جگہ تحریر ہے "وهو المرزوق فی الدارین" یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں دنیا جنت میں دیا جا چکا ہے۔ دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے "ان المراد من المرزوق فی الدنیا والآخرة" بے شک ان کا یہ کہنا کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دیا گیا۔ اس سے مراد جو رزق دنیا میں اور پھر آخرت (جنت) میں دیا گیا۔ ●

پھل بہت ہوں گے ان میں کوئی کمی نہیں ہوگی:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

(سورۃ زخرف 13:25)

"ان پر سونے کے پیالے اور جام پھرائے جائیں گے اور اس میں جو جی چاہے اور جس سے آنکھ کو لذت پہنچے اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کئے گئے (مالک بنائے گئے ہو) اپنے اعمال سے تمہارے لئے اس میں بہت میوے ہیں کہ ان میں سے کھاؤ۔"

یعنی درخت ثمر آور (پھل دار) سدا بہار ہیں ان کی زیب و زینت میں فرق نہیں آتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی ان سے ایک پھل لے گا تو درخت میں اس کی جگہ دو پھل نمودار ہو جائیں گے۔

خالص لذیز خواہش کے مطابق پھل دیئے جائیں گے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

(سورۃ المرسلات 22:29)

"بیشک متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہیں اور میووں میں جو ان کا جی چاہے۔ حکم ہوگا: کھاؤ، پیو، دل بھاتا۔"

ھـنـیـئـا: لذیذ خالص جس میں ذرا بھی نقص کا شائبہ نہ، جو دل میں رچے، دل کو بھائے۔ اہل جنت ہر قسم کی آسائش اور ناز و نعمت میں آرام کریں گے۔ ان کو ان کی مرضی و خواہش کے مطابق نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ دنیا کی طرح نہیں کہ کبھی کوئی نعمت حاصل کرنے کی تمنا ہو تو وہ میسر نہ ہو۔

خیال رہے کہ یہاں متقین سے مراد مومن لوگ ہیں۔ [ان المتقین من الکفر والتکذیب لوقوعه فی مقابلة المکذبین بیوم الدین فیشمل عصاة المؤمنین] یہ نعمتیں ان لوگوں کو حاصل ہوں گی جو کفر اور قیامت کو جھٹلانے سے

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ، ج1، ص204

ڈرتے رہے کیونکہ اس مقام پر قیامت کے جھٹلانے والوں کے عذاب کے مدمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نعمتیں ان گناہگار مؤمنوں کو بھی حاصل رہیں گی جن کو پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا انبیاء کرام کی شفاعت سے جنت میں داخل فرمادے گا۔

اسی طرح صلحاء شہداء کی شفاعت سے کسی کو جنت میں داخل کردیا جائے۔ وہ گناہگار جو جہنم میں اپنے گناہوں کی سزا کاٹ کر جنت میں داخل ہوں گے، ان کو بھی جنت میں تمام نعمتیں حاصل ہوں گی:

جنتی لوگوں کے قریب پھل خود ہی آئیں گے :

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾
(سورۃ الدہر 19:29)

اور اس (بہشتی درختوں) کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کردیئے ہوں گے۔

یعنی جنتی لوگ جب بھی کسی پھل کی خواہش کریں گے.......... تو ان کو وہی پھل جس کی انہوں نے خواہش کی ہوگی .... درخت خود ان کے قریب ہو کر ان کو عطا کرے گا، اگرچہ تمام پھل ہر وقت قریب ہوں گے۔ کسی کی طلب کے لئے ادھر ادھر بھاگ دوڑ، تلاش کرنے کی ضرورت نہیں آئے گی کہ درختوں پر چڑھ کر ان کے پھل کو توڑا جائے۔

"اي سخرت ثمارها لمتناولها ان كان الانسان قائما تناول الثمر دون كلفة وان كان قاعدا او مضطجعا ولا يرد اليد عنها بعد ولا شوك"

"یعنی ان کے پھلوں کو حاصل کرنے والوں کے تابع کردیا جائے گا۔ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں ہر حال میں بغیر کسی مشقت کے پھل حاصل کرلیں گے۔ ان کے ہاتھ پھلوں سے دور نہیں رہیں گے اور درختوں میں کسی قسم کے کانٹے نہیں ہوں گے جو توڑنے والوں کیلئے رکاوٹ کا سبب بنیں۔"

(اختصر من روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 15 ص 72)

پھل اور پرندوں کا گوشت:

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾
(سورۃ الواقعہ 14:27)

"اور میوے جو پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو چاہیں۔"

یعنی ہر قسم کا پھل وہاں میسر ہوگا۔ انسان جو چاہے گا وہی اعلیٰ اور افضل حالت میں ان کو حاصل ہوجائے گا اور پرندوں کا گوشت بھی حاصل ہوجائے گا۔

"ان الرجل من اهل الجنة يشتهي الطير من طيور الجنة فيقع في يده مقليا نضيجا"

"بے شک جنتی انسان جب پرندوں کے گوشت کو خواہش کرے گا تو جنتی پرندے اس کے ہاتھ میں خود بخود بھونے ہوئے آجائیں گے۔

لیکن خیال رہے جنت کا تمام نظام دنیا کے نظام سے علیحدہ اور عجیب تر ہے۔ پرندوں کا بھونا ہوا دنیا کے پرندوں کے بھونے کی طرح نہیں ہوگا اور وہ کھائے جانے سے ختم نہیں ہوں گے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

" ان الرجل يشتهي الطير في الجنة فيجيء مثل البختي حتي يقع علي خوانه لم يصبه دخان ولم تمسه نار فيأكل منه حتي يشبع ثم يطير الي غير ذالك "

(تفسیر روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج 14، ص 137)

"انسان جنت میں جب پرندوں کے گوشت کی خواہش کرے گا تو وہ خود بخود سفید بختی اونٹوں کی طرح اس کے دستر خوان پر آ جائیں گے (اگر چہ بھونے ہوئے ہوں گے) لیکن ان کو دھوئیں اور آگ نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ یہ اس سے سیر ہو کر کھالیں گے پھر وہ اڑ کر دوسرے آدمی کی طرف چلے جائیں جو ان کی خواہش رکھتا ہوگا۔"

نیک لوگ باغات میں اور عذاب سے محفوظ:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰکِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۱۸﴾

(سورۃ الطور 3:27)

"بے شک پرہیزگار باغوں اور چین میں ہیں اور اپنے رب کی عطاء پر خوش ہوں گے اور انہیں ان کے رب نے آگ کے عذاب سے بچالیا۔"

یعنی نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عذاب سے نجات عطا فرمائے گا کیونکہ انسان کے اعمال میں اتنے عیوب اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں کہ اگر عدل کی بات ہو تو کئی طریقے سے نیک لوگوں کا گرفت میں آنا ہو سکتا ہے۔ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے عذاب سے محفوظ ہوں گے اور باغوں کی سیر کر کے اور نعمتوں کے حصول سے خوش ہوں گے۔

نیک لوگ باغات اور نہروں میں:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ (سورۃ القمر ۲۷:۱۰)

بے شک پرہیزگار باغوں اور نہر میں، سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔

یعنی اللہ کے مقبول بندے جنتوں میں ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ میٹھے پانی، شراب طہور، صاف مصفی شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوں گے۔ اواخر آیات کی رعایت کرتے ہوئے لفظ واحد ذکر کیا گیا (نہر) لیکن مراد انہار ہی ہے۔ (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں نہر ذکر کیا ہے لیکن اس سے مراد بھی ہر نہر ہی ہے مقصد آپ کا بھی نہریں ہی ہے)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" مدح المكان بالصدق فلا يقعد فيه الا اهل الصدق "

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفت صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لئے کہ وہاں اہل صدق کو ہی بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔"

"بانه يبيح عزوجل لهم النظر الى وجهه الكريم" (روح المعانی) یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں، وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقانِ دلفگار کو اذنِ عام ہوگا کہ اے عشق میں میں جلنے والو! اے شوقِ دیدار میں ماہی بے آب کی طرح عمر بھر تڑپنے والو! محبوبِ ازل اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے، آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہدِ رعنا کا دیدار کر لو۔ [1]

جنتی لوگ بول و براز وغیرہ سے محفوظ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اہل جنت اس میں (جنت میں) کھائیں گے، پئیں گے [ولا يتفلون ولا يبولون ولا يتغوطون ولا يمتخطون] انہیں تھوک نہیں آئے گی، پیشاب نہیں آئے گا، پاخانہ نہیں آئے گا، ناک نہیں بہے گا، کھنکھار وغیرہ نہیں آئے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اس کے کھانے کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

"جشاء و رشح كرشح المسك يلهمون التسبيح او التحميد كما تلهمون النفس" (مسلم، مشکوۃ، باب صفۃ الجنۃ، ص 496)

"وہ ڈکار سے ہضم ہوگا اور پسینہ سے وہ پسینہ کستوری کی طرح خوشبو دار ہوگا۔ تسبیح وتحمید ان کو ایسے الہام کی جائے گی جس طرح سانس الہام کیا جاتا ہے۔"

یعنی جنت میں انسان ہر اس چیز سے محفوظ رہے گا جو دنیا میں ناپسندیدہ ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ کھانا، پینا کہاں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ڈکار اور پسینہ سے ختم ہو جائے گا لیکن وہ ڈکار، پسینہ دنیا سے مختلف ہوگا۔

"فجشاء الجنة لايكون مكروها بخلاف جشاء الدنيا" "دنیا کا ڈکار ناپسندیدہ ہے لیکن جنتی ڈکار میں بھی خوشبو اور حسن ہوگا۔"

اور دنیا کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے لیکن جنت کا پسینہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگا۔

"اظهر ان الاكل يتقلب جشاء والشرب يعود رشحا" "ظاہر یہی ہے کہ کھانے کی اشیاء ڈکار سے ہضم ہو جائیں گے اور پینے کی پسینہ کی شکل میں مترشح ہو کر۔"

الہام: "القاء الشىء فى الروع" "انسان کے نفس میں کسی چیز کا القاء کرنا" یعنی مطلب یہ ہے کہ انسان کو جس طرح سانس لینے میں تھکاوٹ اور دشواری نہیں ہوتی، اسی طرح تسبیح وتحمید بھی بغیر تھکاوٹ اور دشواری کے اسے حاصل رہیں گے بلکہ جس طرح سانس انسان سے کسی وقت مکمل رابطہ توڑتا نہیں، اسی طرح جنت میں انسان سے تسبیح وتحمید کا ذکر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ [2]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ ج 5 ص 62

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ، ج 10 ص 325

جنتی لوگوں کا لباس اور سونے کے کنگن:

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

(سورۃ فاطر 16:22)

جنات عدن (بسنے کے باغوں) میں داخل ہوں گے ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہے اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا، بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے۔ وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اتارا اپنے فضل سے، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

" ان عليهم التيجان ادنى لؤلؤة معها لتضيء ما بين المشرق و المغرب "

"بیشک ان (جنتیوں) کو تاج پہنائے جائیں گے جن کا ادنیٰ (سب سے کم درجہ) موتی اتنی چمک رکھتا ہوگا کہ وہ مشرق ومغرب کے درمیان تمام جگہ کو روشن کردے۔"

اور اسی طرح کنگن سونے اور موتی سے بنائے جائیں گے [يرصع الذهب باللؤلؤ كما يرصع بعض الاحجار] سونے کے کنگنوں پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا جیسے کئی پتھری ہیروں کے جڑاؤ سے سونے کو مزین کیا جاتا ہے۔ جنتیوں کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔●

جنتی لوگوں کے سبز کپڑے:

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ .... ﴿۳۱﴾

(سورۃ الکہف 16:15)

وہ اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز کپڑے کریب اور قنادیز کے پہنیں گے۔

جنت میں لوگ شان وشوکت سے ہوں گے۔ جنت کا ہر نظام دنیا کے نظام سے بلند تر ہوگا، اس لئے وہاں کا سونا، چاندی اور موتی صرف نام کے لحاظ پر دنیا کے سونے، چاندی اور موتیوں سے مشابہت ہوگی ورنہ ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ جب کم از کم درجہ کا موتی مشرق ومغرب کے درمیان کو روشن کرسکتا ہے تو اعلیٰ کا مقام کیا ہوگا۔

ہر جنتی کو تین تین کنگن پہنائے جائیں گے۔ سونے اور چاندی اور موتیوں کے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ وضوء کا پانی جہاں جہاں پہنچتا ہے وہ تمام اعضاء بہشتی زیوروں سے آراستہ کئے جائیں گے۔

1۔ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ، ج12، ص199

سندس:

[ھو رقیق الدیباج] "ریشمی کپڑا لیکن ذرا موٹا" اسی طرح سونے کی تاریں جس کپڑے میں استعمال ہوں اسے بھی "استبرق" کہا گیا ہے۔ ریشمی موٹے کپڑے کو "کریب" بھی کہا جاتا ہے۔

کپڑوں کا سبز رنگ اس طرح روشن چمکدار ہوگا جو نظر کو پسند آئے گا بلکہ نظر کی روشنی کی زیادتی کا سبب ہوگا۔ [ان الرجل یکسی فی الساعۃ الواحدۃ سبعین ثوبا] "جنتی شخص کو ایک ایک وقت میں ستر ستر کپڑے دیئے جائیں گے" ایک ایک گھڑی میں وہ لباس تبدیل کرتا رہے گا جو اسے پسند ہوگا وہ پہنے گا۔ ●

جنتی لوگ تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے:

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ (سورۃ الکہف 16:15)

"وہاں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے' کیا ہی اچھا ثواب اور جنت کیا ہی اچھی آرام کی جگہ۔"

ارائک جمع ہے اریکہ کی۔ یہ اس تخت کو کہتے ہیں جس کے اردگرد پالکی بنائی گئی ہو یعنی جس طرح دلہن کی ڈولی ہوتی ہے یا دلہن کے لئے چارپائی پر پالکی بنا کر چارپائی کو سجایا جاتا تھا۔ اسی طرح کے وہ تخت خوبصورت سجائے ہوں گے۔

تخت اونچے ہوں گے:

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ (سورۃ الواقعہ ۲۷:۱٤)

"اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

"ارتفاعھا کما بین السماء و الارض مسیرۃ ما بینھما خمس مائۃ عام ولا یستبعد ذالک فالعالم عالم آخر وراء طور عقلك"

روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج' ص

"ان تختوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کے درمیان بلندی ہے' ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اس جہان کا نظام ہی اور ہے، جو عقل کے ادراک سے ماوراء ہے یعنی سمجھ سے بالاتر ہے۔"

جنت میں بستر ریشمی ہوں گے:

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ .... ﴿۵۴﴾ (سورۃ الرحمٰن 13:27)

"وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔"

1۔ روح المعانی' علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ' ج 8' ج 2' ص 271

عام رواج یہی ہے ''استر'' یعنی نیچے والا کپڑا بنسبت ''ابری'' یعنی اوپر والے کپڑے سے گھٹیا ہوتا ہے کوٹ، لحاف، رضائی وغیرہ میں اسی چیز کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جب جنتی بستروں کا استر ریشمی استبرق کا ہوگا تو اوپر والے حصہ کا کیا مقام ہوگا؟

سبز خوبصورت آرام دہ مسند ہوگی:

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ (سورۃ الرحمٰن 13:27)

''وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس بہت خوبصورت ہوگی۔''

''رفرف'' کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں: سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے'' الرف ضرب من بسط وقبل الوسائد ''اور علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں: ایک معنی یہ بھی لکھا ہے:

'' قد قیل ان الرفاف شیء اذا استوی علیه صاحبه رفرف به واھو ی به کالمرجاح یمینا و شمالا و رفعا خفضا یتلذذ مع انیسته ''

'' رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس و ہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔

لطف و مسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عبقری: ''ثیاب منقوشة تبسط '''' پھلدار نقش و نگار والا قالین۔'' ایسا خود ہی خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورت اور نفاست کا اندازہ اس سے لگائے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے ''حسان'' ...... بہت خوبصورت ...... فرما رہا ہے۔ [1]

جنتی انعام پر خوش ہوں گے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾ (سورۃ الغاشیہ 13:30)

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے، عالی شان جنت میں، نہ سنیں گے وہاں کوئی لغویات، اس میں چشمہ جاری ہوگا، اس میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔

ناعمہ: تروتازہ جن پر نعمت وراحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ ''لسعیھا'' جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے۔ ان کی جگر سوزیوں، عرق ریزیوں اور جدوجہد کے عوض جو انعامات انہیں ملیں گے، انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج 5، ص 82

رہے گی۔ فردوس بریں میں یہ قامت گزیں ہوں گے۔ کوئی ایسی بات یہ نہ سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہر طرف بہہ رہے ہوں گے۔ جگہ جگہ ان کے اونچے اونچے پلنگ بچھے ہوں گے، بڑے قرینے (سلیقے) سے ساغر اور بلوریں جام رکھے ہوں گے۔

نمارق جمع ہے اس کا واحد نمرقہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے تکیے اور وہ گدیلے جو کجاوے (پالان) کے اوپر ڈالے جاتے ہیں ان کو بھی "نمارق" کہتے ہیں۔ زرابی اس کا واحد "زربیہ" ہے قالین، چاندنی جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان مہمانوں کی جنت میں جو خاطر و مدارات ہوگی، ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کیے جائیں گے۔ انہیں جو شرف پذیرائی بخشا جائے گا، ان کا دلنواز تذکرہ آپ نے سنا جو لوگ ان وعدوں کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں انہیں سب کچھ چھوڑ کر بلکہ جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا پڑے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ [1]

نبی کریم ﷺ کا رو رو کر دعا کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نازل شدہ اللہ تعالیٰ کے قول (آیہ کریمہ) کو تلاوت کیا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

(سورۃ ابراہیم 18:13)

"اے میرے رب! بیشک ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جس شخص نے میری تابعداری کی بیشک وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی بیشک تو ہی بخشنے والا رحم کرنے والا۔"

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا [اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ] اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور روتے ہوئے عرض کیا [اللهم امتی امتی] اے اللہ! میری امت (اس کو بخش دے میری امت کا مجھے غم نہ دینا) اللہ تعالیٰ نے کہا: اے جبرئیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب جانتا ہے۔ (وربك اعلم جملہ معترضہ ہے) ان سے پوچھو: تمہیں کس نے چیز نے رلایا ہے؟

جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ سے سوال کیا: رسول اللہ ﷺ نے جو عرض کیا تھا [اللهم امتی امتی] اس کے متعلق خبر دی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد ﷺ سے جا کر کہو: [انا سنرضيك في امتك ولا نسوءك] "ہم تمہیں امت کے بارے میں راضی کریں گے، کوئی غم نہیں پہنچائیں گے۔" [2]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 5، ص 550

2۔ مسلم شریف، بحوالہ باب الحوض والشفاعۃ ج 2 ص 489

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس حدیث پاک سے یہ فوائد حاصل ہوئے:

①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر کامل شفقت حاصل ہے۔ آپ اپنی امت کی بہتری اور ان کے تمام بھلائی کے امور کا اہتمام فرماتے ہیں۔

②: اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو راضی کرنے اور امت کا غم نہ پہنچانے کا آپ سے وعدہ فرمانا یہ آپ کی امت کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

③: اللہ تعالیٰ کے حضور بنسبت باقی انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مرتبہ ہے۔ جبرائیل امین کو آپ کے پاس بھیج کر سوال کرنے میں بھی یہی حکمت ہے کہ آپ کے مرتبہ کو واضح کرنا مقصود تھا کہ تمام کو آپ کی فضیلت، برتری کا علم ہو جائے۔[1]

④: اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ باقی انبیاء کرام نے گناہ گاروں کو رب کے سپرد کیا کہ اللہ وہ تیرے ہیں تو ہی ان سے اپنی مرضی کے مطابق سلوک فرما لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے اللہ! ہیں تو گناہگار لیکن جب میرے امتی ہیں تو وہ میرے ہی ہیں، ان پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب انداز:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) جہنم پر پل بچھایا جائے گا۔ تمام رسولوں سے پہلے میں اپنی امت کو اس سے گزاروں گا۔ اس دن سوائے رسولوں کے کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اس دن رسولوں کا کلام ہوگا [اللھم سلم سلم] اے اللہ! سلامتی سے (ہماری امتوں کو) گزار دے۔ اور جہنم میں آگے سے ٹیڑھی کی ہوئی لوہے کی سلاخیں اس طرح ہوں گی جس طرح سعدان پودے کے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ سلاخیں کتنی بڑی ہوں گی ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا ہے۔ ان سے لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق کھینچا جائے گا۔ بعض لوگ ہلاک ہو جائیں گے (کافر ہلاک ہو جائیں گے) اور بعض کو گرا دیا جائے گا اور بعد میں ان کو نجات دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما کر فارغ ہو جائے گا تو کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالنے کا ارادہ فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے یہ شہادت دی ہوگی اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی، ان کو نکال لو۔ فرشتے ان کو نکال لیں گے، اور سجدہ کی علامات (چہرے پر نورانیت) سے انہیں پہچان لیں گے اللہ تعالیٰ آگ ان پر حرام کر دے گا کہ وہ جن (اعضاء) پر سجدہ کے اثرات ہیں ان کو کھائے۔ تمام

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص286

انسانوں کو آگ کھا جائے گی سوائے ان کے جن پر سجدہ کے علامات ہوں گی۔ جب ان کو آگ سے نکالا جائے گا تو وہ آگ سے جل چکے ہوں گے۔ ان پر آبِ حیات ڈالا جائے گا وہ اسی طرح صحیح وسلامت ہو جائیں گے جس طرح بہتے پانی پر دانہ کھل رہا ہوتا ہے۔

ایک آدمی جنت اور دوزخ کے درمیان باقی رہ جائے گا۔ یہ سب دوزخیوں میں سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۔ اس کا چہرا ابھی تک آگ کی طرف ہوگا۔ یہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے چہرے کو آگ سے پھیر لے، مجھے اس کی گرم لو ہلاک کر رہی ہے اور اس کے شعلوں نے مجھے جلا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ایسا کر دوں تو ہو سکتا ہے تو اور سوال کرنا شروع کر دے۔ تو وہ کہے گا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم۔ میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور تقدیر کے مطابق اسے یہ عطا کر دے گا (اس کی دعاء قبول کرلے گا) اس کے چہرے کو آگ سے پھیر دے گا، تو اتنی دیر خاموش رہے گا جتنی اللہ تعالیٰ اس کے خاموش رہنے کو چاہے گا۔

پھر کہے گا: اے اللہ! مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا؟ کہ میرا یہ سوال پورا کر دے تو میں کچھ نہیں مانگوں گا۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب (تیری مہربانی)! مجھے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ بدبخت نہ بنا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا: اگر میں نے تیرا یہ مطالبہ پورا کر دیا تو ہو سکتا ہے تو اور کوئی سوال کرنا نہ شروع کر دے۔ وہ کہے گا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم اور تو کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے خود ہی پسند فرمایا، اسے جنت کے دروازے کے پاس جانے کی اجازت فرما دے گا۔ وہ شخص دروازہ پر پہنچ کر جنت کی عیش وعشرت ، رونق، حسن وجمال اور جنت کے محلات، حور وغلمان دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کچھ دیر خاموش رہے گا۔

پھر عرض کرے گا: اے اللہ! مجھے جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھ پر بہت تعجب ہے تو کتنا ہی وعدہ خلاف ہے۔ کیا میں نے تیرے سارے وعدے پورے نہیں کر دیئے؟ کیا میں نے تیرے سوالوں کے مطابق تجھے عطا نہ کر دیا۔ تیرا وعدہ بھی تھا کہ یہ مجھے دے دے میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب (میرے حال پر رحم فرما)! مجھے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ بدبخت (بدنصیب) نہ بنا۔ وہ اسی طرح سوال کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جائے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت فرما دے گا۔

پھر وہ شخص اسی طرح تمنا کرتا رہے گا اور نعمتوں کا سوال کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام خواہشات کو پورا فرما دے گا۔ بلکہ اس کے سوالات کے مطابق اسے انعامات سے نواز کر پھر اپنی مہربانی اور فضل وکرم سے اسے اس کی تمنا کے مطابق اتنی مقدار میں اور مزید انعامات عطا فرما دے گا۔ [1]

1۔ مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ ج 2 ص 490

جنت میں سب سے عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ جنت والوں کو کہے گا: اے جنت والو! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب "لبیک وسعدیک" (ہم تیری خدمت میں بار بار حاضر ہیں) رب تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ راضی ہوں؟ تحقیق تو نے ہمیں وہ (نعمتیں) عطا کی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی ہیں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ [الا اعطیکم افضل من ذالك] کیا میں تمہیں اس سے افضل عطاء نہ کروں۔ وہ کہیں گے: اے رب [و ای شیء افضل من ذالك] اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدا" (1) میں تمہیں اپنی رضاء مندی عطا کرتا ہوں، اس کے بعد میں تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔"

یعنی تمہیں ہمیشہ میری رضاء مندی حاصل رہے گی۔ اس لئے کہ ضروری نہیں کہ کثرت عطاء سے رضاء بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے بھی یہی حاصل ہو رہا ہے کہ تمام نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی رضاء "اعلیٰ نعمت" ہے:

"وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ" (سورۃ التوبہ 10:15)

"اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں رواں (جاری ہیں) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں (وعدہ فرمایا ہے) اور اللہ کی رضاء سب سے بڑی (نعمت ہے)۔

چونکہ ہر کامیابی اور سعادت کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضاء ہے۔ جنتی لوگ اللہ کی رضاء کی وجہ سے ہی اس کی تعظیم و کرامت کو حاصل کریں گے اور ہر قسم کے ثواب سے بڑھ کر اللہ کی کرامت کا حصول ہے۔

"لان العبد اذا علم ان مولاہ راض عنه فھو اکبر فی نفسه مما ورائه من النعم" اس لئے کہ جب انسان کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے تو وہ اپنے دل میں سب نعمتوں سے بڑھ کر یہی نعمت سمجھتا ہے۔

اپنے مولیٰ کی رضاء مندی پر انسان خوش ہوتا ہے جس طرح اس کی ناراضگی پر انسان ہر چیز کو گھٹیا سمجھتا ہے۔ بڑی سے بڑی نعمتیں بھی انسان کو حاصل ہو جائیں لیکن مولیٰ راضی نہ ہو تو انسان کو لذت نہیں ہوتی۔ (2)

یہی وجہ ہے کہ محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے سب سے بڑی نعمت اپنے آقا و مولیٰ حبیب خدا کی رضاء اور نظر عنایت

1۔ بخاری، مسلم، مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ ج2، ص496

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج10 ص326

کو سمجھتا ہے کیونکہ رضائے مصطفیٰ ﷺ ہی رضائے خدا کا ذریعہ ہے۔

محمد ﷺ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں اگر ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

سب سے بڑی کرامت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے:

"اکبر اصناف الکرامۃ رؤیۃ اللہ تعالیٰ" "اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [انکم سترون ربکم عیانا] بے شک تم اپنے رب تعالیٰ کو ظاہر ظاہر دیکھو گے تو پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (سورۃ القیامۃ 17:20) "کئی چہرے اس روز تر وتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

سعادت مند لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو ساری عمر اپنے ربِ کریم کی محبت اور یاد میں سرشار رہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے محبوبِ کریم ﷺ کے عشق سے رنگین رہا اور ان کا ایک سانس اس کے لائے ہوئے دینِ حنیف کی سربلندی کے لئے وقف رہا۔ فرمایا: کئی ایسے چہرے ہوں گے جن کے حسن و جمال ترو تازگی و شگفتگی کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ وہ اپنے رب کے مشاہدہ و دیدار میں مستغرق ہو جائیں گے۔

اہل سنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے لیکن معتزلہ اور خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: رؤیت (دیکھنے) کیلئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ذاتِ باری تعالیٰ ان سے مبرا (پاک) ہے۔ اس لئے رؤیت کا تحقق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں: رؤیت کیلئے دیکھنے والے کا بینا ہونا، جس کو دیکھا جا رہا ہے، اس کا محسوس ہونا، کسی جہت میں پایا جانا، نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دور ہونا...... ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے، محسوس ہونے سے، دوری اور نزدیکی سے پاک ہے تو اس کی رؤیت کیسے متحقق ہو سکتی ہے؟

اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم "عالمِ آخرت" کے حقائق کو "عالمِ دنیا" پر قیاس کر رہے ہو، جو سراسر نادانی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ رؤیت متحقق ہوگی اور ان شرائط کے پائے جانے کے بغیر متحقق ہوگی۔ کیف، جہت اور ثبوتِ مسافت کے تکلفات کے بغیر آنکھیں ربِ کریم کا دیدار کریں گے۔ نیز کثیر احادیث سے............ جو مجموعی طور پر حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں .... رؤیتِ خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے؟

صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث ہے جو جریر البجلی سے منقول ہے:

"قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذا نظر الی القمر لیلة البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیة"

"ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک حضور نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہاری نظر نہیں چندھائے گی۔"

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور ﷺ یہ دعاء مانگا کرتے تھے:

"اللھم انی اسألك برد العیش بعد الموت و لذة النظر علی وجھك والشوق الی لقاء ك"[1]

"الٰہی! میں تجھ سے موت کے بعد آرام دہ زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ مجھے اپنے رخ انور کو دیکھنے کی لذت عطا فرما اور اپنی ملاقات کا شوق بخش۔"

جنتی اور دوزخی لوگ اور مقام اعراف:

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰىهُمۡ ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰىهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا

"جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے رب نے کیا تھا۔ تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ تمہارے ساتھ کیا تھا؟ کہیں گے: ہاں! اسی دوران ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس سے کجی (ٹیڑھا راستہ) چاہتے تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے اور جنت و دوزخ کے درمیان میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے۔ کہ دونوں فریقوں کو ان کی پیشانیوں سے پہچانیں گے اور وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر، یہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور اس کی طمع رکھتے ہوں گے اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیریں گے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے۔ جنہیں ان کی پیشانی سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے تمہیں کیا کام آیا تمہارا جمع

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج5، ص434

وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا‌ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾

(سورۃ الاعراف 13:8)

ہونا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے۔کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا،ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو اندیشہ نہ کچھ غم اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے پانی سے کچھ فیض دو، یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا۔کہیں گے:بیشک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکا دیا۔تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

" و الغرض من هذا السوال اظهار انه وصل الى السعادات الكاملة وايقاع الحزن فى قلب العدو "

(تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 13، ص 83)

" جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان اس مکالمہ کا مقصد یہ ہوگا کہ یہ ظاہر کیا جائے کی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نیک لوگوں نے کامل اجر وثواب نیک بختی کو حاصل کرلیا ہے اور دشمن کے دل میں غم لاحق کرنا مقصود ہوگا،ان کو ندامت دلانی مقصود ہوگی۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنت آسمان کی بلندیوں پر اور جہنم زمین کی پستیوں میں تو اتنی بڑی دوری پائے جانے کے باوجود ایک دوسرے سے کیسے کلام کریں گے۔اس کو جواب دیتے ہوئے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" عندنا البعد الشديد او القرب الشديد ليس من موانع الادراك " (تفسیر کبیر)

" ہمارے نزدیک بعد شدید (بہت دوری) یا قرب شدید (بہت نزدیکی) سننے سے مانع نہیں۔"

اس سے آگے مزید فرماتے ہیں:ہمارے علماء کے نزدیک [فی الصوت خاصية ان البعد فيه وحده لايكون مانعا من السماع] آواز میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس میں صرف دوری سننے سے مانع نہیں۔[1]

یعنی اس کی لہریں ہوا میں پھیل جاتی ہیں ان کو آلات کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا جائے۔جیسے ریڈیو وغیرہ یا نبی کے اعجاز ولی کی کرامت اور رب کی قدرت سے دور سے سن لیا جائے یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کی آواز ایک دوسرے تک پہنچا دے گا۔

وبینهما حجاب : جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہوگا:

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 12 ص 83

" وهذا الحجاب هو المشهور المذكور في قوله فضرب بينهم بسور له باب" (تفسیر کبیر)

" یہ وہی حجاب ہے جس کو رب تعالیٰ نے دوسرے مقام پر "سور" فرمایا ہے یعنی ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی جس میں دروازہ ہوگا۔"

اعراف: جمع ہے عرف کی جس کا معنی بلند مقام۔ اسی وجہ سے گھوڑے کی پیشانی کے بالوں اور مرغ کی کلغی کو بھی عرف کہا گیا ہے۔

"ان المراد من الاعراف اعالي ذالك السور المضروب بين الجنة و النار"

"جنت ودوزخ کے درمیان دیوار کے اوپر کا حصہ اعراف کہلاتا ہے یعنی دیوار کی چوٹی۔"

اعراف پر وہ لوگ ہوں گے [انهم قوم تساوت حسناتهم و سيئاتهم] جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ۔ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

اس صورت میں "یطمعون" کا معنی طمع کرنا ہی ہوگا کہ وہ اگرچہ جنت میں تو نہیں لیکن جنت میں داخل ہونے کی فکر ان کو لاحق ہے۔ وہ چاہتے ہوں گے کہ ہمیں بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ترجمہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک یہی قول معتبر ہے۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ اعراف پر انبیاء کرام اور شہدائے کرام کو جلوہ گر کیا جائے گا [اظهارا لشرفهم و علو مرتبتهم] تا کہ ان کی بزرگی اور بلندی مرتبہ جنت والوں اور جہنم والوں پر ظاہر ہو جائے تو اس صورت میں "یطمعون" کا ترجمہ یقین کرنا ہوگا۔ [وهم يطمعون فالمراد من هذا الطمع اليقين] اب مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے کرام اور شہدائے کرام مقامِ اعراف کی چوٹی پر اظہار مرتبت کیلئے جلوہ گر ہوں گے۔ وہ یقین رکھتے ہوں گے ہمارا یہ مقام بھی عظمت کے اظہار کے لئے ہے اور جنت میں ہمارا مقام عظیم ہے۔ اس اسٹیج سے اتر کر جنت کے اعلیٰ مقامات میں ہی ہم نے ہمیشہ رہنا ہے۔[1]

❁ ✻✻✻ ❁ ✻✻✻ ❁

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 13، ص 86

باب ہشتم

تذکرہ احوالِ جہنم

فصل اوّل

طبقاتِ جہنم

جہنم کے سات طبقات کا ذکر قرآن پاک میں ہے، ان کے نام یہ ہیں:

① سعیر ② جحیم ③ ہاویہ ④ جہنم
⑤ لظی ⑥ حطمہ ⑦ سقر

سعیر:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ (سورۃ ۳۵:۶) ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔''

[سَعِیْر] سَعْرٌ سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے: بھڑکنا، شعلے مارنا۔ لغوی معنی کے لحاظ سے ہر بھڑکتی ہوئی آگ کو ''سعیر'' کہا جاتا لیکن اصطلاح میں جہنم کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے۔ کبھی کبھی عام معنی بھی لیا جاتا ہے یعنی اس کا معنی فقط دوزخ ہوتا ہے خواہ کوئی طبقہ بھی ہو۔

جحیم:

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۰﴾ (سورۃ المائدہ 5:10) ''اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں۔''

'' اصحاب الجحیم ای ملابسو النار الشدیدۃ التاججھ ملابسۃ مؤبدۃ '' (تفسیر روح المعانی، ج8، ص84) ''دوزخ والے یعنی وہ ہمیشہ بھڑکتی ہوئی آگ میں رہیں گے۔''

یعنی جحیم کا لغوی معنی شدید بھڑکتی ہوئی آگ ہے لیکن یہ بھی دوزخ کے ایک خاص طبقہ کا نام ہے اور کبھی مطلقاً بمعنی دوزخ کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ہاویہ:

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿٨﴾ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿٩﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ﴿١٠﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿١١﴾

(سورۃ القارعہ 27:30)

اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور آپ کو کیا معلوم ہے وہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ۔

"ان الھاویۃ من السماء النار و کانھا النار العمیقۃ یھوی اھل النار فیھا مھوی بعیدا"

ہاویہ جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقہ کا نام ہے، گویا وہ ایک بہت گہرے طبقہ کا نام جس میں دوزخیوں کو بڑی بلندی سے نیچے دھڑام سے گرادیا جائے گا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ماں کی گود معنی ہے [فامہ ھاویہ] کا۔ [التشبیہ بالام التی لا یقع الفزع من الولد الا الیھا] کو ماں سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح بچہ گھبراہٹ و پریشانی میں صرف ماں کی طرف ہی لپکتا ہے، اسی طرح نیکیوں کے پلڑے کے ہلکا ہونے والے کو لازماً ہاویہ کی طرف ہو جانا ہوگا۔ [1]

اس لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے "وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے۔" [2]

نارٌ حامیہ:

والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیہ

(تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 32، ص 84)

ہاویہ کو نار حامیہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ اتنی شدید بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی گویا کہ اس کی بنسبت دوسری تمام آگیں اتنی گرم نہیں ہوں گی۔

جہنم:

دوزخ کے ایک طبقہ کا نام جہنم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾

(سورۃ البقرۃ 9:2)

اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر! تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ اسے دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔

جہنم یا تو عربی لفظ ہے اصل میں جہنام تھا بمعنی گہرا غار، یا عجمی لفظ ہے اصل میں چاہ نم تھا بمعنی بہت گہرا کنواں چونکہ

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 32، ص 83

2۔ ترجمہ کنز الایمان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ سورۃ قارعہ آیت 9 پ 30

دوزخ بھی بہت گہرا ہے اس لئے جہنم کہلایا جاتا ہے۔ (1)

روح المعانی نے کہا ہے کہ اس کی اصل "جہم" بمعنی برا جاننا اور سخت ہونا۔ نون کی زیادتی کی گئی۔ اس لحاظ سے معنی ہوگا برا جاننا اور سخت ہونا۔ (2)

لظی:

"اِنَّھَا لَظٰی" (سورۃ المعارج 7:29) بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی۔

اسی مقام پر [یوم تکون السماء کالمھل] سے لے کر [و جمع فاوعی] تک ترجمہ کی طرف توجہ کریں:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ⑫ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ⑬ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ⑭ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ⑮ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ⑯ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱ (سورۃ المعارج 7:29)

"اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی گہرا دوست کسی گہرے دوست کا حال نہیں پوچھے گا۔ حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! وہ بطور فدیہ دے دے آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی اپنے بھائی کو، اپنے بھائی اپنے خاندان کو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور (بس چلے) تو جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو۔ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچالے (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی، نوچ لے گی گوشت پوست کو وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال کر رکھتا رہا۔

لظی من اسماء النار قال اللیث اللظی اللھب الخالص "لظی: جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے لغوی معنی لیث نے بیان کیا ہے کہ خالص آگ کے شعلہ اور بھڑکنے کو کہتے ہیں۔ یعنی اتنی شدید آگ ہوگی جو چمڑی کو بھون کر رکھ دی گی۔ سخت جلانے اور بھون دینے سے چمڑی پگھل کر ادھر جائے گی۔ [فلا تترك لحما ولا جلدا الا احرقته] وہ اپنی شدید آگ ہوگی کہ چمڑے اور گوشت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی بلکہ تمام کو جلا دے گی۔ (3)

حطمہ:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 5، ص 215

2۔ تفسیر نعیمی، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 2 ص 305

3۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 30، ص 127

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

(سورہ الہمزہ 30:30)

پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنادیا، ہرگز نہیں! وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے اور تم کیا جانو حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کردی جائے گی۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے۔

"حطمہ" حطم سے ہے۔ اس کا لغوی معنی توڑ ڈالنا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا: "ہرگز نہیں ضرور روندنے والی میں پھینکا جائے گا، تو نے کیا جانا، کیا روندنے والی؟ [1]

یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی، آنِ واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی، اس کے پرزے اڑا دے گی۔

اس حطمہ کی مزید تشریح (رب تعالیٰ نے خود ہی) کردی یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلا دیا ہے، جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی کبھی نہیں بجھے گی، جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی، اس کی سوزش اور پیس سے دل بھن کر کباب بن جائیں گے۔

ان ناہنجاروں کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفل کردیئے جائیں گے، نہ انہیں کوئی کھول سکے گا اور نہ اس عذابِ الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت ہوگی۔ اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے نہ وہ بجھیں گے اور نہ ان کے درد والم میں کوئی تخفیف ہوگی۔ [2]

سقر:

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝۲۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝۲۷

(سورۃ المدثر 15:29)

عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا اور تو کیا سمجھے جہنم کیا ہے؟

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ کچھ آیات ماقبل اور مابعد کا ترجمہ و تشریح کو مدنظر رکھا جائے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا کفار پر

1- ترجمہ کنز الایمان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ سورۃ الہمزہ پ 30

2- تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 5 ص 657 تا 659

اَلْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ⑪ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ⑬ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ⑭ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ⑯ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ⑰ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ⑱ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑲ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑳ ثُمَّ نَظَرَ ㉑ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ㉒ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ㉓ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ㉔ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ㉕ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ㉖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ㉗ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ㉘ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ㉙

(سورۃ المدثر 15:29)

آسان نہ ہوگا آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان، پھر طمع کرتا ہے میں اسے مزید عطا کروں ۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے ۔ میں اسے مجبور کروں گا وہ کٹھن چڑھائی چڑھا جائے، اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کرلی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طرح کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا، پھر بولا: یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام ۔ عنقریب میں اسے (سقر) جہنم میں جھونکوں گا اور تو کیا سمجھے (سقر) جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۔ جھلسا دینے والی ہے آدمی کی کھال کو۔

شانِ نزول:

نبی کریم ﷺ کو اعلانِ نبوت فرماتے چند ہ ماہ گذرے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ اہلِ مکہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ باہر سے مختلف شہروں سے آنے والوں کو کیسے اس شخص کی تردید کر کے ایمان سے روکا جا سکتا ہے۔ اس لئے ایک میٹنگ بلانے کا فیصلہ ہوا۔ دارالندوہ (آج کل یہ جگہ مسجد حرام کا حصہ بن چکی ہے، باب عبدالعزیز کے قریب یہ جگہ تھی) میں سب جمع ہوئے۔

ولید نے میٹنگ کے اغراض و مقاصد بیان کئے کہ ہمیں ایک بات پر متفق ہونا چاہیے تاکہ باہر سے آنے والوں کو ایک ہی جواب دیا جا سکے یہ شخص کیسا ہے؟ کسی نے کہا: ''کاہن'' کہنا چاہیے۔ ولید نے کہا: نہیں! کاہن نہیں کہہ سکتے۔ کاہن کے بے ربط کلام اور قرآن میں بہت بڑا فرق ہے۔ پھر کسی نے تجویز پیش کی شاعر کہنا چاہیے لیکن ولید نے اسے بھی رد کر دیا اور کہا کہ قرآن کی کسی آیت میں شعر کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے شاعر بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیا ہم نے کاہن یا شاعر کہہ کر اپنا مذاق تو نہیں اڑوانا۔ پھر کسی نے کہا کہ ساحر کہہ لیا جائے۔ ولید نے کہا: حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے کلام کو سحر سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اس نے جو کلام پیش کیا ہے وہ تو بڑا میٹھا اور دلوں پر اثر کرنے والا کلام ہے۔

لوگوں نے کہا: ولید اپنے آبائی دین (بت پرستی) سے پھر گیا ہے۔ ابو جہل نے مکاری اور فریب کاری سے اسے ایمان

کی طرف نہ آنے دیا۔ ابوجہل غمزدہ ہو کر افسردہ شکل بنا کر ولید کے پاس آیا اور کہنے لگا: لوگ تمہارے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں کہ ولید بھوکا ہو گیا ہے اس لئے محمد (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی طرف راغب ہو گیا ہے۔ لوگ تمہاری تذلیل کر رہے ہیں اس لئے مجھے بہت پریشانی ہے۔

ولید فوراً طیش میں آ کر کہنے لگے۔ لات وعزی کی قسم! میرے جیسا رئیس اعظم محمد و ابوبکر کا محتاج نہیں ہو سکتا لیکن اس کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو، وہ الفاظ بے ہودہ ہیں۔ پھر خود ہی غور کرنے لگا اور کچھ نہ بن سکا تو وہ لفظ جو پہلے خود رد کر چکا تھا، اب ضمیر کے ملامت کرنے کے باوجود منتخب کر رہا تھا۔ اس نے کہا: چلو! پھر ساحر کہہ لیتے ہیں کیونکہ اس شخص نے خاندانوں کو تقسیم کر دیا ہے، یہ کام جادوگر ہی کر سکتا ہے۔

رب تعالیٰ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے سقر میں ڈال دیا جائے گا۔ سقر جہنم کے اس طبقے کا نام ہے جس کی آگ انسان کی کھال کو جھلسا کر رکھ دے گی، جلا کر خاکستر بنا دے گی لیکن اس شخص کو پھر زندہ کر کے یہی عذاب دیا جائے گا۔ اس طرح اس سے یہ سلوک ہمیشہ ہی کیا جاتا رہے گا۔ نہ وہ زندہ رہے اور نہ مر کر فنا ہو گا بلکہ زندہ ہوتا رہے گا مرتا رہے گا' جلتا رہے گا۔[1]

جہنمیوں کا حسرت کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت والوں کو جنت میں نہیں داخل کیا جائے گا مگر ان کو جہنم میں ان کا مکان دکھایا جائے گا۔ اگر وہ برے اعمال کرتے تاکہ وہ زیادہ شکریہ ادا کریں۔

"ولا یدخل النار احد الا اری مقعدہ من الجنۃ لو احسن لیکون علیہ حسرۃ"

(بخاری، مشکوۃ باب الحوض والشفاعۃ، ص 493)

"کسی کو بھی آگ میں نہیں ڈالا جائے گا مگر یہ کہ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے اگر اچھے عمل کرتا تاکہ اس کی حسرت وندامت اور بڑھ جائے۔"

یعنی ہر انسان کے اللہ تعالیٰ نے دو مقام بنائے ہیں: ایک جنت میں اور دوسرا جہنم میں۔ جنتی شخص سے اگر بالفرض برے اعمال سرزد ہوتے تو اسے جہنم والا مقام ملتا۔ وہ مکان بھی اسے دکھایا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکریہ ادا کرے کہ اس کے فضل وکرم سے میں جہنم سے محفوظ رہا۔ جہنمی کو جنت والا مکان دکھایا جائے گا کہ اگر تم اچھے عمل کرتے تو تمہارا وہ مقام ہوتا ہے۔ اس طرح وہ زیادہ نادم ہو گا اور کہے گا کاش! میں نے دنیا میں اچھے عمل کیے ہوتے تو آج جنت کے مقام کا مستحق ہوتا لیکن اس وقت اس کا پچھتانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔[2]

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ، ج 5 ص 421

2۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ، ج 10 ص 303

فصل دوم

آگ کے عذاب

کھال جل جائے گی، پھر عطا ہوگی، عذاب ہوتا رہے گا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

(سورۃ النساء 5:5)

بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے۔ جب کبھی ان کی کھالیں جل کر کوئلہ ہو جائیں گی ہم انہیں ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے، کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اگر چہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر آگ میں ڈالنے کے ان کو شدید عذاب دیتا اور سخت درد پہنچاتا لیکن آگ میں داخل کر کے عذاب دینے کی حکمت کو وہ خود ہی جانتا ہے کیونکہ اس سے یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کیوں کرتا ہے اور یہ کیوں نہیں کرتا؟

ان کے چمڑے بدل دینے کا یہ مطلب ہے کہ پہلے چمڑے جب جل جائیں گے پھر ان کو ہی نئی حالت میں کر دیا جائے گا۔ کوئی ازسرنو چمڑے نہیں عطا ہوں گے تاکہ جس نے گناہ نہیں کیا، اسے عذاب دینا نہ لازم آئے۔ [1]

منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینکا جائے گا:

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

(سورۃ القمر 10:27)

"بیشک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں، جس دن آگ میں اپنے مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے، اور فرمایا جائے گا: چکھو! دوزخ کی آنچ۔"

ضلال: ہلاک ہونا، راہ حق سے بھٹکنا یعنی گمراہ ہونا۔ "سعر" بھڑکنے والی آگ، نقصان اٹھانا، دیوانہ ہونا، ذلیل و رسوا

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 10، ص 135

کیا جائے گا۔

مونہوں کے بل گھسیٹ کر ان کو پھینکنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح مردار کو گھٹیا چیز سمجھ کر پھینکا جاتا ہے، ایسے ہی مجرمین سے بھی سلوک کیا جائے گا۔ پھر آگ کی تپش اور جلن ان کو ہمیشہ ہی لاحق رہے گی۔ زندگی ختم ہونی نہیں کہ عذاب ختم ہو جائے۔ ❶

کافر دوزخیوں کا جنت میں داخل ہونا محال ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

(سورۃ المائدہ 12:8)

وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور انکے مقابل تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں ہوں گے جب تک کہ سوئی کے ناک میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے اور ہم مجرموں کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

یعنی جس طرح سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ کا داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار مجرمین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ کفار مجرمین کے اعمال اور ارواح دونوں ہی خبیث ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور مومنین کی ارواح کے لئے کھولے جاتے ہیں۔

ابن جریج رضی اللہ عنہ نے کہا: آسمان کے دروازے نہ کافروں کے اعمال کے لئے کھولے جاتے ہیں اور نہ ارواح کیلئے۔ یعنی زندگی میں ان کے اعمال آسمانوں پر نہیں جا سکتے اور موت کے بعد ان کی روحیں نہیں جا سکیں گی۔ ❷

جہنمیوں کیلئے آگ اوڑھنا بچھونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نارکم جزء من سبعین جزاء من نار جهنم] ''تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔'' ❸

دنیا کی آگ جب انسان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے تو جہنم کی آگ جو ستر گنا زائد ہو گی، اس کا کتنا ہی خوفناک عذاب اور درد والم ہو گا۔

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ج 29، ص 69

2۔ تفسیر خزائن العرفان، نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، پارہ 8، رکوع 12

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، تبریزی رحمہ اللہ، باب صفۃ النار، ج 2، ص 502

جہنم کا سب سے کم عذاب:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دوزخیوں میں جس شخص کو سب سے کم عذاب دیا جائے گا، اس کے جوتے اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے [یغلي منهما دماغه كما يغلي المرجل] ان سے اس شخص کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح دیگ / ہنڈیا کھولتی ہے۔ جب یہ عذاب کم از کم ہوگا تو عظیم عذاب کتنا ہی زیادہ شدید ہوگا، رب تعالیٰ ہی اس کی حقیقت ونوعیت وکیفیت کو بہتر جانتا ہے۔ (1)

آگ کا ٹخنوں اور سینوں کو گرفت میں لینا:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جہنمیوں سے بعض لوگ وہ ہوں گے" تاخذه النار الى كعبيه " جنہیں آگ ان کے ٹخنوں تک گرفت میں لے گی اور بعض وہ ہوں گے جن کو آگ "الى ركبتيه" گھٹنوں تک اپنی گرفت میں لے گی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں " الى حجزته "ازار بند کی جگہ تک یعنی کمر کے قریب تک آگ اپنی گرفت میں لے گی۔ اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کو "الى ترقوته " آگ ہسلیوں تک یعنی سینہ تک پہنچے گی۔ (2)

مگر مسلمان جب اپنے گناہوں کی سزا مکمل کر کے جہنم سے نکالا جائے گا تو ایسے محسوس ہوگا کہ اسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو درست فرمادے گا۔ تاکہ یہ رسوانہ ہوں۔ (3)

جہنم میں آگ کا پہاڑ:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"الصعود جبل من نار يتصعد فيه سبعين خريفا و يهوى به كذالك فيه ابدا" (ترمذی، مشکوۃ باب صفۃ النار، ج 2، ص 503)

''جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر چڑھنے کی ستر سال کی راہ ہے' اسی طرح اس سے اترنے میں اتنا وقفہ ہی درکار ہے' کافر کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جاتی رہے گی۔''

جیسا کہ ستر کی بحث.......... [سأرهقه صعودا (ترجمہ) میں اسے مجبور کروں گا وہ کٹھن چڑھائی چڑھے] .... میں گذر چکا ہے۔

❁ ⁂ ❁ ⁂ ❁

1۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب صفۃ النار، ج 2 ص 502

2۔ صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی رحمہ اللہ، باب صفۃ النار، ج 2 ص 502

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 359

فصل سوم

جہنم کی غذائیں

جہنم میں پیپ اور خون پلایا جائے گا:

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ......

(سورۃ ابراہیم 15:13)

''اور رسولوں نے حق کی فتح کی التجاء کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہوگیا۔ ہر سرکش، منکرِ حق اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے۔ پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا۔''

جبار: وہ متکبر جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا۔

عنید: الجائر عن القصد وھو العنود والعنید والعائد ''یعنی راہِ راست سے منہ موڑنے والا۔''

یسیغه: اساغ سے لیا ہوا ہے بمعنی خوشگوار سمجھنا۔

ثابت ہوا کہ متکبرین، حق سے منہ موڑنے والوں کو دنیا میں ذلت ورسوائی سے دوچار کرنے کے بعد انہیں فراموش نہیں کردیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء ورسل کی توہین کرنے والوں اور گستاخیاں کرنے والوں اور قبولِ حق سے انکار کرنے والوں کو جہنم میں پھینک دے گا اور پانی کی جگہ ان کو خون و پیپ پینے کے لئے فراہم کی جائے گی۔ اگرچہ وہ شدت پیاس کی وجہ سے پینے پر مجبور بھی ہوں گے لیکن بدبودار پیپ، بدذائقہ اور جہنم کی آگ میں کھولتی ہوئی ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکے گی وہ بڑی مشکل سے کوئی ایک گھونٹ نیچے اتار سکیں گے۔ [1]

پگھلائی ہوئی دھات ان کے منہ کو بھون دے گی:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ''بیشک ہم نے ظالموں کے لئے وہ آگ تیار کر رکھی ہے، جس

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 2، ص 510

يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

(سورۃ الکہف 16:15)

کی دیواریں انہیں گھیرلیں گی اور اگر پانی کے لئے فریاد کریں تو ان کی فریادرسی ہوگی اس پانی سے کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دے گا، کیا ہی برا پینا ہے؟ اور دوزخ کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

المهل: کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔[المهل دردئی الزیت] زیتون کی تلچھٹ (جھاگ)[کل شیء اذبته من ذهب او نحاس او فضة فهو المهل]"سونا تانبہ چاندی میں سے کسی چیز کو پگھلانا مہل ہے۔[وقيل انه الصديد والقيح] "بعض نے کہا: پیپ اور زرد رنگ کا خون کی طرح پانی مہل ہے۔[وقيل انه ضرب من قطران] بعض حضرات نے کہا: یہ تارکول کی ایک قسم ہے۔" (حوالہ)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں "پگھلی ہوئی دھات" مراد ہے۔ کیا ہی برا پینا ہے یعنی پینے کا مقصد حرارت و پیاس کو کم کرنا لیکن وہاں کا یہ پینا حرارت بڑھائے گا۔

کھولتا پانی انتڑیوں کو کاٹ دے گا:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

(سورۃ محمد 6:26)

"جہنم میں ہمیشہ رہنے والوں کو گرم کھولتا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔"

اس گرم پانی کا کم از کم اثر یہ ہوگا کہ ان کے موہنوں کو بھون دے گا، پھر جب اس کی تمازت (گرمی، حرارت) اور بڑھے گی تو ان کے سروں کی کھال کو جلا کر ادھیڑ دے گا۔ پھر مزید پینے سے ان کی انتڑیوں کے کٹ کٹ کر ٹکڑے ہو جائیں گے۔

گرم کھولتا پانی سروں پر ڈالا جائے گا:

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

(سورۃ الحج 9:17)

"تو جو لوگ کافر ہوئے ان کے لئے آگ کے کپڑے بنائے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں۔"

"المرد بالثياب احاطة النار بهم"

"آگ کے کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ آگ ان کا ہر طرف سے احاطہ کر لے گی۔"

جس طرح پہلے ذکر کیا گیا، ان کا بچھونا اور اوڑھنا جہنم ہوگا۔ اس گرم کھولتے ہوئے پانی کی تاثیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:[لو سقطت منه قطرة على جبال الدنيا لاذابتها]"اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے

پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو یہ تمام پگھل جائیں۔

[یصھر ای یذاب] "یعنی یصھر کا معنی ہے پگھلا دینا۔" جب گرم کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو جس طرح وہ ظاہر جسموں پر اثر کرے گا کہ ان کی کھال کو جلا دے گا اسی طرح اس کا باطن میں یہ اثر ہوگا کہ انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ (1)

بدبودار غساق:

وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ (سورۃ ص 13:23)

"بے شک سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے جہنم کہ اس میں جلیں گے تو کیا ہی برا بچھونا ان کا یہ ہے۔ تو اسے چکھیں کھولتا پانی اور پیپ"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو ان دلوا من غساق یھراق فی الدنیا لانتن اھل الدنیا" (ترمذی، مشکوۃ باب صفۃ النار، ج 2، ص 503)

"بے شک اگر ایک ہی ڈول غساق (پیپ) کا دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والے بدبودار ہو جائیں۔"

غساق کے مختلف معانی کیئے گئے ہیں:

(1) جہنمیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ اور خون وغیرہ۔

(2) جہنمیوں کے بہنے والے آنسو۔

(3) سخت سردی کا عذاب۔

(4) پیپ سخت ٹھنڈی یخ اور بدبودار اتنی ٹھنڈی کہ جس کا پینا دشوار ہو جائے جس طرح سخت گرم کا پینا دشوار ہوتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہی معنی (پیپ سخت سرد بدبودار) لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے حمیم اور غساق دو لفظ ذکر فرمائے۔ ان کا معنی میں تقابل ہوگا کہ حمیم کا معنی سخت گرم اور غساق کا معنی پیپ سخت سرد۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے فرمایا:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ (سورۃ النبا 1:30)

اس (دوزخ) میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہیں پائیں گے اور نہ ہی کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا پیپ (بدبودار اور سخت سرد) جیسے کو تیسا بدلہ۔" (2)

1۔ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 23، ص 20

3۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 363

کھانے کے لئے زقوم (تھوہر کا درخت) دیا جائے گا:

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾

(سورۃ صافات 6:23)

کیا یہ (نعمتیں اور ضیافتیں جو مخلص بندوں کو حاصل ہیں) بہتر ہیں یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لئے، یہ ایک درخت ہے جو اُگتا ہے جہنم کی تہ میں، اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں، پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اسی سے، اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا، پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔

جحیم سے مراد یہاں مطلقاً دوزخ ہے، اگرچہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ نعمتیں اور ضیافتیں جن سے ہم اپنے مخلص بندوں کو سرفراز کریں گے اچھی ہیں یا زقوم کا درخت خود ہی فیصلہ کرلو۔

زقــوم: ایک بدنما اور بدصورت درخت ہے۔ اس کا ذائقہ سخت کڑوا ہے، اس کی بو ناگوار، اس سے جو پانی بہتا ہے وہ جس سے چھو جائے تو ورم ہو جائے اور اس پر تیز نوکدار کانٹے ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ درخت تہامہ کے علاقہ میں پیدا ہوتا ہے بڑا کڑوا اور بدبودار ہے۔ [قال قطرب: انها شجرة مُرة تكون بتهامة من اخبث الشجر]

اور بعض نے کہا کہ اس نام کا کوئی درخت اس دنیا میں نہیں یہ جہنم کے ایک درخت کا نام ہے [القـول الثاني انها لا تعرف في شجر الدنيا[1]]

زقــوم: کا درخت جو جہنم کے وسط میں اُگے گا۔ اس کے شگوفے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر، اگرچہ کسی نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا لیکن جس طرح کسی خوبرو اور حسین کو فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے، اسی طرح بدصورتی بیان کرنے کے لئے شیطان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

جہنمیوں کو کھانے کے لئے زقوم ملے گا اور اس زقوم سے بھرے ہوئے پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی سے چھینٹا دیا جائے گا یعنی پینے کے لئے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا۔[2]

مگر خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے زقوم کا معنیٰ "تھوہر" کیا ہے۔ منجد میں اردو ترجمہ اس کا "تھوہر کا درخت"

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 4، ص 206

2۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ، ج 4، ص 206

اور "جہنم میں ایک درخت کا نام" کیا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ دنیا کی تھوہر طرح شکل وشباہت میں ہو، ورنہ اس کی کڑواہٹ بہت ہی زیادہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لو ان قطرة من الزقوم قطرت فی دار الدنیا لافسدت علی اهل الارض معایشهم فکیف بمن یکون طعامه"

(مشکوۃ باب صفۃ اہل النار، ج2، ص503)

"اگر ایک قطرہ زقوم کا تمام دنیا کے جہان پر ٹپکا دیا جائے زمین کی معیشت تباہ وبرباد ہوجائے، اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کو وہ کھانا پڑے گا۔"

آگ کے کانٹے بھی کھانے کو ملیں گے:

هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ﴿۵﴾ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ﴿۶﴾ لَّا یُسْمِنُ وَ لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾

(سورۃ الغاشیہ 13:30)

بے شک تمہارے پاس اس مصیبت کی خبر آئی جو چھا جائے گی، کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے، کام کریں گے مشقت جھیلیں گے، بھڑکتی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں گے، ان کو بھوک ستائے گی تو کھانے کے لئے خاردار جھاڑ ملے گا۔ کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں۔

"قال عکرمه و مجاهد الضریع نبت ذوشوك لصاعق بالارض تسمیة قریش شبرق اذا کان رطباً فاذا یبس فهو الضریع"

(تفسیر قرطبی بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن ج5، ص549)

"یعنی عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹوں والی بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

یعنی اس خوراک سے اس شخص کے جسم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا نہ دبلا پتلا ہوگا اور نہ ہی اس میں طاقت آئے گی کیونکہ یہ ضریع زہر قاتل ہے لیکن جب تک وہ تر ہو یعنی شبرق ہو اسے اونٹ کھاتے رہتے ہیں۔

"ان الضریع ما یبس من الشبرق و هو جنس من الشوك ترعاه الابل مادام رطباً فاذا یبس فهو سم قاتل"

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ ج31، ص153)

بے شک ضریع اسے کہتے ہیں جب شبرق کو خشک کرلیا جائے یہ خاردار قسم کا پودا ہے۔ جب تک تر ہو یعنی شبرق ہو اس وقت تک اونٹوں کو کھلایا جاتا ہے لیکن جب خشک ہوجائے تو زہر قاتل ہوجاتا ہے۔

جہنم میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے کبھی کھانے کو زقوم دیا جائے گا، کبھی پیپ کانٹے۔

فصل چہارم

جہنم کے دردناک عذاب

لوہے کے گرزوں سے پیچھے دھکیل دینا:

وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ (سورۃ الحج 9:17)

''اوران کے لئے لوہے کے گرز ہیں۔ جب گھٹن کے سبب اس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ چکھو! آگ کا عذاب۔''

مقامع ای سیاط: گرزیں، کوڑے، چابک۔ وہ ایک گرز اگر روئے زمین کے تمام جنوں اور انسانوں کو جمع کرے ماری جائے تو سب کو تباہ و برباد کردے۔ آگ کے عظیم شعلے جب جہنم والوں کو اوپر پھینک دیں گے تو پھر ان کو لوہے کی گرزوں سے مار کر جہنم کے نیچے حصہ ستر سال کی راہ پہنچا دیا جائے گا۔

آگ کی دیواروں کی موٹائی:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

'' السرادق النار اربعة جدر كشف كل جدار مسيرة اربعين سنة '' (ترمذی، مشکوٰۃ، باب صفۃ النار، ج 2، ص 503)

''آگ کا احاطہ کرنے والی چار دیواریں ہیں۔ ہر دیوار کی اتنی موٹائی ہوگی جتنی چالیس سال میں مسافت طے کی جاتی ہو۔''

'' السرادق كل ما احاطه بشيء من جدار او مضرب ''

''سرادق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو احاطہ کرتی ہو خواہ دیوار ہو یا خیمہ ہو۔''

بیڑیوں میں جکڑے جائیں گے:

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

''تم دیکھو گے مجرموں کو اس روز کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی

1۔ مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 10 ص 362,363

(سورۃ ابراہیم 19:13) ان کے چہروں کو آگ۔"

اس روز مجرموں کو اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ زنجیر و سلاسل میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انہوں نے پہنا ہوا ہوگا۔

شرح الالفاظ:

[مقرنین مشددین] بندھے ہوئے جکڑے ہوئے۔ [الاصفاد الاغلال و القیود] طوق اور بیڑیاں یعنی ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے۔ [سرابیل، سربال] قمیص [قطران] وہ سیال (رال) جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے یعنی "تارکول"

مدارک خازن میں ہے کہ سیاہ رنگ کا تیل یعنی رال بدبودار جہنم میں ہر طرف سے ان لوگوں کو گھیرے میں لئے ہوگی تاکہ اس کے ذریعے جہنم کی آگ کے شعلے اور بھڑکیں۔ بیضاوی میں ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا تیل یعنی تارکول یا رال ان کے جسموں پر لیپ دیا جائے گا اس کی بدبودار اس آگ کے زیادہ اثر کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ہی زیادہ تکلیف ہوگی۔ ان کے جسم زیادہ جلیں گے۔ [1]

جہنم میں بہت عذاب ہوں گے:

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

(سورۃ النحل 18:14)

"جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم عذاب پر عذاب بڑھایا بدلہ ان کے فساد کا۔"

یعنی ایک ایک شخص پر کئی کئی عذاب ہوں گے۔ کفر کا عذاب، دوسروں کو خدا کی راہ سے روکنے کا عذاب اور گمراہ کرنے کا عذاب۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ﴿۳۹﴾ فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىٕضِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿۴۸﴾

ہر جان اپنے عملوں میں گروی (رہن رکھا ہوا) ہے سوائے اصحاب یمین کے (جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوں گے) جو جنت میں ہوں گے، جنت والے مجرموں سے پوچھیں گے: تمہیں کس جرم نے جہنم میں داخل کیا ہے۔ وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا بھی نہیں کھلاتے تھے اور ہم بے ہودہ فکر کرنے والوں کیساتھ بے ہودہ

1۔ تفسیر خزائن العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، پ 13 ع 19

فکر میں رہتے تھے اور ہم جزاء کے دن (قیامت) کی تکذیب (جھٹلاتے) کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آ کر پالیا۔ پس ان (کافروں) کو کسی سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ (سورۃ المدثر 16:29)

یعنی یہ تمام وجوہ ان کے عذاب کی ہوں گی۔ ہر وجہ سے ایک مختلف عذاب ہوگا۔ اس طرح عذاب پر عذاب ہی ہوگا۔

فصل پنجم

آگ سے بچنا ممکن نہیں

تو بڑا عزت والا بنتا تھا آج مزہ چکھ!

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(سورۃ دخان 16:25)

"بے شک فیصلہ کا دن ان سب کی معیاد (وعدہ کا دن) ہے، جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی مگر جس پر اللہ رحم کرے، بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔ بے شک تھور کا درخت گنہگاروں کی خوراک ہے۔ گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے جیسے کھولتا پانی جوش مارے (فرشتوں کو حکم ہوگا) اسے پکڑو! ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ، پھر اس سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ (پھر اسے کہا جائے گا) چکھ (عذاب کا مزہ) ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔"

یعنی تو تو بڑا عزت والا بنتا تھا۔ کہتا تھا: میں سردار ہوں، رئیس اعظم ہوں۔ اس تکبر و عناد کی وجہ سے تو مجھ سے روگردانی کرتا رہا۔ اب ذرا میرے عذاب کا مزہ بھی چکھ! تجھے سمجھ آجائے کہ تو کتنا عزت اور کرم والا ہے۔ زبان سے تو بڑی ڈینگیں مارتا رہا، انبیاء کرام کی تکذیب کرتا رہا، آج ذرا عذاب کو دیکھ کر بھی وہی دعویٰ کر لیکن اس وقت تو بڑے بڑے متکبروں کا یہ حال ہوگا۔

"وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" (پ 15:21)

"آپ دیکھیں گے جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے۔"

بھاگنے کی کوشش پر آگ کے شعلے مارے جائیں گے:

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ (سورۃ الرحمٰن 11:27)

"(اے گروہ جن وانس) بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں، پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔"

یعنی اگر تم نے اس روز بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا وہ اسی قدم پر تمہیں بھون کر رکھ دے گا۔

شواظ: [اللهب الذى لا دخان فيه] وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔

نحاس: [الدخان الذى لا لهب فيه] وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نحاس کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبہ بھی ہے۔ (1)

اب اس تفسیر کے سمجھنے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی طرف غور کریں!! کیسے ایک نقطہ سے مقصد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ آپ کا ترجمہ: "تم پر چھوڑی جائے گی بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ، اور بے لپٹ کا کالا دھواں، پھر بدلہ نہ لے سکو گے۔" (2)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شواظ کو معنی "بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ" کر کے پوری تفسیر واضح فرمادی کہ شواظ آگ کے اس شعلہ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور وہ اپنی لپیٹ میں لے لے ہر طرف سے چھا جائے۔

اور نحاس کا معنی ہے آپ نے بے لپٹ کا کالا دھواں" کیا ہے۔ جس سے پوری تفسیر واضح ہو رہی ہے کہ نحاس۔ وہ دھواں ہے جس میں شعلہ نہ ہو۔ اور جس آگ میں شعلہ نہ ہو وہ اس طرح اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی جس طرح شعلہ والی آگ اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔

اسی طرح [فلا تنتصران] کا معنی کیا "تو پھر بدلہ نہ لے سکو گے" یعنی اگر تم نے دنیا میں کسی پر احسان کیا بھی تھا، تو وہ بھی تمہارے کام نہیں آسکے گا کہ تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔ اتنی لمبی تفسیر کو آپ نے اپنے ترجمہ سے ہی واضح فرمادیا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کنزالایمان کے حسن وجمال اور خوبیوں کو دیکھنے کیلئے بندہ حقیر سراپا تقصیر کی کتاب "تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان" کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں وہ کمالات ہیں جو دوسرے تراجم میں نظر نہیں آتے لیکن جیسے میں نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ ابھی تحقیق کے ابتدائی مراحل ہیں، جیسے تحقیق وتدقیق کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا ایسے آپ کے ترجمہ کے حسن وجمال میں اور نکھار آئے گا۔

1۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 5، ص 76

2۔ ترجمہ کنزالایمان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ پ 27 ع 11 آیت 35

یہ حقیقت ہے کہ کئی مقامات میری نظر میں آ رہے ہیں جن کو اپنی کتاب میں نہیں سمو سکا۔ ممکن ہے کوئی اور صاحبِ علم اس پر توجہ فرمائیں۔

دوزخ محلات کی طرح چنگاریاں اڑا رہی ہوگی:

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ لَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۷﴾

(سورۃ المرسلات 22:29)

"چلو! اس کی طرف جسے جھٹلاتے تھے، چلو! اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں، نہ سایہ دے نہ لپٹ سے بچائے، بے شک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے جیسے اونچے محل، گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی، یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی۔"

قیامت کے دن منکر کو حکم ملے گا: چلو! اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کرتے تھے۔ چلو! اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ سایہ ٹھنڈا سایہ نہیں جس کے نیچے آگ کی تپش سے نجات مل جائے۔ بظاہر تو یہ سایہ معلوم ہوتا ہے حقیقت میں یہ دوزخ سے اٹھتا ہوا دھواں ہے۔ اگر کوئی بھاگ کر اس کے تلے پناہ لینا چاہے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں۔ اس کے نیچے کھڑے ہونے سے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔ تنور سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ دیکھیں تو پہلے وہ ایک بگولے کی طرح اٹھتا ہے۔ جب وہ فضاء میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بننے لگتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

چہرے بدنما ہوں گے اور رب تعالیٰ کی دھتکار ہوگی:

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

(سورۃ المومنون 6:18)

ان کے منہ پر آگ لپٹ مارے گی اور وہ اس میں منہ چڑھائے ہوں گے۔ (اب پوچھے گا) کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھی تو تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دے۔ پھر اگر ہم ایسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں، رب فرمائے گا: دھتکار ہے (دفعہ ہو جاؤ) پڑے رہو اس میں مجھ سے بات نہ کرو۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: [وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ] (اور وہ اس

میں منہ چڑائے ہوں گے)[قال تشویه النار فتقلص شفته النار حتی النار حتی تبلغ وسط رأسه وتسترخی شفته اسفلی حتی تضرب سرته] آپ نے (ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا کہ جہنمی شخص کا اوپر والا ہونٹ سکڑ کر سر کے وسط (درمیان) میں پہنچ جائے گا اور نیچے والا ڈھلک کر ناف تک آجائے گا۔ (1)

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ وہ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ (مالک) کو چالیس برس تک پکارتے رہیں گے۔ اس کے بعد وہ کہے گا: تم جہنم ہی میں پڑے رہو گے۔ پھر وہ پروردگار کو پکاریں گے اور کہیں گے: اے رب ہمارے! ہمیں دوزخ سے نکال اور یہ پکار ان کی دنیا سے دوگنی عمر کی مدت تک جاری رہے گی۔ اس کے بعد انہیں جواب دیا جائے گا دھتکار ہے، پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ (2)

اور دنیا کی عمر کتنی ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

جہنم میں گدھے کی طرح ہینگیں گے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ (۱۰۶)
(سورۃ ھود 9:12)

"تو وہ جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہیں وہ اس میں گدھے کی طرح ہینگیں گے۔"

"زفیر: صوت شدید ای اول نهیق الحمار وشهیق صوت ضعیف ای آخره اذا ردده فی جوفه" (3)

"سخت آواز جو گدھے کے ابتدائی ہینگنے پر ہوتی ہے اس کو زفیر کہا جاتا ہے اور گدھے کے ہینگنے کی آخری آواز جو وہ اپنے پیٹ میں ہی گھماتا رہتا ہے اسے شہیق کہا جاتا ہے۔"

یعنی جہنمی لوگ عذاب جہنم کے درد والم سے کراہتے ہوئے اتنی زور زور سے اور آہستہ پیٹ میں گھما گھما کر چیخیں ماریں گے یوں محسوس ہوگا گویا گدھے ہینگ رہے ہوں گے۔

عذاب سے پہلے ہی انجام نظر آئے گا:

وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ (۲۴) تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (۲۵)
(سورۃ القیامۃ 17:29)

"اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے، خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا۔"

میدانِ محشر میں ہی اپنے اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ ہمہ وقت فکر دامن گیر ہوگی کہ ہائے ہمارے ساتھ کیا

1۔ جامع ترمذی بحوالہ مشکوۃ المصابیح، باب صفۃ النار ج2، ص503
2۔ تفسیر خازن، ج، ص
3۔ تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ مع حاشیہ کمالین، ص

سلوک ہوگا، کفر و بدکاریوں کا انجام سامنے آجائے گا تو معلوم ہوگا کہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخیوں کا ہی یہ انجام ہے۔ اس وقت چیخنا، چلانا، دعائیں کرنا، التجائیں کرنا سب ہی بے سود ہوں گے۔

جہنم میں سخت سردی کا عذاب بھی ہوگا:

جہنم میں مقصد عذاب دینا ہوگا اسی وجہ سے سخت ٹھنڈی یخ پیپ اور سخت گرم تانبا پگھلا کر دیا جائے گا کیونکہ جس طرح سخت گرم سے تکلیف ہوگی، اسی طرح سخت سرد سے بھی تکلیف ہوگی۔ جہنم کے زیادہ طبقات میں آگ کا عذاب ہوگا اس لئے آگ کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے، ورنہ ایک وہ طبقہ بھی ہے جو زمہریر کہلاتا ہے' جس میں سخت سردی ہوگی۔ انسان کی برداشت سے جب سردی بھی بڑھ جائے تو وہ بھی عذاب الیم (دردناک عذاب) ہی ہوتا ہے۔

"اسم النار منقولة لدار العقاب علی سبیل الغلبة و ان اشتملت علی الزمھریر والمھل والضریع"

(مرقاۃ المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 10 ص 318)

"آگ کا ذکر اس لئے ہے کہ یہ زیادہ طبقات میں پائی جائے گی گویا کہ نار سے مراد دارِ عقاب ہی ہے کیونکہ وہاں اور عذاب بھی ہوں گے جیسے زمہریر (سردی کا عذاب) اور مہل (پگھلائی ہوئی دھات کا عذاب) اور ضریع (آگ کے کانٹوں کا) عذاب بھی ہوگا۔"

انسان کو چاہیے کہ دنیا میں نیک اعمال کرے، برائیوں سے اجتناب کرے۔ عظمت انبیاء کرام اور بالخصوص مقام مصطفیٰ ﷺ کو پہچانے۔ آپ کی محبت کو سینہ میں جاگزیں کرے اور اولیاء کرام کی شان کو سمجھے، دینِ حق پر قائم رہے، موت یاد رکھے، جنت و دوزخ کو مدنظر رکھے، رب تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی رضاء کا طالب رہے، بس یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے آباء و اجداد اور میرے اہل و عیال اور میرے اساتذۂ کرام اور میرے رفقاء کرام کو جنت الفردوس عطا فرمائے، دوزخ سے محفوظ فرمائے، عذابِ قبر سے بچائے، دینِ حق اور محبت مصطفیٰ ﷺ پر قائم و دائم رکھے۔

(آمین ثم آمین)

اس کتاب کے شروع کرنے سے تین ماہ قبل میرے استاذِ المکرم ابوالحسنات مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب...... شیخ الحدیث سیال شریف......... کے والدین کا انتقال ہوا، اور دورانِ تحریر میرے عظیم دوست شفیق و مہربان رفیق مولانا علامہ ابوالفضل اللہ دتہ سیالوی صاحب...... شیخ الحدیث بھابڑا ضلع سرگودھا...... کی جواں بیٹی کا انتقال ہوا اور دورانِ تصنیف ہی میرے پیارے دوست قاری محمد یوسف صاحب سیالوی آف کھوکھا دینہ ضلع جہلم کے جواں سال حافظ و قاری بھانجے کا انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ ان تمام کو بلند درجات عطا فرمائے، جنت الفردوس عطاء فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں نے برادرم قاری محمد آصف صاحب قادری اور برادرم قاری محمد عارف صاحب قادری کے ارشاد پر باوجود عدیم الفرصت ہونے کے کتاب کی تین ماہ بیس دن میں تکمیل کر لی۔ اللہ تعالیٰ اس میری کاوش اور قادری برادران کی الکِ حق کی خدمت کو قبول فرمائے۔

قادری برادران اور ان کے پیرومرشد، پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ شاہ تراب الحق صاحب کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

الاختتام بفضلہ تعالی

۴ دسمبر ۱۹۹۴ء بمطابق ۲۹ جمادی الاخری اتوار بوقت صبحِ صادق

حافظ عبد الرزاق بهترالوی، حطاروی

ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مصادر و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
	تفاسیر		
1	قرآن مجید	کلام اللہ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
2	کنز الایمان	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
3	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	دار الفکر بیروت
4	تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
5	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
6	تفسیر روح البیان	علامہ اسماعیل حقی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
7	تفسیر نسفی	علامہ احمد بن محمود نسفی	مکتبہ محمدی بمبئی
8	تفسیر جلالین	امام جلال الدین سیوطی و محلی	قدیمی کتب خانہ کراچی
9	تفسیر ابن کثیر	ابو الفداء اسماعیل بن کثیر	دار احیاء التراث بیروت
10	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین خازن	دار الفکر بیروت
11	تفسیر احکام القرآن	ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری	دار احیاء التراث
12	تفسیر قرطبی	امام محمد بن احمد ابو بکر قرطبی	دار الفکر بیروت
13	تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	کابل افغانستان
14	تفسیر کشاف	جار اللہ زمخشری	دار الکتاب العربی بیروت
15	تفسیر خزائن العرفان	سید نعیم الدین مراد آبادی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
16	تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی	نعیمی کتب خانہ لاہور
17	تفسیر نور العرفان	مفتی احمد یار خان نعیمی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
18	تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

19	تفسیر نجوم الفرقان	علامہ عبدالرزاق بھترالوی	مہر العلوم، ضیاء العلوم راولپنڈی
20	تفسیر صاوی	شیخ احمد صاوی	مکتبہ غوثیہ کراچی
21	تفسیر احکام القرآن	امام ابوعبداللہ انصاری قرطبی	داراحیاء التراث بیروت
22	تفسیر درمنثور	امام جلال الدین سیوطی	دارالکتب العلمیہ بیروت
23	تفسیر احکام القرآن	امام ابوبکر جصاص	سہیل اکیڈمی لاہور
24	تفسیر بیضاوی	امام بیضاوی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
25	تفسیر البحر المحیط	علامہ ابوحیان اندلسی	داراحیاء التراث بیروت

کتب حدیث

26	صحیح بخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
27	صحیح مسلم	امام مسلم قشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
28	جامع ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	فاروقیہ کتب خانہ ملتان
29	سنن ابی داؤد	سلیمان ابن اشعث سجستانی	قدیمی کتب خانہ کراچی
30	سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
31	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
32	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	عالم الکتب بیروت
33	مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس	میر محمد کتب خانہ کراچی
34	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی	طیب اکیڈمی ملتان
35	مستدرک	امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری	بیروت
36	طبرانی	امام طبرانی	بیروت
37	مؤطا امام محمد	امام محمد	مکتبہ رحمانیہ لاہور
38	سنن دارمی	امام دارمی	عالم الکتب بیروت
39	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	دارالکتب العلمیہ بیروت
40	مشکوٰۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

41	دار قطنی	شیخ امام حافظ علی بن عمر دار قطنی	مکتبہ عصریہ بیروت

شروحات و حواشی

42	فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی	دار الریان التراث بیروت
43	عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی	دار الفکر بیروت
44	نووی شرح مسلم	امام یحیٰ بن شرف نووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
45	مرقاۃ المفاتیح	علامہ محمد بن سلطان علی القاری	مکتبہ امدادیہ ملتان
46	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی

سیرت

47	وفاء شریف	علامہ ابن جوزی	دار الفکر بیروت
48	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد سمھودی	دار احیاء التراث العربی
49	جواہر البحار	علامہ محمد بن اسماعیل نبہانی	نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور
50	مواہب لدنیہ	علامہ احمد بن محمد قسطلانی	دار الکتب العلمیہ بیروت
51	مدارج النبوت	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور
52	شفاء شریف	قاضی عیاض مالکی	دار الکتب العلمیہ بیروت
53	شرح شفاء	علامہ علی قاری	دار الکتب العلمیہ بیروت
54	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	شبیر برادر لاہور

فقہ وفتاوی جات

55	رد المحتار و در مختار	علامہ ابن عابدین شامی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
56	الحاوی للفتاوی	امام جلال الدین سیوطی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
57	طحطاوی علی المراقی الفلاح	علامہ شیخ احمد طحطاوی	مکتبہ غوثیہ کراچی
58	فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان	رضا فاؤنڈیشن لاہور
59	فتاوی نوریہ	فقیہ العصر مولانا نور اللہ بصیر پوری	انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور
60	بہار شریعت	مولانا امجد علی اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی

61	عمدۃ الرعایہ	علامہ عبدالحی لکھنوی	
62	فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیری	مولانا شیخ نظام الدین	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
63	البحرالرائق شرح کنزالدقائق	شیخ زین الدین ابن نجیم	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ
64	عینی شرح کنزالدقائق	شیخ بدرالدین ابومحمد محمود العینی	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان
65	ہدایہ	علامہ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی	مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی

متفرقات

66	شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطی	شبیر برادر لاہور
67	حیات الموات فی سماع الاموات	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان	رضا فاؤنڈیشن لاہور
68	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	دارالفکر بیروت
69	کتاب الروح	علامہ ابن قیم	بیروت
70	جلاء الصدور	علامہ محمد اشرف سیالوی	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم
71	شرح عقائد نسفی	علامہ سعد الدین تفتازانی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
72	نبراس شرح شرح عقائد	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	شاہ عبدالحق اکیڈمی خوشاب
73	البصائر	علامہ ابن قیم	
74	بریقہ محمودیہ فی طریقہ محمدیہ	شیخ ابوطالب مکی	
75	تذکرۃ الاولیاء	شیخ فریدالدین عطار	مونال پبلی کیشنز راولپنڈی
76	البیان المشید	مولانا اشرف علی تھانوی	بمبئی
77	بزمِ جمشید	مولانا اشرف علی تھانوی	لاہور
78	فضائل اعمال	مولانا محمد زکریا	مکتبہ رحمانیہ لاہور
79	حدائق بخشش	اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان	مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور
80	ذوقِ نعت	مولانا حسن رضا خان	اکبر بک سیلرز لاہور
81	مہر منیر	مترجم مفتی فیض احمد	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
82	تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان	علامہ عبدالرزاق بھترالوی	مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی

83	حصن حصین	علامہ محمد بن جزری شافعی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
84	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد بن احمد غزالی	شبیر برادرز لاہور
85	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی	دارالکتب العلمیہ بیروت
86	مختصر المعانی مع حاشیہ	علامہ تفتازانی / محمود الحسن	مکتبہ رحمانیہ لاہور
87	گلستان سعدی	شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم
88	شرح فقہ اکبر	علامہ علی قاری	دارالکتب العلمیہ بیروت
89	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	علامہ ابن حجر عسقلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
90	میزان الاعتدال	علامہ ذہبی	دارالحدیث بیروت
91	الاستیعاب	علامہ ابن حجر عسقلانی	دارالحدیث بیروت
92	زادالمعاد	علامہ ابن قیم	دارالحدیث بیروت
93	اخبار القرآن، دقائق الاخبار	بحوالہ درۃ التاج فی مسئلہ المعراج	نوریہ رضویہ فیصل آباد
94	زواجر	علامہ ابن حجر مکی	دارالکتب العلمیہ بیروت
95	ماہنامہ رضوان	انجمن حزب الاحناف	دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

ارفع الدرجات
تشریح تحقیقات
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مکتبہ امام احمد رضا

تخریج شدہ مع اضافات جدیدہ
تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام
مکتبہ امام احمد رضا

میلادِ مصطفیٰ
از
نجوم الفرقان
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی
مکتبہ امام احمد رضا

قابلِ مُطالعہ کتابیں

تسکین الجنان
محاسن کنز الایمان

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

شمعِ ہدایت

افضلیت صدیق اکبر
جواہر التحقیق

نمازِ حبیبِ کبریا

نجوم التحقیق

میلادِ مصطفیٰ

مکتبہ امام احمد رضا